مقالات

جلد اوّل

از

پیر محمد کرم شاہ الازہری

(سجّادہ نشین بھیرہ)

Marfat.com

Marfat.com

مقالات

جلد اوّل

از

پیر محمد کرم شاہ الازہری

(سجّادہ نشین بھیرہ)

مرتبہ

پروفیسر حافظ احمد بخش

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

۹ الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور

Marfat.com

86520

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب	مقالات (جلد اول)
	از پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری
مرتبہ	پروفیسر حافظ احمد بخش (ایم۔ اے)
اشاعت اول	جنوری ۱۹۹۰ء
تعداد	ایک ہزار
قیمت	۷۵ روپے
مطبع	اے کے زیڈ پرنٹرز۔ لاہور

Marfat.com

ترتیب

انتساب	۷
عرض ناشر	۸
حضرت ضیاء الامت ایک انقلاب آفریں شخصیت	۱۱
اسوۂ حسنہ	۸۹
حضور نبی رحمت بحیثیت معلم اخلاق	۱۰۱
سرور کائنات کا نظام اخلاق	۱۲۱
اتباع سنت نبوی قرآن کریم کی روشنی میں	۱۲۵
قرآن کتاب انقلاب	۱۶۵
اسلام دین فطرت	۱۸۵
عدل و انصاف قرآن کی روشنی میں	۲۱۲
حضورؐ کا معاشی انقلاب	۲۵۷
اسلام کا سیاسی نظریہ اور بیعت صدیقی	۲۷۹
فاروق اعظم اور اہل بیت	۳۱۷
اسلام اور تصوف	۳۴۸
اسلام میں تصوف کا مقام	۳۸۳
خواجہ شمس العارفین اور ان کا عہد	۳۹۹
حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی	۴۴۵

Marfat.com

Marfat.com

اِنتساب

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف،
کے اُن غیور اور پر عزم فضلاء کے نام

جو

حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری
مدظلہ العالی کے خونِ جگر کا ثمرہ ہیں۔

Marfat.com

عرضِ ناشر

مقالات ضیاء الامت جلد اول کا پہلا اڈیشن آج سے تقریباً چھ سال پہلے ۱۹۸۲ء
میں مولانا محمد عبداللہ صاحب اور اُن کے رفقاء نے منڈی بہاؤ الدین سے شائع کیا۔
مختلف علمی و تحقیقی موضوعات پر حضرت جسٹس پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری کے
مقالات کا یہ انتخاب علمی دنیا میں ایک گراں قدر اضافہ تھا جس کے سبب ملک کے
طول و عرض میں اس کتاب کو بہت پذیرائی حاصل ہوئی۔

کتاب کی اہمیت کے پیشِ نظر مرکزی دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کی مجلس
مشاورت نے فیصلہ کیا کہ جلد اول کا دوسرا اڈیشن اور جلد دوم ہر دو کتب "ضیاء القرآن
پبلی کیشنز" کی معرفت پورے اہتمام اور حسنِ طباعت کی جملہ رعنائیوں کے ساتھ شائع
ہونی چاہئیں۔ جس پر میں نے یہ ذمہ داری قبول کر لی۔ پوری کتابت نئے سرے سے
کرائی گئی۔ اور کتاب کو دلآویز بنانے کے لیے جتنی کوشش ممکن تھی، میں نے سرانجام دی۔

چونکہ ادارہ کے وسائل اس دوران تفسیر ضیاء القرآن کی طباعت اور "جمال القرآن"
کی اشاعت پر مرتکز رہے۔ اس لیے قارئین کو انتظار کے جانگسل مراحل طے کرنا پڑے۔

Marfat.com

امید ہے احباب معذرت قبول فرمائیں گے۔ اور جس طرح انھوں نے ضیأ القرآن پبلی کیشنز کی پہلی کاوشوں کو سراہا ہے اسے بھی قبول فرمائیں گے۔

پیرزادہ محمد حفیظ البرکات شاہ
مینجر ضیأ القرآن پبلی کیشنز لاہور

ذخیرہ
لاہور پاکستان

Marfat.com

Marfat.com

حضرت ضیاءُ الاُمّت
ایک انقلاب آفریں شخصیّت

از

پروفیسر حافظ احمد بخش (ایم اے)

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

احیائے اسلام کے سلسلہ میں یوں تو بے شمار تحریکیں اس برِصغیر پاک و ہند میں ابھریں اور اس کی ترویج و اشاعت میں نمایاں کردار ادا کیا، لیکن وہ فکری و روحانی انقلاب جس نے تاریخ کا رُخ موڑ دیا، وہ حضرت غوث العالمین بہاء الحق والدین زکریا ملتانی اور سلسلہ چشتیہ کے مہرِ عالمتاب فریدالدین مسعود گنج شکر کی خانقاہ ہی تحریک کا مرہونِ منت ہے۔ جہاں ایک طرف خلوتیانِ میکدہ اپنے سبو بھرتے نظر آتے ہیں تو دوسری طرف جلوتیانِ مدرسہ کے کدو بھی خالی نہیں لوٹائے جاتے۔ یہ تحریک جس میں مدرسہ و خانقاہ ایک ہی سلسلہ کی دو حسین کڑیاں تھیں، کئی سو سال تک اپنی شان و شوکت اور اثر آفرینی کے سبب عالمِ اسلام کی توجہ کا مرکز بنی رہی، یہاں تک کہ انگریزی استعمار نے جہاں اسلامی تمدن و ثقافت کے بعض دوسرے بنیادی عناصر کو نشانہ بنایا، وہاں یہ مقدس تحریک بھی ان کی منظّم سازش سے نہ بچ سکی۔

مدرسہ اور خانقاہ کو ایک دوسرے کی ضد ثابت کرنے کے لیے زیرِ زمیں سرگرمیاں جاری رہیں اور آہستہ آہستہ اپنا رنگ دکھاتی رہیں یہاں تک کہ بیسویں صدی عیسوی کے پانچویں دھے میں قوم کو انگریز کی غلامی سے نجات تو مل گئی، لیکن اس کی نظریاتی یلغار برابر

Marfat.com

جاری رہی۔

اِسے حسنِ اتفاق کہا جائے یا ان اولیائے کاملین کی پرخلوص مساعئ جمیلہ کا صلہ، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے مقدس مشن کو حیاتِ تازہ بخشنے کے لیے ایک ایسے مردِ کامل کا انتخاب فرمایا جو اگر ایک طرف حضرت غوث العالمین سے نسبی رشتہ میں منسلک ہے تو دوسری طرف سلسلۂ ارادت کے لحاظ سے خانوادۂ چشت اہلِ بہشت سے مربوط۔

وہ مجمع بحرین..... شخصیت جسے یہ سعادتِ عظمیٰ حاصل ہو رہی ہے وہ کون ہیں؟

وہ ہیں میری گفتگو کا عنوان

مفکرِ اسلام ضیاء الامت پیر **محمد کرم شاہ** الازہری

اس سے پہلے کہ میں اس فکری واصلاحی تحریک کا مفصل جائزہ آپ کی خدمت میں پیش کروں میں چاہتا ہوں کہ حضرت ضیاء الامت کے خاندان اور حالاتِ زندگی کے بارے کچھ عرض کردوں۔

خاندان

آپ کا سلسلۂ نسب حضرت غوث العالمین بہاء الحق والدین ابو محمد زکریا ملتانی سے جا ملتا ہے۔ سلسلۂ نسب یہ ہے:

پیر محمد کرم شاہ بن پیر محمد شاہ بن پیر امیر شاہ بن پیر شاہ بن شمس الدین بن عبداللہ شاہ بن محمد غوث ساکن بھیرہ بن غلام محمد حسین شاہ بن شیخ محمدؐ بن شیخ محمود بن شیخ احمد بن شیخ نظام الدین بن شیخ شمس الدین لاہوری لقب کروڑی بن شیخ صدر الدین بادشاہ بن شہر اللہ صاحب سجادہ بن شیخ

Marfat.com

یوسف بن شیخ عماد الدین بن شیخ رکن الدین سمرقندی بن صدر الدین حاجی بن شیخ اسماعیل شہید بن شیخ الاسلام حضرت مولانا صدر الدین قتال عارف باللہ فرزندِ اکبر و خلیفہ الشیخ الکبیر المنیر غوث العالمین شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا الہاشمی الاسدی السہروردی الملتانی قدس سرہٗ العزیز۔

"ابرِ کرم از گلِ محمد فیضی"

بھیرہ شریف میں آمد

حضرت غوث العالمین کے خاندان نے مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ برصغیر پاک و ہند میں مختلف مقامات پر حق کی شمعیں فروزاں رکھیں۔ ان مردانِ باصفا میں سے ایک مقتدر شخصیت حضرت دیوان فتح شاہ صاحب لاہور سے بھیرہ منتقل ہوئے۔ اور یہاں آ کر رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع فرمایا۔ اس خاندان کی قدر و منزلت لوگوں کے دلوں میں ویسے بھی کم نہ تھی، لیکن اس کی عزت و شہرت کا پرچم اس وقت انتہائی بلندیوں پر لہرا رہا تھا جب حضرت پیر شاہ صاحبؒ کے فرزندِ ارجمند حضرت پیر امیر شاہ صاحبؒ "شمسِ سیال" کی تجلیات سے تیرہ و تاریک ماحول کو نورِ اسلام سے منور فرما رہے تھے، اللہ تعالےٰ نے میدانِ فقر کے اس امیر کو تین فرزند عطا فرمائے:

(۱) حضرت پیر محمدؐ صدیق شاہ صاحب

(۲) حضرت پیر محمدؐ شاہ صاحب

(۳) حضرت پیر فتح شاہ صاحب

آپ نے اپنی نیابت کے لیے منجھلے صاحبزادے حضرت پیر محمدؐ شاہ صاحب کو منتخب فرمایا۔

Marfat.com

حضرت پیر محمدؐ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اس مردِ مجاہد کا تعارف کراتے وقت فوراً حضرت علامہ اقبال کا یہ شعر یاد آجاتا ہے

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

جہاں ایک طرف آپ کی قد آور شخصیت "امیر جنداللہ" کے روپ میں نظر آتی ہے جو ایڈمنسٹریشن کی پوری صلاحیتوں سے آراستہ بھی ہے اور سطوتِ فاروقی کا مظہر اتم بھی، وہاں اللہ تعالےٰ نے آپ کو ظاہری حسن کی دولت سے بھی مالا مال فرمایا تھا۔ سرو کی مانند رعنا قد، چاند کی طرح روشن اور گول چہرہ جس پر ہمہ وقت ذکرِ الٰہی کے انوار برستے تھے۔

اور بقول شیخ عبدالغنی الزمزمی:

"میں نے حرمِ پاک میں لاکھوں آدمی دیکھے ہیں لیکن جو حسن و جمال میں نے حضرت پیر محمدؐ شاہ صاحبؒ بھیروی کے رُخِ انوار میں دیکھا ہے وہ مجھے کہیں نظر نہیں آیا۔"

یوں تو آپ کے بے شمار کارنامے ملتِ اسلامیہ کے لیے باعثِ فخر ہیں، تحریک پاکستان ہو یا جہادِ کشمیر، آپ ہمیشہ صفِ اوّل میں نظر آتے ہیں، لیکن وہ احسان جس کا امت مسلمہ کبھی شکریہ ادا نہیں کرسکتی، وہ ہے آپ کی خصوصی توجہ و تربیت کا نتیجہ!

"مفکرِ اسلام ضیا الامت پیر محمدؐ کرم شاہ الازہری کی شخصیت"

Marfat.com

ولادت باسعادت

آپ نسباً ہاشمی قریشی اور مسلکاً حنفی ہیں۔ ۲۱ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ بمطابق یکم جولائی ۱۹۱۸ء شب دوشنبہ بعد از نماز تراویح بھیرہ شریف میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔

نام

پیر کھارا کوہستانِ نمک کے دامن میں ایک گاؤں ہے، جو حضرت پیر کرم شاہ المعروف "ٹوپی والے"، کے فیض کی وجہ سے مرجع خلائق ہے۔

چونکہ اس جلیل القدر ہستی کے ساتھ آپ کے خانوادہ کی رشتہ داری بھی تھی، اس لیے آپ کے جدِ امجد حضرت پیر امیر شاہ صاحب نے انہی کی نسبت سے آپ کا نام محمد کرم شاہ رکھا۔

کنیّت

آپ کی کنیت "ابوالحسنات" آپ کے بڑے صاحبزادے محمد امین الحسنات شاہ جو پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے کرنے کے بعد ان دنوں جامعہ عبدالعزیز مکہ مکرمہ میں زیرِ تعلیم ہیں، کے نام سے منسوب ہے۔

تعلیم

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی شہر بھیرہ ضلع سرگودھا کے اندر ہی حاصل کی۔ ۱۹۳۶ء میں گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ اپنے والدِ محترم کے قائم کردہ "دارالعلوم محمدیہ غوثیہ" میں دینی تعلیم کا آغاز فرمایا۔ حضرت پیر محمد شاہ صاحب نے اس نجیب و سعید فرزند کی تعلیم کے لیے جو خصوصی انتظامات فرماتے، اس کی نظیر دورِ جدید میں مشکل سے ہی ملے گی۔ ابتداً مختلف علوم میں ماہر اساتذہ کی خدمات بھیرہ شریف

Marfat.com

میں " دار العلوم محمدیہ غوثیہ " میں ہی حاصل کی گئیں مثلاً :

حضرت العلامہ مولانا محمدؒ قاسم صاحب

استاذ المناطقہ مولانا محمد دین صاحب بدھوی

استاذ المنقول والمعقول مولانا غلام محمود صاحب ساکن پپلاں ضلع میانوالی ،

کے علاوہ کئی اصحابِ فن یہاں تشریف لا کر آپ کو پڑھاتے رہے۔ جونہی کسی فن کی کوئی کتاب مکمل ہوتی، اس کے امتحان کے لیے اس فن کے قابل ترین استاد کی خدمات حاصل کی جاتیں۔

جب آپ نے علومِ متداولہ کی تکمیل کر لی تو آپ کے والد معظم نے دورۂ حدیث کے لیے برصغیر پاک و ہند کی مختلف درس گاہوں کا جائزہ لیا اور ان لافانی ہستیوں کے متعلق معلومات حاصل کیں جو مخالف ہواؤں کے تند و تیز جھونکوں کے باوجود ملک کے اطراف و اکناف میں شمعِ اسلام روشن کئے درسِ حدیث دینے میں مشغول تھے بنظر انتخاب عقل و عشق اور علم و طریقت کے حسین سنگم حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہ العزیز پر پڑی۔

قابل ترین اساتذہ کی انتھک محنت اور آپ کے والدِ گرامی کی خصوصی توجہ سے آپ کی شخصیت کافی تک نکھر چکی تھی، لیکن حضرت صدر الافاضل کی آغوشِ تربیت نے صدف کا کام کیا۔ اور اس قطرۂ نیساں کو ایسا گوہر شاہوار بنایا کہ ایک خصوصی محفل میں خود ہی فرماتے ہیں :

" میں آج مطمئن ہوں کہ میرے پاس جو امانت تھی وہ میں نے موزوں فرد تک پہنچا دی ہے "

Marfat.com

اور کرم بالائے کرم یہ فرمایا کہ دستارِ فضیلت حضرت دیوان صاحب آلِ رسول اجمیری سے بندھوائی ۔

خودی ہو علم سے محکم تو غیرتِ جبریل
اگر ہو عشق سے محکم تو صور اسرافیل (اقبال)

۱۹۴۵ء میں آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے بی۔اے کا امتحان پاس کیا۔ اس اثناء میں بے شک آپ علم و آگہی کا ایک بے پایاں خزانہ سمیٹ چکے تھے، لیکن آپ کے والد معظّم اس عقاب کو علم و معرفت کی جن بلندیوں پر محوِ پرواز دیکھنا چاہ رہے تھے، ابھی وہ منزل نہیں آئی تھی۔ اس لیے آپ کو ۱۹۵۱ء میں مزید تحصیل علم کے لیے جامعہ ازہر (مصر) بھیج دیا گیا۔

یہ وہ وقت تھا جب آپ کے والدِ محترم پیری کے ایّام بسر فرما رہے تھے، لیکن اس مردِ مجاہد کی یہ ہمت اور دین و ملت کے ساتھ درد کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ جب آپ نے اپنے لختِ جگر کو مصر کے لیے روانہ فرمایا تو انھیں مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"میں زندگی کے اس مرحلہ میں آپ کو تحصیل علم کے لیے ملک سے دُور اتنی لمبی مسافت پر روانہ کر رہا ہوں جب کہ آپ میرے لیے بہترین سہارا بن سکتے ہیں لیکن میں اپنی ذاتی مجبوری پر دین کی خدمت کو ترجیح دیتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ دینِ حنیف کی تعلیم مکمل کر کے آپ اس کو لوگوں تک صحیح طریقہ سے پہنچائیں"

جب حضرت ضیاالامت کے قیامِ مصر کے دوران آپ کا مرض شدت اختیار کر جاتا تو آپ اپنے ارادت مندوں کو فرماتے ہیں:

"اگر میں بیماری کے عالم میں داعیٔ اجل کو لبیک بھی کہہ دوں تو میرے بیٹے

Marfat.com

کو خبر نہ کرنا تاکہ وہ اطمینان اور یکسوئی سے اپنی تعلیم مکمل کر سکے"۔

یہ اس مجاہد ملت اور دین کا درد رکھنے والے والد کے جذبات تھے۔

اگر ایک طرف آپ کے والد معظم نے آپ کے لیے اتنی قربانیاں دیں اور تعلیم کے لیے عمدہ سے عمدہ ترین انتظامات فرمائے، تو دوسری طرف حضرت ضیاء الامت مدظلہ العالی نے بھی محنت کا حق ادا کر دیا۔ خود ہی ارشاد فرماتے ہیں:

"میری زندگی میں بہت سی راتیں ایسی آئی ہیں کہ جب میں نماز عشا کے بعد مطالعہ میں مصروف ہوتا، کتابیں اپنے اسرار و رموز میرے سامنے منکشف کرتی جاتیں۔ اسی محویت کے عالم میں صبح کے مؤذن کی آواز مجھے رات کی تنگ دامانی کا احساس دلاتی"۔

ایک اور روایت کے مطابق حضرت ضیاء الامت کے تعلیمی دور میں دربار عالیہ پر ایک عجیب سی کیفیت دیکھی جاتی۔ حضرت پیر محمد شاہ صاحبؒ نماز عشاء کے بعد اپنے بنگلہ میں نوافل ادا کرنے میں مشغول ہو جاتے۔ آپ کے لخت جگر مٹی کے تیل کا دیا جلائے مطالعہ میں مصروف ہو جاتے۔ پروانے جوق در جوق شمع پر گرنا شروع ہو جاتے، لیکن یہ پروانے اس سراپا احساس طالب علم کی طبیعت پر ناگواری کی بجائے مقابلہ کی حس کو ابھارنے کا سبب بنتے۔ اب عشق کا امتحان شروع ہو جاتا، کہ آیا اس ظاہری شمع کے پروانے ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہیں یا شمعِ علم کا پروانہ..... اور چشم دید گواہوں کا کہنا ہے کہ ظاہری شمع کے پروانے رات کے آخری حصہ میں رفوچکر ہو جاتے، لیکن شمعِ علم کا یہ پروانہ ساری رات اسی محویت کے عالم میں گزار دیتا۔

حصولِ علم کا شوق اور محنت کا یہ جذبہ بیرونِ ملک جا کر اور زیادہ شدت اختیار کر

Marfat.com

جاتا ہے۔ آپ دورانِ تعلیم اتنی جان سوزی کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ پورے چھ سال کا کورس ساڑھے تین سال کے عرصہ میں مکمل کر لیتے ہیں اور قیامِ ازہر کے دوران تعلیمی میدان میں وہ کردار پیش کرتے ہیں کہ اساتذہ و طلباء سبھی کی نظروں میں مقبول اور محترم بن جاتے ہیں۔ جامعہ میں تحقیقی سرگرمیوں کے سلسلہ میں اکثر اوقات مختلف موضوعات پر مناقشہ کی صورت بنتی، جس میں صرف اساتذہ ہی حصہ لے سکتے تھے، لیکن حضرت ضیاء الامت نے اپنی ذہانت اور قابلیت سے اساتذہ کے دلوں میں اتنا مقام پیدا کر لیا تھا کہ دوران مناقشہ آپ کو بھی اساتذہ کے دوش بدوش اس میں حصہ لینے کی اجازت دی جاتی اور اکثر اوقات آپ کی رائے کو اہمیت دی جاتی۔

آپ کے اساتذہ کرام نے از راہ قدر دانی آپ کو مختلف سرٹیفکیٹ عطا کئے۔ جن میں سے تین کی اہمیت کے پیش نظر ان کا عربی متن اور اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

Marfat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

الأستاذ محمد كرم شاه «الباكستاني» كان تلميذا لي في مادة أصول الفقه في كلية الشريعة بالأزهر. وما أن عرفته حتى أحببته من كل قلبي لما وجدته فيه من حرص على البحث الدقيق والإقبال على طلب العلم فضلا عما جبل عليه من خلق كريم وأدب عظيم.

وإني لفخور بتلمذته وأتمنى له مستقبلا زاهرا وأرجو الله جلت قدرته أن ينفع به الإسلام والمسلمين لا في الباكستان فحسب بل في العالم الإسلامي كله

محمد مصطفى شلبي

الأستاذ في كلية الشريعة

بالأزهر

١٦ من ذي القعدة ١٣٧٣ هـ

١٩ من يوليه ١٩٥٤ م

86520

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الاستاذ محمد کرم شاہ الباکستانی تلمیذاً الی فی مادۃ اصول الفقہ فی کلیۃ الشریعۃ بالازہر وما ان عرفتہ حتی احببتہ من کل قلبی لما وجدتہ فیہ من حرص علی البحث الدقیق والاقبال علی طلب العلم فضلا عما جبل علیہ من خلق کریم وادب عظیم وانی لفخور بتلمذتہ واتمنی لہ مستقبلا زاہرا وارجو اللہ جلت قدرتہ ان ینفع بہ الاسلام والمسلمین، لا فی الباکستان فحسب، بل فی العالم الاسلامی کلہ۔

محمد مصطفی شلبی
الاستاذ فی کلیۃ الشریعۃ بالازہر

۱۹۔ ذی القعدۃ ۱۳۷۳ھ
۱۹۔ یولیو سنۃ ۱۹۵۴ء

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جامعہ ازہر کے کلیۃ الشریعۃ میں استاذ محمد کرم شاہ پاکستانی علم اصولِ فقہ میں میرا شاگرد تھا جونہی میری اس سے شناسائی ہوئی، میں دل کی گہرائیوں سے اس کے ساتھ محبت کرنے لگا، کیونکہ میں نے اس میں بحثِ دقیق کی حرص اور حصولِ علم کے لیے بے پناہ شوق پایا۔ مزید براں قدرت نے اس کی فطرت کو خلق کریم اور ادب عظیم کی خوبیوں سے آراستہ فرمایا ہے۔ مجھے اس بات پر فخر و ناز ہے کہ یہ میرا شاگرد ہے۔ اور میں اس کے لیے ایک درخشاں مستقبل کی امید رکھتا ہوں اور اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اس کے وجود سے وہ اسلام کو اور ملت اسلامیہ کو نفع پہنچائے نہ صرف پاکستان میں ہی بلکہ سارے عالمِ اسلام میں۔

محمد مصطفےٰ الشبلی

Marfat.com

صديقي الروحي، وتلميذي العلمي الأستاذ محمد إكرام شاه

لقد التقينا على مائدة الرحمة الروحية، التقينا يوم أشعرتني بتضحيتك للحق في سبيل الله، وحسبك في الدفاع عنه حياضه، والذود عن حرماته، وكانت الصلة منذ بدء اتصالنا ذلك اللقاء الروحي، واستمرارنا لمثل المعنى الإسلامي السامي، وما التقيت بك ساعة إلا أحسست منك بعلو النفس، وسمو الخلق والاتجاه إلى معالي الأمور، والبعد عن سفسافها، فكنت أشعر في كل لقاء بسعادة متجددة، وألمس فيك الروح الإنساني الذي يتسامى عن الأثقال الأرضية، ويعلو عليها.

لقد أشعرتني يا بني أن الشرق مشرق الروح كما هو مشرق الشمس، ونور الحياة كما هو منبعث حرارتها، ومصباح الوجود، كما هو ضياء الأرض.

ولقد أشعرتني يا بني أن الإسلام أمة واحدة لا تقطع وحدتها متباعدة الأقطار ولا اختلاف الأمصار، فكنت كلما التقيت بك رأيت فيك الإسلام مشرقا منيرا، ورأيت فيك الإسلام الموحد، ورأيت فيك الأمل، وأذكيت روحك عني الألم والحزن.

لقد أسعدتني في المدة التي أقمتها في مصر، والآن وأنت تودعني، أحس بأن قطعة من نفسي تزايلني، وكأني أقتطع قطعة من روحي، فأستودعك الله وأدعو لك بالتوفيق، وأضرع إلى المولى العلي القدير أن يثيبك بقدر نيتك، وأن يجزيك عما احتسبت من خير، وأن يكلل جهودك لدينه نصيرا، والشريعة وليا، إنه سميع الدعاء، مجيب الدعاء.

القاهرة في ١٩ من ذي القعدة ١٣٧٣هـ محمد أبو زهرة

الموافق ١٩ من يوليه ١٩٥٤م أستاذ الشريعة الإسلامية بجامعة القاهرة

Marfat.com

بسم الله الرحمن الرحيم

صديقي الروحي وتلميذي الالمعي الاستاذ محمد كرم شاه

لقد التقينا على مائدة الرحمن الروحية. التقينا يوم اشعرتني بنصرتك للحق في دين الله وحميتك في الدفاع عن حياضه والذود عن حرماته وكانت الصلة من بعد امتداداً لذلك اللقاء الروحي واستمراراً لذلك المعنى الاسلامي السامي وما التقيت بك ساعة الا احسست منك بعلو النفس وسمو الخلق والاتجاه الى معالي الامور والبعد عن سفسافها فكنت اشعر في كل لقاء بسعادة متجدده والمس فيك الروح الانساني الذي يتسامى عن الاثقال الارضيه و يعلو عليها، لقد اشعرتني يا بني ان الشرق مشرق الروح كما هو مشرق الشمس ونور الحياة كما هو منبعث حرارتها ومصباح الوجود كما هو منار الارضين ولقد اشعرتني يا بني ان الاسلام امة واحدة لا تقطع وحدتها متباعدة الاقطار واختلاف الامصار فكنت كلما التقيت بك رأيت فيك الاسلام سراجا منيرا ورأيت فيك الاسلام الموحد ورائيت فيك الامل واذهبت رؤيتك عني الالم والحزن لقد اسعدتني

فی المدة التی اقمت فیها بمصر۔ و الآن انت تودعنی فاحس بان قطعه من نفسی تزایلنی وکانی اقتطع قطعة من روحی فاستودعك الله وادعولك بالتوفیق و اضرع الی المولی العلی القدیر ان یثیبك بقدر نیتك وان یجزیك عما احتسبت من خیر وان یجعل فیك لدینه نصیرا و لشرعه ولیا، انه سمیع النداء مجیب الدُعاء۔

القاهرة فی ١٩ من ذی القعدة ١٣٧٣ھ

الموافق ١٩ ر من یولیو ١٩٥٤ء

محمد ابو زهرة

استاذ الشریعة الاسلامیة

بجامعة القاهرة

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

میرے روحانی دوست میرے زکی اور ذہین شاگرد والاستاذ محمد کرم شاہ!

ہماری ملاقات خداوند رحمٰن کے روحانی دسترخوان پر ہوئی۔ ہم اس روز ملے جب تُو نے اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے حق کی نصرت اور دینی اقدار کے دفاع کے لیے اپنی حمیت اور اس کی ناموس کی نگہداشت کے لیے غیرت کا مجھے شعور دلایا۔ اس کے بعد یہ باہمی تعلق، اس روحانی ملاقات اور بلند اسلامی مفہوم کا تسلسل تھا جس لمحہ میں نے تجھ سے ملاقات کی میں نے تجھ میں بلند نگاہی، رفعتِ کردار، اعلیٰ مقاصد کی طرف میلان اور بے مقصد امور سے دوری کا احساس کیا۔ ہر ملاقات کے بعد میں ایک نئی سعادت کا احساس کرتا تھا اور تجھ میں ایک انسانی روح کو پاتا تھا جو کہ ان دنیوی بوجھوں سے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ تھی۔ اور میرے بیٹے! بے شک تو نے مجھے یہ شعور دلایا کہ مشرق جس طرح مطلع آفتاب ہے اسی طرح روح کے طلوع کا افق بھی ہے۔ اور مشرق جس طرح حرارت کا سرچشمہ ہے اسی طرح زندگی کے احیاء کا منبع بھی ہے اور جس طرح یہ زمین میں ایک روشنی کا مینار ہے اسی طرح عالمِ ہست و بود کا روشن چراغ ہے۔ اے میرے فرزند ارجمند! تو نے مجھے اس شعور سے بہرہ ور کیا کہ اسلام ایک امت ہے اور اس کی وحدت کو ملکوں کی دوری اور شہروں کا اختلاف منقطع نہیں کر سکتا۔ اور میں جب بھی تجھ سے ملاقات کیا کرتا تو مجھے تیری ذات میں اسلام ایک آفتاب کی طرح درخشاں نظر آتا۔ اور میں تجھ

Marfat.com

میں وہ اسلام دیکھتا جو بکھرے دلوں کی شیرازہ بندی کرنے والا ہے اور مجھے تجھ میں روشن مستقبل کی امید نظر آتی اور ہر بار تیری ملاقات مجھ سے رنج و الم کو دور کرنے کا باعث بنتی اور جتنا عرصہ تو مصر میں اقامت پذیر رہا تو مجھے سعادت بخشتا رہا اور آج جب کہ میں تجھے الوداع کہہ رہا ہوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا میرے نفس کا ایک حصہ مجھ سے جدا ہو رہا ہے اور گویا میری روح کا ایک ٹکڑا الگ ہو رہا ہے پس میں تجھ کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں اور تیرے لیے توفیق کی دُعا کرتا ہوں اور اس عظمتوں والے اور قدرتوں والے مالک کے حضور عجز و انکساری سے التجا کرتا ہوں کہ وہ تیری نیت کے برابر تجھے اجر دے اور جس ثواب کی تو نے امید کی وہ بطور جزا تجھے عطا فرمائے، اور تجھے اپنے دین کا مددگار اور شریعت کا معاون بنائے، بے شک وہ التجا کو سننے والا اور دعا کو قبول کرنے والا ہے۔

محمد ابوزہرہ

Marfat.com

القاهرة - المنيرة - في العشرين من ذي القعدة سنة ١٣٧٣ هجرية.
العشرين من يوليه سنة ١٩٥٤ ميلادية.

أي صديقي ومريدي وصفيي الأستاذ الأديب
والسيد الحسيب النسيب، ولدي، محمد كرم شاه

إن كان من الأهل فراق الأبناء، ومن الصديق البعد عن الأصدقاء، ومن الخليل تشتيت الخلان، ومن النديم انفراط عقد الندمان؛ - فليس من الهين فراق الرائد للمريد، ولا الصفي لمن صافاه، ولا المخلص لمن وافاه؛ فقد جمعتني بك يا بني صلة المدارسة للأدب، وفنون القول، وفلسفة الاجتماع، ومباحث النفس، وطرائق التربية؛ - فكنت خلال تدريسي لك ومناقشاتي معك، ومسابقاتي إياك في حلبات الرياضة من أفانين العلم؛ - مثالا رفيعا للأديب المطبوع، والذواقة اللامع، واللوذعي الموهوب، وصاحب النفس الصافية، ونموذج التربية الرفيعة، يرفرف على كل أولئك علم الإسلام الخفاق، في غيرة على أصوله ومذاهبه، ونزعة إلى الجهاد في سبيله، لا تعرف الملل ولا تعتريها الكلال.

فلست أنسى ما حييت انفعالك مرارا من أجل دين السلام والمحبة، وطالما كنت أستفزك، فلا أرى من نظراتك إلا الحياء المحبوب في ميادين أهل العلم بين رائد ومريد، ولكني أجد خلال ذلك منك النظرة النافذة، والفكرة الصائبة، والرأي السديد؛ - تلتقي كل أولئك مع استحياء غامر، وفي أدب جم، يثلج صدري، ويطمئن خاطري من رجال وهبوا أرواحهم لله،

يجولون فيما وراء البحار، مبشرين بين الوهاد والقفار، سعيا وراء مجد الدين الحنيف، وإعلاء كلمة الله القدير.

أما بعد !!

لقد أبعدتك عني ظروف الحياة، ومتاعب أكلافها، ومشاغل أعمالها وتبعات أعبائها، فكان لابد لنا من التسليم بما أراد الله، وعدت إلى ديارك الحبيبة إلينا وإليك، فلتتعهد علماً من أعلام وطنك الأغر تعلي فيه كلمة الله، وتنشئ جيلا ملؤه الفضيلة والخير ونور المعرفة، واذكر مصر، كنانة الله في أرضه، وأصدقاءك فيها من رفاقك وأساتذة بذلوا معك جهد المقل نحو مريد عظيم، وسيد ظريف كريم ولن نفصلك عن إتمام دراستك الجامعية بعدٌ في الدار ولا شطط في المزار، وإنا جميعا لفي خدمتك؛ فلم يبعد التراسل حبيبا، ولم يعد أحد بالمواصلات غريبا.

فعلى بركة الله رحلتك، وفي رعاية المولى ظعنك وإقامتك، وفي ظلال الدوحة الهاشمية الطاهرة محياك ونضالك.

متعك الله بين أصولك، وأقر عينيك بفروعك، وأثمرت شجرتك حتى تزكو وتينع بفضل رب كريم، وهو الله بر رحيم.

والسلام عليك وعلى معقل الإسلام من وطنك ورحمة الله وبركاته — صديقك وصفيك ورائدك

أحمد زكي

أستاذ الأدب العربي، وفلسفة التربية والاجتماع

معاهد التربية المصرية.

Marfat.com

اى صديقى ومريدى وصفى الاستاذ الاديب والحسيب النسيب
ولدى محمد كرم شاه

ان هان على الاهل فراق الابناء وعلى الصديق البعد عن الاصدقاء وعلى الخليل تشتيت الخلان وعلى النديم انفراط عقد الندمان فليس من الهين فراق الرائد للمريد ولا الصفى لمن صافاه ولا المخلص لمن وافاه. فقد جمعتنى بك يا بنى صله المدارسة للادب وفنون القول وفلسفة الاجتماع ومباحث النفس وطرائق التربية فكنت خلال تدريسى لك ومناقشاتى معك و مساجلاتى اياك فى هاتيك الرياض من افانين العلم مثالا رفيعا للادب المطبوع والذواقة اللامع واللوذعى الموهوب وصاحب النفس الصافية ونموذج التربية الرفيعة يرفرف على كل، اوليك علم الاسلام الخفاق فى غيرة على اصوله ومذاهبه و نزعة الى الجهاد فى سبيله لا تعرف الملل ولا يعتريها الكلال فلست انسى ما حييت انفعالك مرارا من اجل دين السلام والمحبة وطالما كنت استفزك فلا ارى من نظراتك الا الحياء المحبوب فى ميادين اهل العلم بين رائد ومريد ولكنى اجد خلال ذلك منك النظرة النافذة والفكرة الصائبة والراى السديد تلقى كل اولئك على استحياء غامر وفى ادب جم يثلج صدرى ويطمئن خاطرى على رجال

وهبوا ارواحهم لله، يجولون فيما وراء البحار مجتازين الوهاد و القفار سعيا وراء مجد الدين الحنيف و اعلاء كلمة الله القدير۔

يا بنى لقد ابعدتك عنى ظروف الحياة ومتاعب اكلافها ومشاق احمالها وتبعات اعبائها فكانه لامناص من التسليم بما اراد الله وعدت الى ديارك الحبيبه الينا واليك، فلتعد علما من اعلام وطنك الاغر تعلى فيه كلمة الله وتنشئ جيلا على الفضيلة والجهد و نور المعرفة ذاكر مصر كنانة الله فى ارضه واصدقائك فيها من رفاق و اساتيذ بذ لوامعك جهد المقن نحو مريد عظيم و سيد غطريف كريم ولن يفصلك عن اتمام دراستك الجامعية بعد فى الدار ولاشطط فى المزار وانا جميعًا لفى خدمتك فلم يبعد التراسل حبيبا و لم يعد احد بالمواصلات غريبا۔ فعلى بركة الله رحلتك وفى رعاية المولى ظعنك واقامتك وفى ظلال الدوحة الهاشمية الطاهرة محياك۔

متعك الله بين اصولك واقر عينك بفروعك و اثمرت شجرتك حتى تزكو وتينع بفضل رب كريم وخالق بر كريم۔

والسلام عليك وعلى معقل الاسلام من وطنك ورحمة الله وبركاته

صديقك وصفيك ورائدك

احمد زكى

استاذ الادب العربى، وفلسفة التربية والاجتماع

Marfat.com

القاہرہ المنیرہ

۲۰ ذی قعدہ ۱۳۷۳ھ، ۲۰ جولائی ۱۹۵۴ء

میرے پیارے دوست میرے ممتاز شاگرد الاستاذ الادیب
السید الحسیب النسیب، میرے فرزندِ دلبند محمد کرم شاہ!

اہلِ خانہ کے لیے اپنی اولاد کی جدائی، دوست کے لیے دوستوں سے دوری، ایک محب کے لیے حلقۂ احباب کا منتشر ہو جانا، ایک ہمنشین کے لیے ہمنشینی کے رشتے کا ٹوٹ جانا آسان ہو، تو، ہو لیکن ایک ارادت مند کے لیے اپنے رہبر سے، ایک محب کے لیے اپنے محبوب سے، ایک مخلص کے لیے اپنے وفا کیش ساتھی سے جُدا ہونا آسان بات نہیں۔

اے میرے فرزند! ادب، فنونِ گفتگو، فلسفہ، اجتماع، علم نفسیات کے اہم مباحث اور فنِ تربیت کے طریقوں کی تدریس کے رشتہ نے مجھے تیرے ساتھ ملنے کا موقعہ فراہم کیا۔ ان گوناگوں علوم کے گلستانوں میں جب میں تدریس کے وقت تیرے ساتھ بحث مباحثہ کیا کرتا اور ہم ایک دوسرے کے سامنے اپنے دلائل پیش کرتے تو مجھے یوں معلوم ہوتا کہ تو ایک پیدائشی ادیب کی اعلیٰ و ارفع مثال ہے۔ تو فصاحت و بلاغت کے نکات کا غیر معمولی ذوق رکھتا ہے۔ خداداد صلاحیتوں کا امین، پاکباز نفس کا مالک اور بلند تربیت کا ایک نادر نمونہ ہے۔ اور ان تمام اخلاقِ حسنہ پر اسلام کا لہرانے والا پرچم مجھے تجھ پر سایہ فگن نظر آتا۔ اثنائے گفتگو مجھے محسوس ہوتا کہ تیرے دل میں دین کے اصولوں کے بارے

Marfat.com

غیرت و حمیت کا ایک بے پایاں جذبہ ہے اور اس کے راستے میں جہاد کا شوق فراواں ہے، ایسا شوق جو اکتاہٹ کو نہیں جانتا، اور ایسا جذبہ جسے طویل جد و جہد درماندہ نہیں کر سکتی۔

جب تک میں زندہ رہوں گا، میں تیرے ان انفعالات کو فراموش نہیں کر سکوں گا جو امن اور محبت کے دین کے بارے میں تجھ میں رونما ہوا کرتے۔ بسا اوقات میں تجھ سے چھیڑ چھاڑ کیا کرتا، لیکن اس وقت بھی تیری نگاہوں میں مجھے حیا کے بغیر کوئی چیز نظر نہ آتی۔ یہ حیا علم کے میدانوں میں استاد اور شاگرد کے درمیان از حد پسندیدہ صفت ہے۔

میں یوں محسوس کرتا کہ تیری نگاہ حقیقت شناس، تیرا فکر صائب اور تیری رائے صحیح ہے۔ بایں ہمہ تو اپنی رائے کا اظہار بڑے باحیا انداز سے کرتا، اور ادب کا دامن تیرے ہاتھ سے کبھی نہ چھوٹتا۔ ان نادر صفات کو دیکھ کر میرا سینہ ٹھنڈا ہوتا میرا دل مطمئن ہوتا کہ میرا ان لوگوں سے واسطہ ہے جنھوں نے اللہ کی رضا کے لیے اپنی جانیں وقف کر دی ہیں، اور اس کے دین کے علم کے حصول کے لیے سمندر پار سفر کی زحمت گوارا کر رہے ہیں۔ راستہ کے نشیب و فراز کو خاطر میں نہیں لاتے۔ انھیں صرف ایک ہی شوق ہے کہ اس دینِ حنیف کی شان اونچی ہو اور اللہ تعالےٰ کا حکم سربلند ہو۔

اے میرے فرزند! زندگی کے حالات، مشکلات کے بوجھ اور ذمہ داریوں کا بارگراں تجھے مجھ سے دور کر رہا ہے۔ اب میرے لیے کوئی

Marfat.com

چارہ کار نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے سامنے سر تسلیم خم کردوں، میری دعا ہے کہ تو اپنے وطن کی طرف جو ہمیں بھی بہت عزیز ہے، اور تجھے بھی بہت پیارا ہے اس شان سے لوٹے کہ تو اپنے روشن جبین وطن کے جھنڈوں میں سے ایک جھنڈا ہو تاکہ وہاں تو اللہ کے نام کو بلند کرے اور ایک ایسی نسل تیار کرے، جو فضیلت حق اور نور معرفت سے آراستہ و پیراستہ ہو۔

اپنے وطن جاکر مصر کو بھی یاد رکھنا، جو اللہ کی زمین میں اللہ کا ترکش ہے اور اپنے ان مصری دوستوں کو بھی فراموش نہ کرنا، جو تیرے ہم سبق رہے ہیں یا تیرے استاد جنھوں نے تیری صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے مقدور بھر محنت اور کوشش کی۔

فرزندِ عزیز! یہ جدائی اور بُعدِ مسافت تمھیں اپنی جامعی[1] تعلیم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے سے باز نہ رکھے۔ ہم تیری ہر خدمت انجام دینے کے لیے حاضر ہیں، اگر سلسلہ مراسلت منقطع نہ ہو تو کوئی دُوری حائل نہیں ہوتی، خط و کتابت کے باعث انسان ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتا۔

پس میری دعا ہے کہ تیرا یہاں سے سفر بھی اللہ تعالیٰ کی برکت کے ساتھ ہو اور اپنے وطن میں تیری واپسی اور وہاں تیرا قیام بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں ہو اور پاک ہاشمی خاندان کے سرسبز و شاداب شجر سایہ دار میں تیری جد و جہد کا سلسلہ جاری رہے۔

---

[1]: آپ نے جامعہ ازہر کے علاوہ جامعہ قاہرہ میں بھی داخلہ لے رکھا تھا۔

Marfat.com

اللہ تعالےٰ تجھے اپنے والدین کے سایۂ عاطفت سے بہرہ اندوز فرمائے اور اپنی اولاد کے باعث تیری آنکھوں کو ٹھنڈا کرے۔ تیرا شجر حیات ثمر بار ہو۔ وہ پھل بڑھے اور پختہ ہو، اس رب کے فضل سے جو کریم ہے، اس خالق کی مہربانی سے جو مہربان اور رحیم ہے۔ تجھ پر بھی اور تیرے وطن پر بھی جو اسلام کا قلعہ ہے، سلامتی ہو، اللہ تعالےٰ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔

تمہارا دوست اور استاذ

احمد زکی

استاذ الادب العربی و فلسفۃ التربیۃ والاجتماع

Marfat.com

زمانہ طفولیت میں آپ کے والدین نے حضرت خواجہ ضیاء الدین صاحب سیالوی سے آپ کو بیعت کرایا۔ بعدازاں شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ محمدؐ قمر الدین صاحب سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے تجدید بیعت فرما کر آپ کو خرقہ خلافت عطا فرمایا۔

قبلہ پیر صاحب پر جو شفقت و مہربانی حضرت خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔ اس کا اندازہ حضور پیر سیال کے ان الفاظ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے، جو آپ نے آستانہ عالیہ سیال شریف میں ایک جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے فرمائے:

"پیر محمدؐ کرم شاہ میری آنکھوں کا نور ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ پیر سیال کے روضہ کا مینار ہے۔"

حضرت خواجہ پیر سیال کی اسی شفقت کا نتیجہ ہے کہ قبلہ پیر صاحب کے سامنے جب بھی **شمس سیال** کے خانوادے کا تذکرہ آتا ہے تو فرطِ ادب و احترام سے آپ کی گردن جھک جاتی ہے۔ پیر سیال کی تعلیمات کو عام کرنے کے لیے آپ کی زیرِ ادارت شائع ہونے والے ماہنامہ "ضیائے حرم" میں پیر سیال کے ملفوظات، آپ کے خاندان کے سوانحی خاکے اور تبلیغی مشن سے متعلق وقتاً فوقتاً خصوصی فیچر شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اور خواجہ شمس العارفین کے صد سالہ عرسِ پاک کے موقع پر تو ادارہ ضیائے حرم نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے **شمس العارفین نمبر** شائع کر کے تاریخ کے صفحات پر اپنی ارادت و محبت کے انمٹ نقوش ثبت کر دیئے ہیں۔ اسی نیاز مندی اور جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ حضور پیر سیال قبلہ پیر صاحب کو ایسے پیار بھرے القابات سے نوازتے ہیں جو ایک ارادت مند کے لیے سرمایۂ زیست ہوتے ہیں۔ اس کی عمدہ ترین

Marfat.com

مثال تحریکِ نظامِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں جیل سے رہا ہو کر سیال شریف پہنچنے پر حضور پیر سیال کے یہ الفاظ ہیں :

" مبارک ہو آپ نے آج سے سنّتِ یوسفی بھی ادا کر لی ہے "

حضرت ضیاء الامت کے دین و ملت کے بارے میں احساسات

تکمیل علم کے بعد میں نے جب اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالی تو مجھے بڑا روح فرسا اور دلخراش منظر دکھائی دیا۔ میں نے دیکھا کہ اسلامی تمدن و ثقافت کے جو چراغ نور افشانی کر رہے ہیں، تہذیبِ مغرب کے تند و تیز جھونکے رفتہ رفتہ انھیں بجھاتے چلے جا رہے ہیں۔ وہ رنگین پھول جو گلشنِ اسلام میں کھل کھل کر نور و نکہت برسا رہے ہیں، مادیت کی بادِ صرصر انھیں افسردہ اور پژمردہ کرتی چلی جا رہی ہے۔ اب تک مغرب کے سرمایہ داری نظام نے اسلامی چمن کو جی بھر کر لوٹا اور اس مقدس نظام کے حسن و خوبی کے جو آثار کیپٹلزم کی یلغار سے بچ گئے انھیں اب سوشلزم ملیامیٹ کر دینا چاہتا ہے اور مسلمانوں کے دلوں میں اللہ تعالےٰ جل جلالہٗ، رسولِ اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ کریم کے متعلق جو غیر متزلزل عقیدہ راسخ تھا، اس کو بیخ و بن سے اکھاڑ دینا چاہتا ہے۔

یہ تو بیرونی خطرات تھے جنھوں نے ملت اسلامیہ کو چاروں طرف سے نرغے میں لے لیا تھا۔ اگر اندرونی حالات تسلی بخش ہوتے، فکر و عمل کی وحدت برقرار ہوتی تو ان خطرات کا منہ پھیر دینا کوئی مشکل بات نہ تھی، لیکن داخلی طور پر حالات از حد تشویشناک تھے۔ کہیں عقیدہ ختمِ نبوت کے منکر ہیں جو مجموعی طور پر امت مسلمہ کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں اور کہیں شمع رسالت کے اولین پروانوں پر جھوٹے بہتان لگانے والا گروہ ملتِ اسلامیہ کی فکری اور نظریاتی یک جہتی کو درہم برہم کر رہا ہے اور ایک ایسا

Marfat.com

فرقہ بھی پر پرزے نکال رہا ہے جس کے پیش نظر تقدس نبوت اور احترامِ رسالت کے عقیدہ سے مسلمانوں کو محروم کرنا ہے، ان کے سارے مذاکرے، ان کے سارے مواعظ، ان کی ساری تصنیفات اس ایک امر پر مرتکز ہو کر رہ گئی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے مقامِ رفیع سے نیچے اتار کر ایک عام انسان کے دوش بدوش کھڑا کر دیا جائے. ان کی اسی روش نے انکارِ سنت کو جنم دیا ہے وہ کسی کافر کو تو مسلمان کرنے کی ہمت نہیں رکھتے، البتہ شرک سازی کی مہم چلانے میں یہ بڑے بے باک ہیں. تمام وہ آیتیں جو مشرکینِ عرب کے حق میں نازل ہوئی تھیں ان کو غلامانِ مصطفےٰ علیہ اطیب التحیہ والثنا پر منطبق کرتے ہیں اور ہر اس خوش نصیب کو جسے عشقِ حبیب کبریا صلے اللہ علیہ وسلم کی دولتِ سرمدی ارزانی ہوئی ہے، اس کو دائرہ اسلام سے خارج کرنا اپنے موحد ہونے کے لیے شرطِ اوّل قرار دیتے ہیں۔

یہ سارے فرقے امتِ محمدیہ علی صاحبہا افضل الصلوٰۃ والسلام کے سوادِ اعظم سے نکلے ہیں. فتنہ پردازوں نے اس رفیع الشان محل سے اینٹیں اکھاڑ اکھاڑ کر نئے گھرانے تعمیر کئے ہیں. یہ فتنہ پرداز عیّار بھی ہیں اور منظم بھی. یہ بڑی چابکدستی سے بڑے بڑے عہدوں کو ہتھیانے میں مصروفِ کار ہیں. ملک کی صنعتوں پر چھا رہے ہیں تعلیمی اداروں میں اپنی اجارہ داری قائم کر رہے ہیں اور میدانِ صحافت میں تمام کلیدی مراکز پر انھوں نے اپنا تسلط جما لیا ہے، اور دوسری جانب اہلسنت، جن کے اکابر نے ظلمت کدہ ہند کے گوشہ گوشہ میں اسلام کی شمعیں فروزاں کیں. جن کے "اللہ اکبر" کے نعرہ مستانہ سے صحرا جنگل اور پہاڑ گونج اٹھے، جن کے غیور اور بہادر علماء وصلحاء نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں فیصلہ کن کردار ادا کیا. جن کے بزرگوں نے تحریک پاکستان میں قائدِ اعظم

Marfat.com

کے شانہ بشانہ کام کیا، ان کی حالت قابلِ رحم ہے صنعتیں ان کے قبضہ سے نکلتی جارہی ہیں ان کے نوجوانوں پر اعلٰی ملازمتوں کے دروازے اس ہوشیاری سے بند کیے جارہے ہیں کہ اس محرومی کا کسی کو شعور تک نہیں۔ ان کے گنتی کے چند سکول اور کالجز ہیں، وہ بھی قومی شعور سے بے بہرہ اور بے گانہ ہیں۔ ان کے دینی ادارے کسمپرسی کے عالم میں ہیں اور جمود نے ان کو ہر قسم کی تگ و دو سے محروم کر دیا ہے اور میدانِ صحافت سے تو گویا کسی منظم سازش کے تحت انھیں نکال باہر کر دیا گیا ہو۔

اس عظیم، نجیب اور سعید سوادِ اعظم کا یہ حال دیکھ کر میرا دل خون کے آنسو روتا اور یہ حوصلہ شکن حالات اور سنگین مسائل تھے جو مجھے چاروں طرف سے سر اٹھاتے نظر آتے ہیں تصور کر کے کانپ گیا کہ اگر یہ صورتِ حال کچھ عرصہ جاری رہی تو معاملہ ہمیشہ کے لیے تلپٹ ہو جائے گا۔ یہ سوادِ اعظم جس کا میں ایک ادنیٰ فرد ہوں، جس کی محبت میرے رگ و پے میں سمائی ہوئی ہے جس کے دینی عقائد پر میرا پختہ ایمان ہے۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ انھوں نے دین جزوی طور پر قبول نہیں کیا۔ بلکہ کلی طور پر قبول کیا ہے جن کے سینوں میں نورِ توحید درخشاں ہے۔ جن کے دلوں میں عشقِ محمدی کی شمع فروزاں ہے جن کی روح صحابۂ کرام، اہلِ بیتِ عظام، اولیائے امت اور علمائے ربانیین کی الفت سے سرشار ہے وہ اگر خائب و محروم ہو کر زندہ رہنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ تو پھر کیا ہوگا؟ میں یہ تصور کر کے لرز جاتا تھا۔ مجھے یہ احساس کچھ کرنے پر مجبور کرتا۔ اگر میرا بس چلتا تو ایسا صور پھونکتا اور بار بار پھونکتا کہ سارے سونے والے سُنّی جاگ اُٹھتے اور اگر کوئی سونا چاہتا تو میں اس کے لیے سونا ناممکن بنا دیتا۔ اگر میرے مقدر میں ہوتا تو میں ایسی دلدوز چیخ مارتا کہ پتھر دلوں میں شگاف ہو جاتے اور احساسِ زیاں سے سب بے چین و بے قرار ہو جاتے۔

Marfat.com

طوفان بن کر آتا اور فتنہ و فساد کے شعلوں کو بھسم کر کے رکھ دیتا۔ نسیم سحر بن کر چلتا۔ خوابیدہ غنچوں کو جگاتا، دل گرفتہ عنادل کو گدگداتا اور انھیں حیات آفریں نغموں پر مجبور کر دیتا۔

لیکن میں ایک ذرۂ بے مقدار الیسا نہ کر سکتا تھا۔ میں نے سوچا کہ ملت کے ساتھ جو عشق ہے اس عشق کی لاج کیسے رکھوں۔ میں نے خیال کیا کہ میں اکیلا کچھ نہیں کر سکتا۔ ان بگڑے ہوئے حالات کو سنوارنے کے لیے اس ناساز گار ماحول کو ساز گار بنانے کے لیے مجھے چند جانباز، غیرت مند، جفاکش اور باہمت ساتھیوں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ایسے جوانمرد ساتھی جو باطل کی گوشمالی کرنے کی ہمت رکھتے ہوں۔ جن کا علم سمندر کی طرح بیکراں اور جن کی سیرت مہر عالمتاب کی طرح روشن اور بے داغ ہو۔ جن کی عقاب آلود نگاہ سے اس سارے ابلیسی نظام میں ہلچل مچ جائے۔

جو تن آسان نہ ہوں بلکہ جفاکش ہوں، بے حس نہ ہوں، بلکہ پرلے درجے کے حساس ہوں، ضمیر فروش نہ ہوں، بکاؤ مال نہ ہوں بلکہ مسندِ فقر و درویشی پر بیٹھ کر دولتِ قارون پر تھوکنا بھی گوارا نہ کریں۔

(تلخیص از عصر حاضر اور ہماری ذمّہ داریاں)

ان مندرجہ بالا احساسات کی روشنی میں آپ اس ہمہ پہلو شخصیت کے کردار کی جھلک دیکھ سکتے ہیں، لیکن کیا سارے جذبات ہی تھے جو اُبھرے اور سرد آہوں میں تحلیل ہو کر رہ گئے؟

نہیں، بلکہ اس سراپا عمل شخصیت نے اپنے جذبات کی عملی تصویر قوم کے سامنے پیش کر کے یہ واضح کر دیا ہے

صف جنگاہ میں مردانِ خدا کی تکبیر
جوشِ کردار سے بنتی ہے خدا کی آواز

Marfat.com

حضرت ضیاء الامّت

میدانِ عمل میں

اگرچہ برصغیر پاک و ہند میں انگریز کی آمد ہی سے اسلامی تمدن و ثقافت کے بارے تشکیک کے جراثیم پیدا ہونے شروع ہو گئے تھے لیکن ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی وہ نقطہ انتہا ہے جہاں پہنچ کر امت مسلمہ کی زبوں حالی نے کچھ زیادہ ہی تشویشناک صورت اختیار کر لی انگریز نے مسلمانوں کو بغاوت کا ذمہ دار قرار دے کر ان پر مظالم کی حد توڑ دی۔ ہزاروں جید علماء کو تختہ دار پر کھینچ دیا گیا۔ مختلف فنون پر مشتمل لاکھوں گیا۔ کتابیں سمندر میں غرق کر دی گئیں تمام قابلِ ذکر درس گاہوں کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا۔ جو تھوڑی بہت کسر باقی رہ گئی تھی۔ وہ لارڈ میکالے کے نظام تعلیم کے ذریعہ پوری ہو گئی اور کالج کی طرف رجوع کرنے والا مسلمان طالب علم اسلامی شعائر کو شک کی نظر سے دیکھنے لگا۔

ان مسلم کش اقدامات نے پورے برصغیر کے اندر اسلامی وحدت کو سخت نقصان پہنچایا۔ ان کا ملی وجود خطرے میں پڑ گیا اور وہ مستقبل سے انتہائی مایوس نظر آنے لگے۔

ان حالات میں مسلمان علماء نے اپنی ذمہ داری محسوس کی اور مختلف مقامات پر انفرادی طور پر ایسے ادارے قائم کیے جہاں اسلامی روایات کے مطابق مسلمان طلبا کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے انتظامات کیے گئے۔

Marfat.com

اسی سلسلہ الذہب کی ایک کڑی دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ بھی ہے جس کی بنیاد ۱۹۲۵ء میں غازی اسلام حضرت پیر محمد شاہ صاحب نے رکھی۔ آپ نے علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ مسلمان طلباء کے لیے دار العلوم سے متصل ایک پرائمری سکول بھی قائم کیا جو آج تک محمدیہ غوثیہ پرائمری سکول کے نام سے کام کر رہا ہے۔

اگرچہ یہ دینی درس گاہ وقت کے تقاضوں کے مطابق اسلامی تعلیمات کے سلسلہ میں قابلِ قدر خدمات انجام دیتی رہی ہے تاہم انگریز کے استعماری ہتھکنڈے اس قسم کی دانش گاہوں کے پنپنے میں بہت بڑی رکاوٹ بنے رہے۔

۱۹۴۷ء میں اگرچہ ایک مملکت "اسلامی جمہوریہ پاکستان" کے نام سے وجود میں آگئی لیکن حضرت قائد اعظم کو وقت نے مہلت نہ دی اور وہ اس سلسلہ میں کوئی مثبت اقدام کرنے سے قبل ہی اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔

بعد میں آنے والی قیادت میں اگرچہ بعض دردمند اصحاب بھی موجود تھے لیکن علوم اسلامیہ کی ترویج کے سلسلہ میں کوئی ٹھوس قدم نہ اٹھایا جا سکا۔

یہ ۱۹۵۷ء کا سال ہے۔ قوم ایک طرف دس سالہ جشن آزادی پاکستان منا رہی ہے اور دوسری طرف جنگِ آزادی میں شہید ہونے والے مجاہدین کا خون ذی شعور افراد کو ذمہ داریوں کا احساس دلا رہا ہے ان دل دردمند کے مالک اصحاب میں سے ایک حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری بھی ہیں۔ آپ بھی ملت اسلامیہ کو درپیش حالات کا جائزہ لے رہے ہیں اور اس سوچ میں منہمک کہ "امت" کی اس ڈگمگاتی ناؤ کو کیسے سہارا دیا جا سکتا ہے جو اپنے دامن میں ہزاروں فتنے سمیٹے ہوئے ہے۔

خداوند قدوس نے بر وقت آپ کی رہنمائی فرمائی اور آپ نے مجاہدین جنگ آزادی

Marfat.com

کے مبارک مشن کو حیاتِ تازہ عطا کرنے کے لیے علماء کا ایک ایسا گروہ تیار کرنے کا ارادہ فرمایا جو ہر قسم کے باطل نظریات کا طلسم توڑ کر رکھ دے کیونکہ شہدا کے خون کا حقیقی صلہ درحقیقت اس نظریہ کا پرچار ہے جس کے لیے انھوں نے اپنی جانیں قربان کیں۔

حضرت علامہ فرماتے ہیں ؎

میرے خاک و خون سے تُو نے یہ جہاں کیا ہے پیدا
صلۂ شہید کیا ہے؟ تب و تابِ جاودانہ

چنانچہ اسی صد سالہ جشنِ جنگِ آزادی کے موقعہ پر آپ نے دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز کیا۔ جس کا نصاب اس نہج پر مرتب کیا گیا کہ یہاں سے فارغ التحصیل علماً قدیم و جدید دونوں قسم کے علوم سے بہرہ ور ہوں تاکہ کسی ماحول میں بھی وہ احساس کمتری کا شکار نہ ہوں کیونکہ دورِ جدید میں اسلام کی لَو کو مدھم کرنے کے لیے جو باطل نظریات جنم لے رہے ہیں۔ ان کا تعلق زیادہ تر سیاسی اور معاشی نظریات سے ہے۔ اس لیے حضرت ضیا الامت نے دارالعلوم کا نصاب مرتب کرتے وقت اپنے طلباء کے لیے معاشیات اور سیاسیات کی تعلیم لازمی کر دی۔

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ کے اندر طلبا کو درسِ نظامی کے ساتھ ساتھ فاضل عربی اور دورہ حدیث کے علاوہ بی۔ اے تک تعلیم دی جاتی ہے۔ یہ درس گاہ اب اپنے تئیس تعلیمی[1] سال پورے کر چکی ہے اور خدا کے فضل و کرم سے یہاں سے فارغ التحصیل علماء زندگی کے مختلف شعبوں میں کام کر رہے ہیں:

— فوج کے اندر بطور خطیب و نائب خطیب کام کر رہے ہیں۔

— ملک کے اطراف و اکناف میں خطابت کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

---

[1] یہ مقالہ ۱۹۸۰ء میں لکھا گیا۔

Marfat.com

—— مختلف کالجز میں بطور پروفیسر مصروف کار ہیں۔

—— بیرون ملک تبلیغی مشن میں مصروف ہیں۔ اور

—— ہر میدان میں کامیاب و کامران۔

دارالعلوم میں اس وقت موجود طلبہ کی تعداد تین صد سے زائد ہے جو ملک کے مختلف حصوں (کشمیر، بہاولپور، ڈیرہ غازی خاں، ملتان، کراچی، فیصل آباد، جہلم، راولپنڈی، میانوالی سیالکوٹ، لاہور وغیرہ) سے تعلق رکھتے ہیں۔ طلبہ کے قیام و طعام کا انتظام دارالعلوم کے ذمہ ہے۔ طلبہ کو لائبریری کی طرف سے کتابیں بلا معاوضہ مہیا کی جاتی ہیں۔ طلباء سے کسی قسم کی فیس نہیں لی جاتی جب کہ غریب طلباء کو علاج معالجہ کی سہولیات کے علاوہ وظائف بھی دیئے جاتے ہیں۔

دارالعلوم کی موجودہ عمارت چالیس کمروں پر مشتمل ہے، جو طلباء کی موجودہ تعداد کے لیے ناکافی ہے۔ قریب ہی ۵۲ کنال رقبہ کی اراضی خرید لی گئی ہے جس میں کم از کم پانچ صد طلباء کے قیام کے لیے ہاسٹل کے علاوہ اساتذہ کے رہائشی کوارٹرز، کچن بلاک، ایک لائبریری ہال اور کھیلوں کے گراؤنڈ بنانے کا پروگرام ہے۔ عمارت کا نقشہ تیار ہو گیا ہے۔ اس عظیم منصوبے پر کام عنقریب شروع ہو جائے گا۔

اس وقت پندرہ اساتذہ، جو مختلف مضامین میں مہارت تامہ رکھتے ہیں، تدریس کے فرائض سر انجام دے رہے ہیں، جو صرف تعلیم کے اوقات میں ہی نہیں بلکہ زائد اوقات Over Time میں بھی طلباء کے تعلیمی معیار کو بلند سے بلند تر کرنے کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ ان کو دارالعلوم کی طرف سے معقول مشاہرہ دیا جاتا ہے تاکہ وہ معاشی پریشانیوں سے بے نیاز ہو کر اپنے کام میں مصروف رہیں، لیکن خوش آئند بات یہ ہے کہ ان میں

Marfat.com

سے کوئی بھی اپنے آپ کو ادارہ کا ملازم نہیں سمجھتا، بلکہ اس مقدس تحریک کا ایک کارکن۔ اور یہ بھی حضرت ضیاء الامت کے حسن سلوک اور خلوص کا ثمرہ ہے۔

اس گہوارۂ دانش کی کامیابی کی بنیادی وجہ حضرت ضیاء الامت کی ذاتی دلچسپی اور ادارہ کے ساتھ خصوصی لگن ہے۔ آپ کو حکومت[1] کی طرف سے کئی بار مختلف عہدوں کی پیش کش کی گئی، لیکن آپ نے ہر بار یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ میں اپنے والد صاحب کے قائم کردہ دارالعلوم کے ذریعے ہی دین و ملت کی خدمت کرنا ضروری سمجھتا ہوں! اور لطف کی بات یہ ہے کہ آپ نے اپنے خوابوں کی اس تعبیر کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا رکھا ہے۔

دارالعلوم کی موجودہ عمارت کا اکثر حصہ راقم الحروف کی موجودگی میں تیار ہوا ہے۔ جب بھی تعمیر کے سلسلہ میں لپائی یا لنٹر وغیرہ ڈالنے کا وقت آتا تو حضرت ضیاء الامت خود اور آپ کے صاحبزادگان اپنے سروں پر تگاریاں اٹھائے مسجد نبوی والی سنت ادا کرتے نظر آتے۔ یہی وجہ ہے کہ بڑے سے بڑا کام اتنا جلدی انجام پذیر ہو جاتا کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے۔

ذیلی برانچیں

مرکزی دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف چونکہ اس وقت اندرون ملک اور بیرونی سطح پر کافی ترقی حاصل کر چکا ہے، اس لیے داخلہ کے وقت مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے طلبا کی بھیڑ ہو جاتی ہے۔ عوام اہلسنت کی سہولت کے لیے حضرت ضیاء الامت نے ملک کے مختلف علاقوں میں دارالعلوم کی ذیلی برانچیں کھولنے کا منصوبہ بنایا، چنانچہ اس پروگرام کے تحت اب مندرجہ ذیل برانچیں مرکزی دارالعلوم سے وابستہ ہو کر دین و ملت

---

[1] آپ نے وفاقی شرعی عدالت کی طرف سے رجم کو حد قرار نہ دینے کے بعد وفاقی شرعی عدالت میں بطور جج شریک ہونے کا فیصلہ کیا۔

Marfat.com

کی خدمت میں مصروف ہیں:

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ سیالکوٹ چھاؤنی

دارالعلوم قمرالاسلام سلیمانیہ، پنجاب کالونی، کراچی ۶

جامعہ رضویہ انوارالعلوم، ۲۴ ایچ واہ کینٹ

دارالعلوم چشتیہ غوثیہ منڈی بہاؤالدین

دارالعلوم ریاض المدینہ گوجرانوالہ

دارالعلوم ضیاء القرآن بوکن شریف، ضلع گجرات

دارالعلوم محمدیہ غوثیہ چک شہزاد اسلام آباد

دارالعلوم محمدیہ رضویہ پنڈ دادنخاں دارالعلوم قمرالعلوم، گجرات

حضرت ضیاء الامت اور صحافت

قیامِ پاکستان کے بعد صحافت کے میدان میں با مقصد صحافت کی نمائندگی کچھ زیادہ ہی تشویشناک تھی، جس کے بارے میں حضرت ضیاء الامت کے احساسات کا جائزہ لینے کے لیے آپ کا یہی فقرہ کافی ہے:

"میدانِ صحافت سے تو گویا کسی منظم سازش کے تحت اسلام کی حقیقی نمائندہ قوتوں کو نکال باہر کر دیا گیا ہے"

جہاں احساسِ زیاں کی یہ کیفیت ہو وہاں ردِ عمل بھی اتنا ہی وقیع ہونا چاہیے تھا۔ آپ نے واقعی اس کا مناسب حل تلاش کیا اور اس وقت جب کہ پوری پاکستانی قوم ایک کشمکش کی زندگی بسر کر رہی تھی۔ دورِ ایوبی ختم ہو چکا تھا۔ سرمایہ داری کی چکی میں پسی ہوئی قوم

Marfat.com

شدتِ درد سے کراہ رہی تھی، اور نظریاتی طور پر ڈانواں ڈول۔ اشتراکیت کے سائے لمحہ بہ لمحہ گھرے ہوتے چلے جارہے تھے۔ محمد عربی (فداہ ابی وامی) کی غیور قوم کو اشتراکی عیّار روٹی، کپڑا اور مکان کا جھانسہ دے کر اس کے غیر متزلزل عقائد میں رخنے ڈال رہے تھے کہ ضیاالامت کی دُور رس نگاہوں نے ان سر پر منڈلاتے ہوئے خطرات کو بھانپ لیا اور میدان صحافت میں ایک ماہنامہ فقرِ غیور اور عشق خود آگاہ کا نقیب بنا کر قوم کی نذر کیا، جسے اہل دل "ضیائے حرم" کے نام سے جانتے ہیں۔ ضیائے حرم نے واقعی "فقرِ غیور" اور "عشق خود آگاہ" کا نقیب بن کر دکھایا اور سوشلزم کے امڈتے ہوتے سیلاب کے سامنے سدِ سکندری کا کام دیا۔ ضیائے حرم کو مطلعِ صحافت پر نمودار ہوتے تقریباً گیارہ سال کا عرصہ بیت چکا ہے۔ اس مدت میں اس ماہنامہ نے پاکستانی قوم کو درپیش ہر قسم کے مسائل کا تجزیہ بڑے احسن انداز میں کیا ہے اور ہر میدان میں خواہ وہ معاشرتی ہو یا مذہبی، سیاسی ہو یا معاشی، اس نے اپنا مضبوط موقف پیش کیا ہے۔

ضیائے حرم کے سیاسی کردار کی جھلکیاں اگلے عنوان "ضیاالامت کا سیاسی کردار" کے تحت آپ ملاحظہ کر سکیں گے۔ یہاں اتحاد بین المسلمین، اصلاحِ معاشرہ، اخلاقی اقدار کے احیا اور اہل سنت کے فرائض منصبی کے بارے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ضیاالامت اور اتحاد بین المسلمین

رزم گاہِ حیات میں کسی قوم کا اتحاد و اتفاق ہی اس کی سربلندی اور فیروزمندی کا سبب ہوا کرتا ہے۔ اس قوم کو میدانِ کارزار میں روند ڈالا جاتا ہے، جو بے اتفاقی یا انتشار کا شکار ہو۔ اس کے افراد کی خوبیاں اور ندرت طرازیاں بے کار ہو کر رہ جاتی ہیں

Marfat.com

وہ اپنے دشمنوں کی نگاہوں میں ہی نہیں خود اپنی نگاہوں میں ذلیل ہو جاتی ہے۔ احساس کمتری اس کو یوں گھیر لیتا ہے کہ اس کے نظریات معتقدات اور اس کے درخشاں ماضی کو بری طرح مسخ کیا جاتا ہے، لیکن اس کی رگِ حمیت نہیں پھڑکتی۔ اس کے منجمد خون میں جوشِ عمل پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے علمی، تحقیقی اور تخلیقی فخرِ روزگار کارنامے مٹ رہے ہوتے ہیں لیکن اسے احساس تک نہیں ہوتا۔ ادھر پھر کوئی اس کا بہی خواہ اس کی بے حسی پر اس کا یوں ماتم کرتا ہے ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

یہ نفاق و انتشار سیاسی نوعیت کا بھی ہو سکتا ہے اور فکری و اعتقادی بھی۔ جہاں تک سیاسی چپقلش یا شکر رنجی کا تعلق ہے، اس کے چاک تو حسنِ تدبیر سے رفو ہو سکتے ہیں، لیکن فکری و اعتقادی پراگندگی اپنے اندر جو ہولناک انجام لاتی ہے وہ قوموں کی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوتے ہیں۔

حضرت ضیاء الامت واقعات کے آئینے میں ان ہوش ربا حالات کو ملاحظہ کر رہے تھے، چنانچہ اس کی خاطر عملی اقدام کرتے ہوئے ماہنامہ ضیائے حرم اکتوبر ۱۹۷۰ء میں فرماتے ہیں:

”ہر مسلمان اپنی ملت کی زبوں حالی پر اشکبار ہے۔ ہر دل اپنی موجودہ پستی پر خون کے آنسو بہا رہا ہے۔ ہر زبان شکوہ سنج ہے کہ ہم میں اتحاد نہیں، ہماری صفیں انتشار کا شکار ہیں غرضیکہ ہر شخص اپنی موجودہ صورت حال سے نالاں ہے اور اس کو بدل دینے کے لیے بے چین۔ اگر واقعی ہمارا یہ احساس

Marfat.com

مذاق نہیں، بلکہ اپنے اندر سنجیدگی اور متانت رکھتا ہے تو آؤ، سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں، کندھے کے ساتھ کندھا جوڑ کر قدم بڑھائیں۔ اپنی بدنظمی اور پراگندگی کو نظم و ضبط سے بدل دیں۔ ایک دوسرے کی عیب جوئی چھوڑ دیں۔ ایک دوسرے کے متعلق بدگمانیاں ترک کر دیں۔ ایک دوسرے سے کھچے کھچے نہ رہیں، شکووں اور شکایتوں کے دفتر تہہ کر دیں۔ بدگمانیوں کی عادت چھوڑ کر شیر و شکر ہو جائیں۔ فیّاضِ ازل نے جس کسی کو جو صلاحیت مرحمت فرمائی ہے، اسے دینِ متین کی سربلندی کے لیے وقف کر دیں۔ ضیائے حرم کے صفحات کو اپنی تحقیقی اور تعمیری کاوشوں سے رشکِ صد طور بنا دیں۔ ان میں اپنی نگارشات کے موتی سجا کر اپنی قوم کے نونہالوں کی خدمت میں بطور ارمغان پیش کریں۔ ہم ان عظمتوں کی نشاندہی کریں اور اپنے نوجوانوں کو ان رفعتوں کا پتہ بتائیں جو بندۂ مومن کی میراث ہیں۔ دشتِ ظن و تخمیں میں بھٹکنے والے آہو کو سوئے حرم لے چلیں۔ وہ عندلیبیں اور قمریاں جو کسی غلط فہمی کے باعث شاخِ مغیلاں پر آشیاں بند ہو چکی ہیں، انھیں بتائیں کہ تمھارے بغیر چمن اداس ہے، غنچے اداس ہیں، کلیاں اداس ہیں۔ آؤ! اپنے گلشن میں آؤ! اپنے روح پرور نغموں سے چمن کی فضا کو معمور کر دو۔ یہ ناچیز اپنے ان بچھڑے ہوئے رفیقوں کو خصوصی طور پر دعوت دیتا ہے، جنھیں عقلِ سلیم، فہمِ رسا اور قلمِ معجز رقم کی انمول نعمتیں بخشی گئی ہیں، کہ وہ آئیں اور اس ماہنامہ کے دامن کو اپنے علم و حکمت کے موتیوں سے تابدار بنائیں۔"

یہ تھی وہ دعوت جو آپ نے قوم کے ان افراد کے سامنے پیش کی جو دین و ملت کا

درد رکھتے ہیں اور آپ کی یہ دعوت آج بھی اسی طرح ہے ۔ضیائے حرم کے صفحات آج بھی فرقہ واریت کی قیود سے آزاد ہیں اور اس کی پالیسی "خذ ما صفا ودع ما کدر" آج بھی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ محوِ عمل ہے، لیکن ان ساری رواداریوں اور وسعت نظری کے باوجود حضرت ضیاء الامت عقائدِ اہل سنت کی ترویج اور ان کے اظہار میں کسی مداہنت کے روادار نہیں اور بقول طالب ہاشمی ۔

"حضرت موصوف حنفی مسلک کے ایک بلند پایہ عالم ہیں ۔انھوں نے ہر جگہ اپنے مسلک کی ترجمانی کی ہے ۔ان کے زاویۂ نگاہ سے تو اختلاف ہوسکتا ہے، لیکن ان کے خلوص اور اپنے مسلک سے سچی وفاداری میں مطلق کسی شبہ کی گنجائش نہیں ۔"

آپ نے ۱۹۷۰ء میں اپنی صحافتی زندگی کا آغاز فرمایا۔اس وقت سے لے کر آج تک لادینی نظریات کے خلاف جب بھی قوم نے اتحاد کی ضرورت محسوس کی، حضرت ضیاء الامت ان کوششوں میں کسی سے پیچھے نظر نہیں آتے اور اس سے تو کسی کو مجالِ انکار نہیں کہ تحریکِ ختم نبوت ۱۹۷۴ء اور تحریک نظامِ مصطفےٰ ۱۹۷۷ء میں ضیائے حرم نے صحافتی دنیا میں جو کردار پیش کیا، کوئی اور ماہنامہ اس کی نظیر لانے سے قاصر ہے۔

قوم اگرچہ مندرجہ بالا دو بڑی تحریکوں میں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئی لیکن یہ اتحاد دائمی اور پائیدار ثابت نہ ہوسکا۔ ہوسکتا ہے اس میں بیرونی سازشوں کا بھی اثر ہو، لیکن اس کا بنیادی سبب اتحاد کے لیے کسی ٹھوس بنیاد کا فقدان ہے ۔

حضرت ضیاء الامت مدظلہ العالی نے جب بار بار اس اتحاد کو قائم ہوتے اور ٹوٹتے دیکھا تو فروری ۱۹۷۶ء کے سرِ دلبراں کے عنوان کے تحت پائیدار اتحاد کے لیے اپنا

Marfat.com

پانچ نکاتی فارمولا پیش فرمایا، جس کی تلخیص پیش خدمت ہے۔

(۱) اتحاد کے داعی کو اپنی دعوت کی سچائی اور افادیت پر اتنا پختہ یقین ہونا چاہیئے کہ اس راہ میں پیش آنے والی مشکلات سے کسی طرح ہراساں نہ ہو۔

(۲) زیادتی کرنے والے فریق کو روکا جائے۔ جس کی حق تلفی ہو، اس کی حق رسی کی جائے خواہ اس کا تعلق کسی جماعت یا مکتب فکر سے ہو یعنی حقوق و فرائض کا پلڑا متوازن رہنا چاہیئے۔

(۳) ہر ایک فریق کو اتنا وسیع الظرف ہونا چاہیئے کہ وہ دوسرے فریق کی بات سنے۔ اس میں دیانت داری سے غور و فکر کرے اور جس چیز کو حق جانے اسے اپنا لے۔

(۴) عظمتِ رسالت اور تقدسِ نبوت ہی دین کی بنیاد ہے۔ اگر کسی بھی مکتبِ فکر کے لٹریچر میں کوئی ایسی عبارت ہو، جس سے دین کی اس بنیاد پر اشارۃً یا صراحۃً حرف آتا ہو، اسے حذف کر دینا چاہیئے، کیونکہ کوئی بھی غیرت مند مسلمان ایسی صورتِ حال سے مطمئن نہیں ہو سکتا۔

(۵) ایک دوسرے پر الزام تراشی کے وقت ہر مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے افراد حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں اور فرزندانِ اسلام پر شرک و کفر کے فتوے لگانے سے بھی باز نہیں آتے، اس سلسلہ میں ایسے ٹھوس اقدامات کرنے چاہئیں کہ اس قسم کی غیر محتاط زبانیں بند ہو جائیں۔

حضرت ضیاء الامت کے اس پانچ نکاتی پروگرام کو سامنے رکھ کر قوم ایک پلیٹ فارم

Marfat.com

پر جمع ہو سکتی ہے، لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ذاتی مصلحتوں اور دین سے دُوری اور تنگ نظری نے ہمیشہ اس معاملہ کو سلجھانے کی بجائے زیادہ الجھایا ہے۔

حضرت ضیاء الامت اور اہلسنت

اگرچہ یہ آپ کی انتہائی خواہش ہے کہ پوری ملتِ اسلامیہ ایک ہی وحدت میں مربوط ہو اور غیر اسلامی قوتیں جہاں بھی اسلام کے خلاف برسرِ پیکار ہیں، ان کا دنداں شکن جواب دیا جاتے۔ لیکن گروہی تعصبات اور فکری انتشار نے صورتِ حال کو کچھ زیادہ ہی ابتر کر دیا ہے۔ اسی افراتفری کے عالم میں حضرت ضیاء الامت کے نزدیک اہلِ سنت کا اتحاد و اتفاق ہی موجودہ حوصلہ شکن حالات میں اصلاحِ احوال کا پیغامبر بن سکتا ہے، کیونکہ ان کے اندر روا داری اور وسعتِ نظری ہے۔ وہ اگر برسرِ اقتدار آئیں گے تو کسی اقلیت کے حقوق تلف نہیں کئے جائیں گے، بلکہ جس طرح پہلے کئی سو سال تک ان کی حکومت کے زیرِ سایہ ساری اقلیتیں امن و آشتی سے زندگی بسر کرتی رہی ہیں، ان سے اب بھی اسی سلوک کی توقع کی جا سکتی ہے۔

آپ فرمایا کرتے ہیں کہ اہلِ سنت کے اتحاد میں دین کا بھلا ہے کیونکہ اہلِ سنت ہی وہ خوش نصیب ہیں جنھوں نے دین جزوی طور پر نہیں، کلی طور پر قبول کیا ہے اہلِ سنت کے اتحاد میں ملّت کا بھلا ہے، کیونکہ یہی وہ خوش نصیب ہیں جن کے اندر جذبۂ جہاد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے، کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ شہادت حاصل کرنے کے بعد انسان مر کر مٹی نہیں ہو جاتا، بلکہ اسے "حیاتِ ابدی" مل جاتی ہے۔ اگر اہلِ سنت متحد ہو جائیں گے تو ملک کی نظریاتی اور علاقائی سرحدیں محفوظ ہو جائیں گی۔ ان ہی نیک جذبات کے ساتھ آپ اہلسنت کو

Marfat.com

جھنجھوڑتے ہیں اور دعوتِ اتحاد دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

آپ پاکستان کا سوادِ اعظم ہیں۔ آپ ملک کی آبادی کا تقریباً اسی فیصد ہیں۔ اسی نسبت سے پاکستان کی بقا، اس کے استحکام اور اس میں بسنے والے تمام افراد کی خوشحالی کی ذمہ داری بھی آپ پر عائد ہوتی ہے۔ پاکستان کے مستقبل کے ساتھ آپ کا مستقبل وابستہ ہے۔ کیا آپ اپنا فرض اجتماعی حیثیت سے ادا کر رہے ہیں؟ معاف کیجئے! ہرگز نہیں۔

ہماری صفیں انتشار کا شکار ہیں۔ ہم آپس میں بلاوجہ کھچے کھچے رہتے ہیں۔ ہمارے اکابر میں اہلِ غرض کی نشاندہی بھی کی جاسکتی ہے۔ سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ہم میں اجتماعی شعور مفقود ہے۔ ہم اپنے ذاتی مفاد کے لیے تو ہاتھ پاؤں مارتے ہیں، لیکن ملّی سطح پر بہت کم سوچتے ہیں۔ ہماری انفرادی خدمات سے انکار نہیں کیا جاسکتا، لیکن ان میں یک جہتی کا فقدان انہیں بے اثر بنا دیتا ہے۔ اس میں اہلسنت کے خواص و عام دونوں برابر کے شریک ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہم اپنے جائز حقوق کی نگہداشت سے بھی قاصر ہیں۔ ہماری حق تلفیاں کی جاتی ہیں، لیکن ہم اس کا سدِباب نہیں کر سکتے۔ عددی اکثریت جب بدنظمی، بےحسی اور بےتدبیری کا شکار ہو جاتی ہے تو وہ مات کھا جاتی ہے اور اقلیتیں اپنی تنظیم کے باعث بازی جیت لیتی ہیں۔

اے سنتِ مصطفوی کے پاسبانو! تمھارے وجود سے گلشنِ اسلام میں بہاریں ہیں۔ گلستانِ وجود میں تمہاری ہستی ہی شمعِ محفل ہے۔ خدارا! اپنا فرض پہچانیے اور اپنی انانیت پر اپنی ملت کی عزت کو قربان نہ کیجیے۔ ان

Marfat.com

سنگین حالات میں اپنی بھرپور اجتماعی کوششوں سے ملک کے اندرونی و بیرونی دشمنوں کو خاک میں ملائیے۔" (سرِّ دلبراں اگست ۱۹۷۱ء)

اہلِ سنت کو اخلاقی اقدار کی پابندی اور اصلاحِ احوال کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں :

"سب سے زیادہ ذمہ داری اہلِ سنت پر عائد ہوتی ہے۔ پاکستان میں ان کی غالب اکثریت ہے۔ اکثریت کے اگر حقوق ہوتے ہیں تو اس کے فرائض بھی اتنے ہی زیادہ ہوتے ہیں۔ اگر وہ سدھر جائیں گے، گناہوں سے نفرت کرنے لگیں گے، نیکیوں سے پیار کرنے لگیں گے، زندگی کے جس شعبہ سے وہ وابستہ ہوں وہاں راست بازی، دیانت داری اور جفاکشی کے چراغ روشن کرتے رہیں گے تو برائی کی قوتیں خود ہی معرکہ حیات میں ہتھیار ڈال دیں گی۔ گناہوں کو حسین پردوں میں چھپا کر فروغ دینے کا دھندا کرنے والے ہمیشہ کے لئے نامراد ہو جائیں گے۔ نیکی کا نور پھیلے گا اور ملک کا گوشہ گوشہ وادئ ایمن بن جائے گا۔ اپنے تشخص کو برقرار رکھنے میں وہ کسی مداہنت کے روادار نہیں ہوں گے۔ لیکن کسی پر زیادتی کسی کی دل شکنی، کسی کی حق تلفی، کسی کو اس کی آئینی مراعات سے محروم کر دینے کا وہ تصور تک بھی نہیں کریں گے اور جب ملک کا سوادِ اعظم متاعِ خودی سے سرشار، بیدار فرض شناس اور عدل و انصاف کا علمبردار بن جائے گا تو ہر طرف ذہنی اور قلبی آسودگی، ہر طرف سچی اور پائیدار مسرتوں کی چاندنی پھیل جائے گی۔ وہ جماعتیں جن کی تعداد قلیل ہے، وہ اگر سنبھل اور سنور بھی جائیں تو اس سے ملک کا مقدر تو نہیں بدل جائیگا

لیکن شومئ قسمت ملاحظہ ہو کہ اہل سنت جن پر اصلاحِ احوال کی ذمہ داری سب سے زیادہ ہے۔ یہی انتشار اور ہر قسم کی خرابیوں کا شکار ہیں۔ ساری جماعتوں کی رونق اِن کے دم قدم سے ہے لیکن ان کا اپنا گھر سُونا پڑا ہے۔ لوگ ان کی مرمری سلوں منقّش اور رنگدار اینٹوں اور مرصع دروازوں کو اُکھیڑ اُکھیڑ کر لے جا رہے ہیں۔ اور اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا رہے ہیں۔

اور

اہل سنت کو پہلے تو اس کا احساس تک نہیں، اور اگر ہے تو اتنا نحیف و نزار کہ سرد آہوں میں تحلیل ہو کر رہ جاتا ہے اور اگر آنسو بن کر ٹپکتا ہے تو طوفان بن کر اُمڈتا نہیں۔ دامن کے کسی گوشہ میں گرتا ہے اور خشک ہو جاتا ہے۔

اونچی جس کی لہر نہیں ہے وہ کیسا دریا
موجیں جس کی تند نہیں ہیں وہ کیسا طوفان

(سر دلبراں۔ دسمبر ۱۹۷۷ء)

حضرت ضیاالامت اور مشائخ عظام

حضرت ضیاالامت چونکہ بذاتِ خود مشائخ کرام کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ انھیں بھلا کب گوارا تھا کہ دوسرے تمام طبقے تو اپنی ذمہ داریاں پہچانیں، اور مشائخ کرام اپنی ناؤ طوفان کے تھپیڑوں کے حوالے کر دیں۔ آپ نے اپنا فرض منصبی سمجھا کہ انھیں بھی اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلایا جائے لیکن ان کے رویہ کا جائزہ لیتے ہوئے ادب کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ فرماتے ہیں:

Marfat.com

"اگر میرے کرم فرما مجھ سے برہم نہ ہوں تو حدیثِ دل زباں پہ لاؤں۔ اور زخمِ جگر سے پردہ اٹھاؤں۔ نہیں! نہیں!...... ان کی برہمی کا خطرہ مول لیتے ہوئے بھی بصد ادب و نیاز عرض کروں گا:

موجودہ صورتِ حال کی ساری نہیں تو بیشتر ذمہ داری پیر صاحبان پر عائد ہوتی ہے، جو اہلِ سنت کے کشورِ دل کے سلطان ہیں۔ جو ہماری عقیدتوں کا مرکز ہیں۔ جو ہمارے عشق و مستی کا عنوان ہیں۔ جن کے اشارۂ ابرو پر ہر نیک دل سنّی دل و جان قربان کرنے کے لیے تیار رہے۔ یہ تسلیم کہ انھوں نے پاکستان کے حصول میں قابلِ فخر حصہ لیا ہے، لیکن پاکستان کو اسلامی سلطنت بنانے کے لیے جس مسلسل جد و جہد کی ضرورت تھی، غیر اسلامی تحریکوں کو ختم کرنے کے لیے عملی اور فکری میدان میں جس جہاد کی ضرورت تھی اس کی طرف انھوں نے توجہ نہیں دی۔ اہلِ سنت کو منظم اور متحد کرنے کی اہمیت کا انھوں نے اندازہ نہیں لگایا۔ اور امت کا سوادِ اعظم ایک لشکرِ جرار کی بجائے بھیڑوں کا گلہ بن کر رہ گیا ہے۔ ہمارے مستقبل کا مورخ ان سے پوچھ سکتا ہے ؎

رشتۂ الفت میں جب ان کو پرو سکتا تھا تو
پھر پریشاں کیوں تری تسبیح کے دانے رہے

ہمارے مشائخ کرام کی بے پرواہی اور لاتعلقی سے اہلِ سنت کو نقصانِ عظیم پہنچا ہے اور پہنچ رہا ہے، لیکن اب بھی اگر ادائے فرض کا احساس بیدار ہو جائے تو اس کی تلافی چنداں مشکل نہیں۔ ہر شیخ کا اپنا حلقۂ ارادت ہے

Marfat.com

جو اپنے شیخ پر پورا اعتماد رکھتا ہے۔ اگر پاکستان کے مشائخ کرام سے صرف چند جن کا علم و فضل، جن کا تقویٰ اور للّٰہیت، جن کی ایمانی بصیرت اور فراست ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے، جن کا ماضی ماہتاب و آفتاب سے تابندہ تر ہے، باہم متحد ہو جائیں تو پاکستان کے چاروں صوبوں کے سنی نظامِ مصطفیٰ کے تحفظ کے لیے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں گے۔ دینی، اخلاقی معاشرتی معاشی اور سیاسی میدانوں میں جو خرابیاں ملت کی رسوائی کا باعث بنی ہوئی ہیں۔ ان کا قلع قمع ہو سکتا ہے۔ ہر سنی کے دل میں اللہ تعالےٰ اور اس کے حبیب مکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے عشق کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے کام صرف اتنا ہے کہ اس میں اٹھنے والی شوخ و شنگ موجوں کو منظم کر دیا جائے۔ اگر ہمارے مشائخ یہ فرض ادا کریں تو بخدا ہم باطل کے ہر شکر کو ہزیمت دے سکتے ہیں۔ لادینیت کی تحریکیں خود بخود حرفِ غلط کی طرح مٹ جائیں گے۔ برائی اور گناہوں کا نام و نشان تک نہ رہے گا۔ سارا پاکستان صحن حرم کی طرح مصفّٰی و مجلّٰی اور اس کی فضائیں معطر و معنبر بن جائیں گی ؎

ناموسِ ازل را تو امینی، تو امینی
دارائے جہاں را تو یساری، تو یمینی
بندۂ خاکی! تو زمانی، تو زمینی

معمارِ حرم! باز بتعمیر جہاں خیز — از خوابِ گراں خوابِ گراں خوابِ گراں خیز

لیکن اگر مشائخ کرام نے اس وقت کی پکار کی طرف توجہ نہ دی اور حالات کا رُخ اپنی ہمتِ مردانہ سے موڑ نہ دیا تو پھر ان کے نیاز مند بصد حسرت و یاس

Marfat.com

یہ کہنے میں سچے ہوں گے ؎

شوق بے پروا گیا، فکر فلک پیما گیا
تیری محفل میں نہ دیوانے نہ فرزانے رہے
خیر تو ساقی سہی لیکن پلائے گا کسے
اب وہ میکش رہے باقی نہ میخانے رہے
رو رہی ہے آج اک ٹوٹی ہوئی مینا اسے
کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے

(سرّ دلبراں دسمبر ۱۹۷۷ء)

اوپر والی سطور کو بار بار پڑھیے اور اندازہ لگایئے کہ ادائے فرض کے احساس نے کس درجہ آپ کو حدیثِ دل زبان پر لانے کے لیے مجبور کر دیا اور ہر ہر لفظ سے ٹپکتا ہوا خلوص احساس زیاں کی کتنی بھرپور ترجمانی کر رہا ہے۔

یہ تو ادائے فرض پر ابھارا جا رہا تھا اور اب دیکھیے! اہلِ سنت کے تمام راہنماؤں کو اپنے حقوق کے حصول کے لیے کس طرح جھنجھوڑا جا رہا ہے۔ فرماتے ہیں:

"آخر یہ فقیر پُرتقصیر مشائخ کرام، پیرانِ عظام اور علمائے ربانیین کی خدمت میں بصد ادب ملتمس ہے کہ حالات کے تیور آپ کے سامنے ہیں سوادِ اعظم کے معتقدات کو مسخ کیا جا رہا ہے۔ ان کی گھریلو زندگی کے تقدس کو پامال کرنے کے لیے مشورے ہو رہے ہیں۔ ان کی خانگی سکون کو برباد کیا جا رہا ہے۔ ان کی آئندہ نسلوں کو بگاڑا جا رہا ہے۔

یہ "اُن کے" اور "اُن کی" کے لفظ تو میں نے پاس ادب کے لیے

Marfat.com

لکھے ہیں۔ آپ ان کی جگہ "آپ کے"، اور "آپ کی"، بھی پڑھ سکتے ہیں۔ پھر بھی آپ اپنی شیرازہ بندی کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ جب طوفان آئے گا تو آپ کے مریدوں کے ساتھ آپ کی خانقاہیں اور حرم سرائیں بھی محفوظ نہیں رہیں گی۔ اگر آپ دین اور سیاست کو الگ الگ سمجھتے ہیں، اگر آپ اس تثلیت پر برہم نہیں ہوتے کہ "اسلام ہمارا دین ہے"، "جمہوریت ہماری سیاست ہے"، اور "سوشلزم ہماری معیشت ہے"، تو بے شک سیاست کے میدان میں قدم رنجہ نہ فرمائیے لیکن کم از کم دین کو تو بچائیے، ان ہاتھوں کو تو پکڑ لیجئے جو شریعت بیضا کے خد و خال کو مسخ کرنا چاہتے ہیں۔ کم از کم اُن قزاقوں کا راستہ تو بہادری کے ساتھ روک دیئے جو آپ کے معتقدین کی عصمت و ناموس پر دن دہاڑے ڈاکے ڈالنے کی سازشوں میں مصروف ہیں۔ عیسائیوں کے حقوق ہیں بھنگیوں کے حقوق ہیں، پارسیوں کے حقوق ہیں، قادیانیوں کے حقوق ہیں کیونکہ یہ پاکستان میں بسنے والی اقلیتیں ہیں، آئین، قانون اور اخلاق ان کے حقوق کی ضمانت دیتے ہیں۔ اے سوادِ اعظم! تم ہی ایسے ہو جن کے کوئی حقوق نہیں، جس طرح کوئی چاہے ان کا حلیہ بگاڑتا رہے۔"

(سرّ دلبراں ۱۹۷۰ء جنوری)

ان مندرجہ بالا چند عنوانات کے تحت آپ نے حضرت ضیاء الامت کے میدانِ صحافت میں جاندار کردار کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائی اور ملّت اسلامیہ کے ساتھ آپ کے خلوص، محبت اور لگن کا جائزہ لیا۔

Marfat.com

حضرت ضیاء الامت کا سیاسی کردار

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے ہر شعبہ میں انسانیت کی پوری راہنمائی کرتا ہے۔ جو لوگ اسلام کی سربلندی کے لیے مصروفِ کار ہوتے ہیں یا جو اپنی زندگی کے ہر پہلو کو اسی سانچے میں ڈھالے ہوئے ہوتے ہیں وہ ذاتی یا گروہی مفادات سے بالاتر ہو کر ہر معاملے کو اسلام کی عینک سے ہی ملاحظہ کرتے ہیں۔ حضرت ضیاء الامت مدظلہ العالی کی زندگی جس طرح ہر میدان میں اسلام کی بالادستی کی آئینہ دار ہے، اسی طرح سیاسی میدان بھی آپ "تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان" کے قرآنی احکام پر مکمل عمل فرماتے ہیں۔ آپ نے سیاست کو نہ پیشہ بنایا اور نہ ہی ذاتی مفاد کا ذریعہ۔ بلکہ اپنے سیاسی کردار کو ہر اس آلائش سے پاک رکھا جو دورِ حاضر میں سیاستدانوں یا سیاسی کارکنوں کا وطیرہ بن چکا ہے۔ آپ ملک کی ایک ممتاز سیاسی جماعت کے مرکزی نائب صدر اول کے عہدہ پر فائز رہے۔ اور اس کے ایک کارکن کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے، لیکن آپ کا بڑے سے بڑا مخالف بھی آپ کے کردار پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کر سکتا۔ آپ کی مخالفت اور حمایت میں ذاتی اغراض و مقاصد کا قطعاً کوئی دخل نہیں، بلکہ خدا اور اس کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اور خوشنودی ہی آپ کا نصب العین ہے اور اسی مقصد کے حصول کے لیے آپ تحریری اور تقریری سیاسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ سیاست میں ملکی مفادات اور پاکستان کے استحکام کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ بڑی جرأت اور پامردی سے اعلائے کلمۃ الحق کا فریضہ بلا خوف و خطر ادا کر رہے ہیں۔

Marfat.com

اپنے مخالفین کی اچھائیوں اور اپنوں کی کمزوریوں کے اعتراف میں انھوں نے کبھی بخل سے کام نہیں لیا۔ اور نہ ہی حق کو مصلحت اور مفادات کے پردے میں چھپانے کی کبھی کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا سیاسی کردار قابلِ تعریف اور تمام تر آلودگیوں سے پاک و صاف رہا۔ اس سلسلہ میں آپ کی تحریروں اور تقریروں کے چند اقتباسات یقیناً مفید رہیں گے۔ ملاحظہ کیجئے:

ماہنامہ ضیائے حرم جولائی ۱۹۷۵ء کے سرِ دلبراں میں پنجاب کے وزیرِ اعلےٰ حنیف رامے کے رویہ پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہمارے وزیرِ اعلےٰ بھی بڑے مزے کے آدمی ہیں۔ آیتیں بھی پڑھتے ہیں اور اشتراکیت کے گن بھی گاتے ہیں اور اس کو اپنی دانشوری کا کمال بھی خیال کرتے ہیں۔ حق و باطل کی یہ آمیزش معلوم نہیں ہمارے وزیرِ اعلےٰ کے لیے کس طرح قابلِ قبول ہے۔ ان کے نام میں "حنیف" اور "رامے" کا جو بے ربط جوڑ ہے، شاید اس کا اثر ہو۔ بہر حال ہم ان کی خدمت میں عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ پاکستان کے لیے کسی سوشلسٹ یا کمیونسٹ نے کوئی قربانی نہیں دی۔ اس گلشن کی آبیاری فرزندانِ توحید نے اپنے خونِ ناب سے کی ہے۔ اس کا حصول اور اس کی بقا غلامانِ مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ و اجمل الثناء کی مخلصانہ سرفروشیوں کی مرہونِ منت ہے۔ اگر پاکستان کی مانگ میں شہیدوں کے خون کی سرخی دمک نہ رہی ہوتی، اگر یتیموں اور بیواؤں کے آنسوؤں کے موتیوں کا جھومر اس کی پیشانی کو مزین نہ کر رہا ہوتا، تو شاید کوئی اس مذموم ارادے میں کامیاب ہو جاتا، لیکن جہاں شہیدوں کے خون کی چمک چشم

Marfat.com

مہرو ماہ کو خیرہ کر رہی ہو وہاں انسانیت و کردار کشی کی سرانڈ میں لبسی ہوئی اشتراکیت سے پاکستان کی مانگ کو ملوث کرنا کون عقلمند گوارا کرے گا۔ ہمارے وزیر اعلیٰ اس غلط فہمی سے جتنا جلد چھٹکارا حاصل کرلیں گے اتنا ہی ان کے لیے مفید ہو گا۔

سارے کمیونسٹ سن لیں اور ہمارے وزیر اعلیٰ بھی، اگر وہ خدانخواستہ کمیونسٹ ہیں تو وہ بھی سن لیں کہ پاکستان نے اسلام کی آغوش میں جنم لیا ہے۔ اسلام کی آغوش میں پروان چڑھا ہے۔ اور جب تک یہ زندہ رہے گا اس کی فضاؤں میں صرف اسلام کا پرچم ہی لہرا سکتا ہے۔"

شمارہ دسمبر ۱۹۷۵ء میں رقم طراز ہیں:

"پیپلز پارٹی کے لچھن صاف بتا رہے تھے کہ کھلنڈرے بے فکروں کا یہ طائفہ لیٹیا ڈبو کر رہے گا۔ ان میں نہ حالات کا مزاج پہچاننے کی صلاحیت ہے اور نہ حالات سے نبرد آزما ہونے کی اہلیت ہے۔ تعمیری جدوجہد کے لیے جس متانت اور سنجیدگی کی ضرورت ہے، یہ طائفہ اس سے یکسر بے بہرہ ہے۔ اُجڑے ہوئے چمن کو پھر بہار آشنا کرنا مداریوں کے بس کا روگ نہیں اگر کسی کو اس پارٹی کے بارے میں غلط فہمی تھی بھی تو وہ اس رات دور ہوگئی جس رات لاڑکانہ میں جشنِ عیش و نشاط منایا گیا۔ شراب کے خم کے خم لنڈھائے گئے اور ملک کا عوامی صدر اپنے حواریوں کے ساتھ دنیا بھر کے سفراء کی آنکھوں کے سامنے رنگ رلیاں منانے میں مصروف ہوگیا۔"

(سرِّ دلبراں۔ دسمبر ۱۹۷۵ء)

Marfat.com

اظہارِ وجوہ کا نوٹس

جب مندرجہ بالا "سرِّ دلبراں" جس کا ایک اقتباس ہدیۂ قارئین کیا گیا ہے، حکومت کے اہل کاروں کی نظر سے گزرا تو انھیں اپنا قصرِ اقتدار لرزتا ہوا دکھائی دیا، جس کے نتیجے میں ضیاءالامت کے نام اظہارِ وجوہ کا نوٹس جاری کیا گیا۔ تاریخ پیشی کے موقع پر آپ عدالت میں پہنچے، کچھ دیر انتظار کے بعد متعلقہ افسر کے کیبن میں اپنے موقف کی وضاحت کے لیے آپ کو بلایا گیا۔

افسر : آپ نے اپنے اداریہ میں صدرِ پاکستان پر الزام تراشی کی ہے، کیوں؟

ضیاءالامت : میں نے الزام تراشی نہیں کی بلکہ ایک حقیقت قوم کے سامنے پیش کی ہے۔

افسر : آپ پاکستان کے علماء کی صفِ اوّل میں شمار ہوتے ہیں۔ کیا یہ شرعی لحاظ سے جائز ہے کہ بغیر دیکھے خواہ مخواہ کسی کے بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کیا جائے۔ کیا ان جرائم کے آپ عینی شاہد ہیں جن کا تذکرہ آپ نے اپنی تحریر میں کیا ہے۔

ضیاءالامت : ہر چیز کا ثبوت صرف عینی شہادت پر ہی منحصر نہیں، بلکہ بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کا بغیر عینی مشاہدہ کے بھی علم قطعی ہوتا ہے۔

افسر : یہ کیسے ممکن ہے؟

ضیاءالامت : لندن شہر میں نے دیکھا[1] نہیں۔ اس کی آبادی میں نے گنی نہیں، لیکن کیا میرا

---

[1] اس وقت آپ ابھی لندن نہیں گئے تھے۔

Marfat.com

اسے نہ دیکھنا میرے نزدیک اس کے وجود کی نفی کو مستلزم ہے؟ کیا یہ میں کہہ سکتا ہوں چونکہ میں نے لندن نہیں دیکھا، اس لیے اس کا وجود ہی نہیں۔

افسر : بہرحال آپ ہمارے لیے محترم ہیں۔ حکومتی حلقوں میں آپ کے سرِّ دلبراں کی وجہ سے کافی ہراس ہے۔ آپ محتاط پالیسی اختیار کریں۔

ضیاءالامت : میں جس چیز کو حق سمجھوں گا، اس کا اظہار بہرحال کروں گا۔

افسر : اگر آپ اس طرزِ عمل سے باز نہ آئے تو آپ کے ماہنامہ کا ڈیکلریشن منسوخ کر دیا جائیگا۔

ضیاءالامت : جس دن میں اظہارِ حق نہ کر سکا، اس روز میں خود بخود یہ ماہنامہ بند کر دوں گا۔

تحریک نظامِ مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ۱۹۷۷ئہ کے سلسلہ میں جس دن عدالت نے آپ کو چار ماہ قید بامشقت کی سزا سنائی، عدالت کے سامنے کھڑے ملاقاتیوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ہمیں جیل میں کوئی تکلیف نہیں اور اگر خدانخواستہ کوئی ایسی صورت حال پیش آبھی جائے تو محبت کی راہ میں کانٹے پھولوں سے بھی زیادہ عزیز ہوتے ہیں۔ اب اللہ تعالٰے کی رحمت کے دروازے کھلے ہوتے ہیں۔ ہماری دعاؤں کی پذیرائی ہونے والی ہے۔ اپنے جذبات کو سرد نہ ہونے دینا، کامیابی انشاءاللہ جلد ہی آپ کے قدم چومے گی۔"

آپ نے فرمایا:

"تحریک میں صرف وہی لوگ شامل نہیں جو جیلوں میں ہیں، بلکہ جیلوں سے باہر جو لوگ اس جدوجہد میں مصروف ہیں، ان کا بھی اتنا ہی حصہ ہے۔

Marfat.com

اب بھٹو صاحب کہتے ہیں :

"میں اپنے آپ کو دھاندلی کروانے والے وزیرِ اعظم کے نام سے یاد نہیں کروانا چاہتا۔"

میں اسے کہتا ہوں، تاریخ وہ نہیں جو تیری یا تیرے گماشتوں کی خواہش ہو گی۔ بلکہ تاریخ تو غیر جانب دار حقیقتوں کا نام ہے۔ جس نے تیرے ماتھے پر سیاہی کا بدنما داغ لگا دیا ہے۔ میں تجھے مشورہ دیتا ہوں کہ اس سے زیادہ تم اپنے آپ کو قوم کا قاتل بننے کے لقب سے مشہور ہونے سے باز آ جاؤ۔

نو تاریخ کا واقعہ تاریخِ انسانیت کا بدترین سانحہ ہے۔ تم اسمبلی ہال میں بیٹھے نام نہاد نمائندگان کو خطاب کر رہے تھے۔ تیری فیڈرل سکیورٹی فورس اور ظالم پولیس کے افراد قوم کی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے سروں سے عزت کی چادریں اتار رہے تھے۔ ان پر گولیاں چلائی جا رہی تھیں۔ اور ان کے سینوں کو سنگینوں سے چھلنی کیا جا رہا تھا۔"

آپ نے فرمایا :

"اے بھٹو! ہم تو اس نقصان کی تلافی بھی ساری عمر نہیں کر سکتے جو تو نے پچھلے چھ سالوں میں پاکستانی قوم کو پہنچایا ہے، چہ جائیکہ ہم تجھے ایک بار پھر اپنے اوپر مسلط کر لیں۔ یہاں سارے مبشر حسن اور شیخ رشید نہیں بستے، جن کے ضمیر مردہ ہو چکے ہیں اور جن میں غیرت کی رمق تک بھی باقی نہیں بلکہ یہاں "کرم شاہ" اور اس جیسے ہزاروں دین و ملت کا درد رکھنے والے لوگ موجود ہیں۔"

آپ نے سامعین سے استفسار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا :

Marfat.com

"پاکستان بنانے میں بھٹو کا کوئی حصہ نہیں۔ اور ہم اسے اس بات کی اجازت بھی نہیں دیتے کہ جس گلشن کو ہم نے اپنے خون ناب سے سینچا ہے، اسے ویران کرنے کے لیے ہم تیرے حوالے کر دیں۔"

آپ نے ارشاد فرمایا:

"جب بھٹو برسرِ اقتدار آیا تھا، ہم نے اس وقت بھی چیخ چیخ کر کہا تھا کہ قومیں اپنی تقدیر مداریوں کے حوالے نہیں کیا کرتیں، لیکن قوم نے نادانستہ طور پر یہ عظیم غلطی کی اب وقت ہے، اس بدنما داغ کو اپنی قوم کے وجود سے دھو ڈالیں، یہ تحریک اس وقت تک جاری رہے گی، جب تک کہ ہم پیپلز پارٹی کی ارتھی نکال کر اس کی راکھ کو گنگا کے پانی میں نہ بہا دیں۔ پاکستان کا بچہ بچہ اس سرزمین پاک کی عظمت و ناموس پر قربان ہونے کے لیے تیار ہے۔"

آپ نے فرمایا:

"میں اقتدار کی بات نہیں کرتا۔ اقتصادی بدحالی کی بات نہیں کرتا بلکہ سوال ان اخلاقی قدروں کی تذلیل کا ہے، جن پر ملت کی عظمت کا دار و مدار ہے۔"

آپ نے مزید فرمایا:

"بھٹو کے مقدر میں انتخابی دھاندلیوں کے بارے میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے، اسے اب کوئی طاقت نہیں مٹا سکتی؛ قد جف القلم[1]"

---

[1] قلمِ تقدیر نے اس پر مہر ثبت کر دی ہے۔

Marfat.com

آپ نے ایک اچھے اور صاحبِ بصیرت سیاستدان کی حیثیت سے جو پیشگوئیاں کیں، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ درست ثابت ہوئیں۔ ملک کے بہترین خیر خواہ اور محبِ وطن سیاستدان کی طرح آپ ہمیشہ اتحاد و اتفاق اور باہمی یگانگت پر زور دیتے رہے ہیں تاکہ پاکستان کے تمام مسلمان مل کر اسلام کی سربلندی اور پاکستان کے استحکام کے لیے مفید خدمات انجام دے سکیں اور پاک سرزمین اسلام کے نور سے منور و روشن ہو جائے۔ جہاں ہر شخص امن و سکون کی زندگی بسر کر سکے۔

تصنیفات

کسی نظریۂ حیات کو بقا و دوام صرف اس وقت تک نصیب رہتا ہے جب تک وہ بنی نوع انسان کے لیے فیض رساں اور نفع بخش رہے۔ چونکہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے، جس کی بقا خود ربِ قدّوس نے اپنے ذمہ کرم پر لے رکھی ہے۔ اس لیے وہ ہر زمانہ میں ایسی جلیل القدر ہستیاں پیدا فرماتا ہے جو اس وقت کے تقاضوں کے مطابق اسلامی تعلیمات کو مُدوّن کرتی ہیں۔ بے شک برصغیر پاک و ہند میں اردو زبان میں اسلامی لٹریچر کا ایک بیش بہا خزانہ موجود تھا، لیکن عصری تقاضوں نے جہاں ایک طرف لوگوں کو سہل پسند بنا دیا ہے تو دوسری طرف مادیّت کی یلغار اور روحانیّت کے فقدان نے عقلِ عیّار کو سو بھیس عطا کر رکھے ہیں۔ حضرت ضیا الامت کی باریک بین اور دُور رس نگاہوں نے حالات کے بدلتے ہوئے رُخ کا بروقت جائزہ لیا اور سب سے پہلے منکرینِ سنّت کے ردّ میں اپنی معرکہ الآراء کتاب "سنّت خیر الانام" قوم کے ان نوجوانوں کی خدمت میں پیش کی جو غلام احمد پرویز جیسے نام نہاد مصلح اور تجدد پسند کے دامِ ہمرنگ زمین میں

Marfat.com

گرفتار ہوتے چلے جا رہے تھے۔ حضرت ضیاء الامت کا یہ نظریہ میدانِ عمل میں بالکل سو فی صد صحیح ہے :

"پیاسے کو اپنی پیاس بجھانے کے لیے مشروب کی ضرورت ہوتی ہے اگر آپ اُسے ٹھنڈا اور صاف پانی میسر نہیں کر سکتے تو وہ گدلا پانی پی کر گذارہ کرے گا"

غلام احمد پرویز کے مکدر جوہڑ سے اپنی مذہبی تشنہ کامی کا مداوا کرنے والوں کو جب "سنت خیر الانام" جیسا میٹھا اور شیریں چشمہ دستیاب ہوا تو اس کی تحریروں کی طرف کسی نے دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ ایک وقت تھا جب "فتنۂ انکارِ سنت" انتہائی سرعت کے ساتھ بڑھتا ہوا دکھائی دے رہا تھا، لیکن حضرت ضیاء الامت کی اس مُسکت تصنیف کے بعد ڈھونڈے سے بھی اس کا نام نہیں ملتا ؎

سرورِ علم پاتا ہے جو پی لے ایک جام ان سے
زمانہ سیکھتا ہے سنتِ خیر الانام ان سے

(سید خضر چشتی)

سنتِ خیر الانام حضرت پیر صاحب قبلہ کے بہار آفریں قلم اور گوہر بار کلک کا شاہکار ہے۔ اگرچہ یہ کتاب انھوں نے اس وقت لکھی تھی جب وہ ۱۳۷۳ھ میں جامعہ ازہر، مصر میں زیرِ تعلیم تھے۔ لیکن زورِ بیاں، اسلوب نگارش اور طرزِ استدلال کے لحاظ سے اس کو کسی تامل کے بغیر نہایت اونچے درجے کی علمی کتابوں میں رکھا جا سکتا ہے۔ ہر صحیح العقیدہ مسلمان کا نظریہ ہے :

ے

بمصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
گر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است (اقبال)

یہ کتاب اسی عقیدہ کی ایمان افروز تشریح اور تفسیر ہے۔ فاضل مصنف نے اس کتاب کو بڑی محنت اور تحقیق و تفحص کے ساتھ قلمبند کیا ہے اور قرآن حکیم کے علاوہ تفسیر، حدیث رجالِ حدیث، فقہ و اصولِ فقہ، سیرت و تاریخ اور لغت کی انتالیس بلند پایہ کتب سے استفادہ کیا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ انھوں نے اپنے موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔

فاضل مصنف کا اندازِ نگارش نہایت عالمانہ لیکن بے حد شگفتہ ہے۔ طرز بیاں نہایت شستہ اور دلنشیں، دلائل بڑے واضح اور محکم ہیں۔ درائت و رواۃ اور عقل و نقل ہر اعتبار سے یہ کتاب لاجواب ہے۔ اس میں منکرینِ حدیث کے انکار و دلائل کے بخیئے ادھیڑ کر رکھ دیئے گئے ہیں۔ اس کو پڑھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے اور یہ عقیدہ پختہ سے پختہ تر ہو جاتا ہے کہ اطاعتِ رسول کے بغیر اللہ تعالےٰ کی اطاعت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ (طالب ہاشمی)

ضیاءالقرآن

حضرت ضیاء الامت مدظلہ العالی نے انیس ۱۹ سال کی طویل مدت میں پینتیس ۳۵ سو صفحات پر مشتمل قرآنِ کریم کی تفسیر پانچ جلدوں میں مکمل فرمائی ہے جس کو اردو زبان میں عہدِ حاضر کی بلند ترین تفسیر کہا جا سکتا ہے۔ تفسیر ضیاء القرآن کیا ہے؟ اس کی خصوصیات کیا ہیں؟ اس بارے میں اظہارِ خیال کے لیے ایک طویل کتاب درکار ہے۔ میرے پیشِ نظر اس وقت چونکہ صاحبِ تفسیر کا تعارف ہے۔ اس لیے اس میدان میں آپ کے تبحرِ علمی کا اندازہ

Marfat.com

لگانے کے لیے اجمالی طور پر اس کا جائزہ ہدیۂ قارئین کروں گا۔

ترجمہ کے اوصاف حضرت ضیاالامت کی زبانی

"جو تراجم میری نظر سے گزرے ہیں وہ عموماً دو قسم کے ہیں۔ ایک قسم تحت اللفظ تراجم کی ہے، لیکن ان میں وہ زورِ بیاں مفقود ہے جو قرآن کریم کا طرۂ امتیاز بلکہ روحِ رواں ہے۔ دوسری قسم بامحاورہ تراجم کی ہے۔ ان میں دقت یہ ہے کہ لفظ کہیں ہوتا ہے اور اس کا ترجمہ دو سطر پہلے یا دو سطر بعد درج ہوتا ہے، اور مطالعہ کرنے والا یہ معلوم نہیں کر سکتا کہ میں جو نیچے لکھا ہوا ترجمہ پڑھ رہا ہوں، اس کا تعلق کس کلمہ یا جملہ سے ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ ان دونوں طرزوں کو اس طرح یکجا کر دوں کہ کلام کا تسلسل اور روانی بھی برقرار رہے اور زورِ بیاں میں بھی حتی الامکاں فرق نہ آئے اور ہر کلمہ کا ترجمہ بھی اس کے نیچے مرقوم ہو۔

قرآنِ پاک عربی زبان میں نازل ہوا۔ عربی کا اپنا ادب ہے۔ اس کی فصاحت و بلاغت کا اپنا معیار ہے۔ قواعدِ اشتقاق نے تو اس کے اندر اتنی وسعت پیدا کر دی ہے کہ دنیا کی کوئی ترقی یافتہ زبان بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

عربی زبان میں ایک ایک لفظ کے لیے سینکڑوں مترادف الفاظ ہیں لیکن قرآنِ حکیم کا یہ اعجاز ہے کہ حکمتِ الٰہیہ نے جو لفظ جہاں سمو دیا ہے۔ اس کو ہٹایا نہیں جا سکتا اور نہ ہی اس کی جگہ کوئی مترادف لفظ لایا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

جہاں کہیں بھی کوئی لغوی، نحوی یا صرفی الجھن اور پیچیدگی نظر آئی میں نے کوشش کی ہے کہ آئمۂ فن کے مستند حوالوں اور اقوال سے اس کا حل پیش کر دوں، تاکہ کوئی خلش باقی نہ رہے۔"

(۱) جب میں نے ترجمہ شروع کیا، تو بعض مقامات پر دوسرے مترجمین سے میرا اختلاف ہو گیا۔ اللہ تعالےٰ نے سورہ الفاتحہ میں ارشاد فرمایا: "رب العلمین" اس کا ترجمہ اکثر حضرات نے "پالنے والا" اور "مالک" وغیرہ کے الفاظ سے کیا ہے، لیکن درحقیقت لفظ "رب"، مصدر ہے۔ اس کا معنی ہے: "تربیت" اور تربیت عربی میں کہتے ہیں: تبلیغ الشئ الی کمالہ بحسب استعدادہ الازلی شیئًا فشیئًا (کسی چیز کو اس کی ازلی استعداد اور فطری صلاحیت کے مطابق آہستہ آہستہ مرتبۂ کمال تک پہنچانا)

اس لغوی مفہوم کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اب لفظ "ربّ"، کا ترجمہ کریں تو "پالنے والا"، یا "مالک"، نہیں بلکہ ترجمہ ہوگا: "مرتبۂ کمال تک پہنچانے والا ہے تمام جہانوں کا۔" (خطاب جبیس ہوٹل، کراچی)

(۲) تفسیر ضیا القرآن کے ترجمہ کے اوصاف اور اس کی ایک مثال آپ نے حضرت ضیاء الامت کی زبانی ملاحظہ فرمائی اس کی تائید میں چند مثالیں اور ملاحظہ فرمائیے:

(ا) سورہ الحجرات میں اللہ تبارک وتعالیٰ صحابہ کرامؓ کی صفات بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرماتا ہے: اولٰئک ھم الراشدون ط

عام مترجمین نے اس کا ترجمہ "وہی ہدایت پانے والے ہیں"، وغیرہ کے الفاظ سے کیا ہے، لیکن حضرت ضیا الامت کی فکر رسا لفظ "راشد"، کی گہرائیوں تک جا پہنچی۔

Marfat.com

اور اس لفظ کا مادۂ اشتقاق تلاش کرنے کے بعد اسی کی روشنی میں اس کا ترجمہ کیا۔ قرطبی کے حوالے سے فرماتے ہیں:

الرشد: الاستقامة علی طریق الحق مع تصلب فیه من الرشدۃ وھی الصخرۃ ط

"یعنی رشد، جادۂ حق پر ایسی ثابت قدمی کو کہتے ہیں جس میں تصلب اور پختگی ہو، تذبذب کا وہاں نشان تک نہ ہو۔ یہ رشدہ سے مشتق ہے، جس کا معنی ہے: چٹان"

اب اس لفظی تحقیق کے بعد اولٰئک ھم الراشدون کا ترجمہ حضرت ضیاء الامت کی زبانی ملاحظہ کیجیے۔ فرماتے ہیں:

"یہی لوگ راہِ حق پر ثابت قدم ہیں"

یعنی جس طرح چٹان اپنی جگہ سے نہیں ہلتی، اسی طرح یہ لوگ بھی راہ ہدایت سے دور نہیں ہوتے۔

(ب) انا فتحنا لك فتحا مبینا لیغفر لك اللہ ما تقدم من ذنبك وما تاخر۔

سورہ فتح کی دوسری آیت کا ترجمہ کرتے وقت بعض مترجمین نے مقامِ نبوت کا لحاظ تک نہیں رکھا۔ اور بعض صالح فکر مترجمین نے تقدسِ نبوت اور عصمت رسالت کے اجتماعی عقیدہ کے پیشِ نظر اس آیت طیبہ کے اندر مذکور لفظ "ذنب" کی نسبت ذاتِ پاک محمد مصطفٰی صلے اللہ علیہ وسلم کی بجائے "امت" کی طرف کی ہے۔ اور بعض نے "ذنب" کو خلافِ اولٰی کے معنٰی میں لیا ہے۔ علاوہ ازیں چند تاویلات

Marfat.com

اور بھی کی گئی ہیں، لیکن کلام کے سیاق و سباق کو پیشِ نظر رکھا جائے تو ان میں سے کوئی مفہوم بھی یہاں چسپاں نہیں ہوتا۔

فتح مبین کی غرض و غایت یا اس کا نتیجہ اور انجام مغفرت بتایا گیا ہے لیکن فتح اور مغفرت میں کوئی مناسبت نہیں اس لیے حضرت ضیاء الامت نے اس مقام پر مزید غور و فکر کی ضرورت محسوس کی۔ اور کم و بیش ایک ماہ کی مسلسل تحقیق و تجسس کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچے؛

لفظ "ذنب" بذات خود اپنے اندر بڑی وسعت رکھتا ہے۔ اس کا معنی صرف گناہ نہیں بلکہ قرآنِ کریم کے اندر یہ الزام کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

ولھم علی ذنب فاخاف ان یقتلون ط

ترجمہ: اور ان کی طرف سے مجھ پر الزامِ قتل ہے۔ میں خوف محسوس کرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔

اس لغوی تحقیق کے بعد آپ نے اس آیت کا جو ترجمہ فرمایا ہے وہ یہ ہے:

"یقیناً ہم نے آپ کو شاندار فتح عطا فرمائی ہے تاکہ دور فرما دے آپ کے لیے اللہ تعالےٰ جو الزامات آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے تھے اور جو (ہجرت کے) بعد لگائے گئے۔"

وہ الزامات کیا تھے؟ ان کی فہرست آپ نے حوالہ جات کے ساتھ درج فرمائی ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں، ضیاالقرآن، جلد چہارم)

اس لفظی تحقیق اور پھر ترجمہ میں سیاق و سباق کے ربط نے صاحبِ تفسیر کو باقی مترجمین و

Marfat.com

مفسرین سے ممتاز مقام عطا فرما دیا ہے۔

ترجمہ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے حضرت ضیا الامت نے ارشاد فرمایا تھا:

"میں نے کوشش کی ہے کہ دونوں قسم کے تراجم (تحت اللفظ اور بامحاورہ) کو یکجا کر دوں۔"

اس میں آپ کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں۔ اگر آپ اس کا بالتفصیل جائزہ لینا چاہیں تو ضیاء القرآن کے صفحات ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ اس مقام پر میں صرف چند اہل الرائے حضرات کی نگارشات قلمبند کروں گا۔

"اس تفسیر کی سب سے بڑی خوبی ترجمۂ قرآن ہے۔ ترجمہ کا یہ انداز بے مثل اور بے نظیر ہے اور قرآن پاک کی ایک ایک آیت، ایک ایک لفظ کو سمجھنے کے لیے نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں حق تعالے نے خود حضرت پیر صاحب کی راہنمائی فرمائی ہے اور انہیں ایسا عمدہ اور رواں دواں ترجمہ کرنے کی توفیق ارزانی فرمائی۔ یہ ترجمہ فی الحقیقت بامحاورہ اور تحت اللفظ تراجم کا حسین امتزاج ہے۔" (طالب ہاشمی)

"میں نے بذاتِ خود امامِ اہلِ سنت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے ترجمۂ قرآن کو انگریزی میں ڈھالتے ہوئے ضیا القرآن کے ترجمہ کو بڑے غور سے پڑھا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک ایسا ترجمہ ہے جو سلیس اور بامحاورہ ہونے کے ساتھ ساتھ منشائے الٰہی اور عظمتِ رسالت کا آئینہ دار ہے۔"

(شاہ فرید الحق)

تفسیر ضیا القرآن کے ترجمہ کے بارے میں مذکورہ آراء کو ملاحظہ فرمانے کے بعد اب

Marfat.com

آئیے تفسیر کے بارے میں بھی کچھ باتیں کر لیں۔

"اردو زبان میں اس وقت قرآن کریم کی بہت سی تفسیریں لکھی جا چکی ہیں اور ان میں سے بعض تفسیریں علم و بصیرت کا بیش بہا سرمایہ ہیں۔ زیرِ نظر تفسیر اس عظیم علمی سرمایہ میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ اس کا مطالعہ نہ صرف قرآنی حقائق و معارف کے نئے نئے پہلوؤں سے آگاہ کرتا ہے بلکہ فاضل مفسر کی دقتِ نظر، خیر خواہی۔ امت اور سوزِ دروں کا ثبوت بھی مہیا کرتا ہے۔ قرآنِ کریم کی ایمان افروز تفسیر وہی لکھ سکتا ہے جس کا کتابِ الٰہی پر ایمان و ایقان عشق کے درجہ تک پہنچا ہوا ہو۔

تفسیر کا اندازِ بیان نہایت دلنشیں اور اثر انگیز ہے اور اس کو پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے کہ علم و حکمت کی ایک جوئے رواں ہے جو مسلسل بہہ رہی ہے اور ہر شخص اس سے بقدرِ ظرف استفادہ کر سکتا ہے۔"

(طالب ہاشمی)

"ضیا الامت حضرت العلامہ پیر محمد کرم شاہ صاحب نے ضیا القرآن تصنیف فرما کر نوجوان نسل خصوصاً طلباء پر احسانِ عظیم فرمایا ہے۔ اس سے قبل ہمیں الفاظِ قرآن کی لغوی اور صرفی و نحوی تحقیق کے لیے مفردات امام راغب القاموس، لسان العرب اور المحیط جیسی ضخیم کتبِ لغت کی ورق گردانی کرنا پڑتی تھی، لیکن مصنفِ ضیا القرآن نے ان الفاظ کی تحقیق کر کے اور تفسیر کے ساتھ ان کی فہرست کا اضافہ کر کے ہم طلباء کے لیے آسانی فرما دی ہے۔ لفظی تحقیق کے علاوہ ترجمہ اور تفسیر پڑھنے کے بعد انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ تفسیر

Marfat.com

عمل وعشق کا حسین امتزاج ہے۔ انہی خصوصیات سے متاثر ہو کر ہم نے ضیاء القرآن کو کراچی یونیورسٹی کے شعبۂ اسلامیات کی لائبریری کے لیے منظور کروالیا ہے اور جن طلبائ نے بھی اس کا مطالعہ کیا ہے، وہ بے حد متاثر ہوئے ہیں۔"

محمّد شریف سیالوی

" قرآن کریم ایک ایسی کتاب ہے جس میں ایک طرف تو خدا تعالیٰ کی وحدانیّت کا پتہ چلتا ہے تو دوسری طرف حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت معلوم ہوتی ہے۔ دورِ حاضر کے بعض مفسرین نے عظمتِ رسالت کو ملحوظ نہیں رکھا لیکن تفسیر ضیا القرآن کا یہ طرۂ امتیاز ہے کہ اس میں جہاں دلائل توحید پر بڑی واضح بحثیں ملتی ہیں وہاں عظمتِ رسالت بھی اپنی رعنائی کے ساتھ موجود ہے۔ درحقیقت یہ وہ تفسیر ہے، جس سے صاحب قرآن کی عظمت واضح ہوتی ہے۔ پیر صاحب قابلِ صد مبارکباد ہیں کہ انھوں نے صاحب قرآن کی شخصیت کو اجاگر کرنے کے لیے خود اپنی شخصیت کو اس میں گم کر دیا ہے۔"

شاہ فرید الحق

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ضیا الامت نے اپنی قیمتی زندگی کا ایک طویل عرصہ قرآنِ کریم کی خدمت میں صرف کر کے امتِ مسلمہ کے لیے ایک بیش بہا خزانہ جمع کر دیا ہے۔ ہر قسم کے مسائل خواہ معاشرتی ہوں یا سیاسی، اقتصادی ہوں یا اخلاقی، ان پر سیر حاصل بحث کی ہے اور خصوصی طور پر وہ مسائل جو ملتِ اسلامیہ کے مختلف طبقات کے درمیان وجہ نزاع بنے ہوئے ہیں، ان کے بارے میں مختلف مقامات پر ایسے مثبت اور مدلّل

Marfat.com

مقالات سپردِ قلم کئے ہیں کہ ظن و تشکیک کے غبار سے آلودہ اذہان ان کو پڑھنے کے بعد آسانی کے ساتھ اپنے فکر کی راہ متعین کرسکیں گے۔ حوالہ کے طور پر ملاحظہ کیجئے :

سورہ الاحقاف، آیت نمبر ۹ : مسئلہ علمِ غیب

سورہ مریم، آیت نمبر ۱۱۰ : مسئلہ نور

سورہ بنی اسرائیل، آیت نمبر ۱ : واقعۂ معراج

سورہ النحل، آیت نمبر ۱۵ : وما اھل بہ لغیر اللہ

سورہ الاحزاب، آیت نمبر ۴۵ : مسئلہ حاضر و ناظر

سورہ الروم، آیت نمبر : سماعِ موتیٰ کی مدلل تحقیق

تفسیر ضیاء القرآن کی ایک اور خصوصیت جو میں نے ضیاء القرآن کا ایک ادنیٰ طالب علم ہونے کی حیثیت سے محسوس کی ہے وہ یہ ہے :

بے شک سارا قرآن کریم نعتِ مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے بھرا ہوا ہے، لیکن اکثر مفسرین نے چند مخصوص آیات کے تحت ہی کمالات نبوت کا تذکرہ کیا ہے، جب کہ تفسیر ضیاء القرآن کا یہ طرۂ امتیاز ہے کہ صاحب تفسیر نے متعدد ایسے مقامات پر نعتِ حبیب کبریا صلے اللہ علیہ وسلم کا پہلو نکالا ہے جہاں اکثر مفسرین اس طرف توجہ دیئے بغیر گزر گئے ہیں۔

مثلاً سورہ الاخلاص میں تقریباً تمام مفسرین نے دلائلِ توحید کے انبار لگا دیئے ہیں اور اس سلسلہ میں بڑی واضح اور مبسوط بحثیں رقم فرمائی ہیں، لیکن صاحب ضیاء القرآن نے لفظ " قل " کی تشریح کرتے ہوئے " عظمتِ رسالت " کو توحید کی سب سے بڑی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ لکھتے ہیں :

Marfat.com

"بسا اوقات کمال بھی حجاب بن جایا کرتا ہے۔ کمالات بھی بے شمار ہیں اور ان سے پیدا ہونے والے حجابات بھی انگنت ہیں، کہیں قوت، کہیں علم، کہیں دولت، کہیں اقتدار و حکومت اور کہیں جنگی فتوحات کے نقاب حق کے روئے زیبا کو مستور کر دیتے ہیں۔ ان حجابات کو وہی اُٹھا سکتا ہے، ان نقابوں کو وہی الٹ سکتا ہے جو خود جملہ کمالات سے یوں متصف ہو کہ اس کی نظیر پیش نہ کی جا سکے۔"

اے حبیبؐ! ہم نے آپ کو تمام کمالات کا پیکرِ رعنا بنا کر بھیجا ہے اُٹھیئے اور اپنی صدائے دلنواز سے نخوت و پندار کے ان بُتوں کو ریزہ ریزہ کر دیجئے۔ فرعون نے ملکِ مصر کی حکمرانی سے اپنا دماغی توازن کھو دیا تھا۔ اور خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ تجھے تو میں نے وہ سلطانی عطا فرمائی ہے کہ تیری انگلی کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ اس بے مثال سلطانی کے باوجود اگر تو یہ کہے کہ لا الٰہ الا اللہ، تو کسی حکمران کی یہ مجال نہیں ہو گی کہ وہ اپنی خدائی کا اعلان کر سکے۔ ہم نے تجھے وہ شانِ رفیع عطا فرمائی ہے کہ سب نبی، سب رسول اس کی جلالتِ شان کو دیکھ کر سر بجیب ہیں۔ جب تو یہ کہے گا لا الٰہ الا اللہ کہ میں باایں ہمہ کمال خدا نہیں بلکہ بندہ ہوں تو کسی کو یہ حق نہ پہنچے گا کہ وہ کسی نبی یا رسول کو خدا یقین کرے۔ تیرے علم کا بحرِ بے پیدا کنار کان وما یکون کو محیط ہے۔ تیری نگاہِ رسا اسرار و معارف کی گہرائیوں تک پہنچی ہوئی ہے۔ اس علمِ بے پایاں کے باوجود اگر تو یہ کہے گا کہ میں خدا نہیں بلکہ اس کا بندہ ہوں، جب تیری زبان سے لا الٰہ الا اللہ

Marfat.com

کا اعلان ہوگا تو کسی علامہ دہر اور فاضلِ اجل کو جرأت نہ ہوگی کہ اپنی خدائی کا دم بھر سکے۔

آپ کے جدِّ امجد، میرے خلیل نے لوہے کی گرز سے اپنی قوم کے صنم کدے میں سجے ہوئے بُتوں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اے فرزندِ خلیل! اُٹھئے اور قل ھو اللہ احد کی کہسار شکن ضرب سے افکار و نظریات کے بت کدوں کو پاش پاش کر دیجئے تاکہ اس کے بعد کوئی سلیم الفطرت انسان یہ کہنے کی جرأت نہ کر سکے کہ تیرے خدا کے بغیر بھی کوئی اور خدا ہے۔ تیرے رب کے بغیر بھی اس جہاں کا کوئی اور رب ہے۔ تیرے عزتوں والے، شانوں والے، قوتوں والے، حکمت والے، ہمہ بین اور ہمہ دان پروردگار کے سوا کوئی اور بھی خدا ہے۔ تیرے لبوں سے حق کی صدا نکلے گی، تو زمین کی وسعتیں، فضا کی پہنائیاں، آسمان کی رفعتیں، عرش کی بلندیاں اس صدائے حق سے گونجنے لگیں گی۔"

لطف کی بات یہ ہے کہ جب صاحبِ تفسیرِ نعتِ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی بحث چلاتے ہیں تو ایک وارفتگی کی کیفیت چھلکتی نظر آتی ہے، لیکن کوئی بڑے سے بڑا نقاد یہ کہنے کی جرات نہیں کر سکتا کہ یہ محض عقیدت اور مبالغہ ہے، بلکہ فاضل مصنف اس کی تائید میں لفظی تحقیق اور عقلی و نقلی دلائل کا اتنا حسین گلدستہ پیش کرتے ہیں کہ قاری داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس موضوع پر ایک طویل ترین کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ مقالہ کے اختصار کے پیشِ نظر یہاں میں صرف چند آیات کی طرف بطور استشہاد اشارہ کرنے پر اکتفا کروں گا

Marfat.com

تفصیل کے لیے آپ ضیاء القرآن کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں۔ وہ آیات مندرجہ ذیل ہیں:

انا فتحنا لك فتحا مبينا ۝ ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك
وما تاخر

طٰه ما انزلنا عليك القرآن لتشقى

وما ارسلنك الا رحمة للعلمين

ووجدك ضالا فهدى

انا اعطينك الكوثر

والنجم اذا هوى

سبحان الذى اسرى بعبده.....

حضرت ضیاالامت، صاحبِ طرز ادیب

کوئی نظریۂ حیات خواہ کتنا ہی دلکش اور بنی نوع انسان کے لیے کتنا ہی مفید کیوں نہ ہو، اس وقت تک لوگوں کے دلوں میں جگہ نہیں پا سکتا جب تک کہ اس کو دلآویز پیرایہ میں پیش نہ کیا جائے۔ اگر اس کا اظہار سطحی اور عامیانہ انداز میں کیا جائے، تو اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسا کہ خوبصورت شہزادے کو بوریا کا پھٹا پرانا لباس پہنا دیا گیا ہو۔

حضرت ضیاالامت اس معاملے میں بھی خاصے حساس واقع ہوئے ہیں۔ آپ نے شب و روز کی محنت اور عرق ریزی سے دنیائے ادب میں اتنا کمال پیدا کر لیا ہے کہ بلاشبہ انھیں صاحبِ طرز ادیبوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ اُردو ادب میں بے شک ابوالکلام آزاد، مولانا ظفر علی خان اور شورش کاشمیری کی خدمات کو فراموش نہیں کیا

Marfat.com

جا سکتا، لیکن حضرت ضیا الامت کی تصانیف کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ بامقصد اور جاندار تحریر میں آپ اردو ادب کے صفِ اوّل کے ادیبوں سے بھی چند قدم آگے نکل گئے ہیں۔ آپ کا ہر ہر لفظ ایک واضح پیغام ہے۔ ہر ہر فقرہ سینہ میں نہاں درد کا ترجمان ہے اور جب آپ شدتِ احساس سے مغلوب ہو جاتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ قافلہ ملت کو جگانے کے لیے صدائے جرس کو ہی کافی نہیں سمجھتے بلکہ اس کا دامن پکڑ کر اس کو جھنجھوڑتے نظر آتے ہیں "عصرِ حاضر اور ہماری ذمہ داریاں" کے اندر لکھتے ہیں:

"میں یہ تصور کر کے لرز جاتا تھا۔ مجھے یہ احساس کچھ کرنے پر مجبور کرتا تھا۔ اگر میرا بس چلتا تو ایسا صور پھونکتا کہ سارے سونے والے سنی جاگ اٹھتے۔ اور اگر کوئی سونا چاہتا تو اس کے لیے سونا ناممکن بنا دیتا، اگر میرے مقدور میں ہوتا تو میں ایسی دلدوز چیخ مارتا کہ پتھروں میں شگاف ہو جاتے اور احساسِ زیاں سے سب بے چین و بے قرار ہو جاتے، طوفان بن کر آتا، اور فتنہ و فساد کے شعلوں کو بھسم کر کے رکھ دیتا۔ نسیمِ سحر بن کر چلتا، خوابیدہ غنچوں کو جگاتا، دل گرفتہ عنادل کو گدگداتا اور انھیں حیات آفریں نغموں پر مجبور کر دیتا۔

ضیائے حرم کے "فاروقِ اعظم نمبر" میں لکھتے ہیں:

"ہمارے نوجوان جس ڈگر پر چل رہے ہیں، کیا ہم انھیں چلنے دیں؟ اس خوف سے کہ وہ برہم و برافروختہ نہ ہو جائیں! انھیں خودکشی کے راستے سے نہ روکیں؟

نہیں، میرے دوستو! ہم ایسا نہیں کر سکتے۔

یہ بلوریں جام جس میں زہرِ قاتل گھول دیا گیا ہے اور جسے تم فرطِ شوق سے اپنے لبوں کے قریب لے جا رہے ہو، ہم دیکھیں اور مہر بلب رہیں؟

نہیں، میرے دوستو! ہم ایسا نہیں کر سکتے۔

ریشم کے رنگین تاگوں سے بُنا ہوا یہ نظر فریب جال جس کی طرف تم لپکتے جا رہے ہو، ہم جانیں بھی اور خاموش رہیں؟

نہیں، میرے دوستو! ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ ضیائے حرم ایسا نہیں کر سکتا۔

گلفشانیٔ تحریر کا معجزہ دیکھنا ہو تو ان سطور کو پڑھیے:

خیابانِ ہستی اجڑا پڑا تھا، خزاں کی چیرہ دستیوں سے گلوں کی نکہت افشانیوں اور عنادل کی نغمہ ریزیوں کی یاد تک بھی گلدستۂ طاقِ نسیاں بن چکی تھی، روشیں ویراں تھیں اور آب جوئیں خشک، جہاں کبھی سبزۂ نو دمیدہ جنت نگاہ ہوا کرتا تھا وہاں خاک اُڑ رہی تھی۔ یاس و قنوط کی ایک ہمہ گیر کیفیت طاری تھی کہ فاران کی چوٹیوں سے ایک گھنگھور گھٹا اٹھی، جس کا ہر قطرہ بہار آفریں اور جس کا ہر چھینٹا فردوس بداماں تھا، یہ گھٹا برسی اور خوب دل کھول کر برسی، یہاں تک کہ گلزارِ عالم میں پھر آثارِ حیات نمودار ہونے لگے۔ انسانیت کے پژمردہ چہرہ پر پھر شباب و قوت کی سرمستیاں ظہور پذیر ہونے لگیں۔ خودداری و عزتِ نفس، شجاعت و ایثار کے افسردہ درختوں کی عریاں شاخوں کو از سرِ نو خلعتِ برگ و بار عطا ہوئی۔ قمریوں نے پھر عفتِ قلب و نظر

Marfat.com

کا نغمہ چھیڑا۔ توہمات اور عقائدِ باطلہ کے قفس کی تیلیاں ایک ایک کر کے ٹوٹیں اور ہمائے بشریت کو توحید کی مقدس و مطہر رفعتوں سے بھر دعوتِ پرواز آنے لگی۔ دنیا والوں نے اس شوخ و شنگ اور خیرات و برکات سے بھرپور گھٹا کو مُحَمَّدٌ (بہت ہی تعریف کیا گیا) صلے اللہ علیہ وسلم کے دلنواز نام سے پکارا۔ اور عالمِ بالا کے مکینوں نے اسے احمد (اپنے رب کا سب سے زیادہ ثنا خواں) کہا۔ لیکن حقیقت کی دلفریبیوں سے نقاب اس وقت اٹھا جب اس کے خالق و پروردگار نے اسے اپنی کائنات سے یوں روشناس کرایا:

وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

(سنت خیر الانام صـ ۲۴)

اور بے ساختگیٔ تحریر کا یہ انداز کتنا دلکش ہے!

"نہ سعدی کی شوخی، نہ جامی کا سوز، نہ غزالی کا ذوق و وجدان، نہ خسرو کا دردِ عشق نہ رومی کی ژرف نگاہی، نہ اقبال کی ادائے دلبرانہ اور اندازِ قلندرانہ یہ سراپا نقص اور مدحتِ سید الانبیاء علیہ اطیب التحیۃ والثناء میں زبان کھولنے تو کیسے؟

وادیٔ ایمن کا یہ نخلِ بلند اور اس پر ہوش رُبا تجلیات کا جھرمٹ، یہ بحرِ کرم اور اس کی بے پناہ فیاضیاں، یہ مہرِ عالم افروز اور اس کی نور افشاں کرنیں، یہ مُرقعِ حسنِ ازل اور اس کی عالمگیر دلربائیاں، فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ کا یہ شاہکارِ جمیل، جو اپنی شانِ بندگی میں بے مثال اور اپنی شانِ محبوبی میں

Marfat.com

بے نظیر، جس نے زندگی کو رموزِ زندگی سے آگاہ کر دیا، جس نے انسان کو انسانیت کی خلعتِ زیبا سے نوازا، ایسے محبوبِ دلرُبا کی تعریف اور یہ دل باختہ قلم، اس جمالِ حقیقی کا بیاں اور یہ کج مج زباں، اس پیکرِ جود و سخا کی ثنا، اور یہ شکستہ دل بڑا کٹھن مرحلہ ہے۔

لیکن اگر اس آئینہ حق نما کی توصیف نہ کریں تو کس کی کریں؟ اس سراپا زیبائی کا تذکار حسن نہ ہو تو کیا ہو؟ اللہ رب العزت کے محبوب بندے کے عشق میں گیت نہ گائیں تو کس کے گائیں؟ اس محسن کریم کی ثنا میں زباں زمزمہ سنج نہ ہو تو پھر اس کا مصرف کیا ہے؟ اگر قلم اس کی مدحت میں نغمہ سرا نہ ہو تو آخر وہ کیا کرے؟ عقل اگر اس کی عظمتوں کو خراجِ عقیدت پیش نہ کرے تو کس کی عقیدت کا دم بھرے؟ دل اگر اس کے عشق کا دیپ روشن نہ کرے اور اس کے درد اور سوزِ فراق میں نہ جلے تو اس کی ضرورت کیا ہے؟"

(ضیائے حرم میلاد النبی نمبر)

میں نے ان مندرجہ بالا سطور میں اس ہمہ پہلو شخصیت کے نظریات اور افکار کی ایک ہلکی سی جھلک پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ میرا طائرِ تخیل اپنی تمام تر بلند پروازی کے باوجود بھی ان رفعتوں کی نشاندہی نہیں کر سکا، جہاں میرے ممدوح کا عقابِ ہمت پَر کشا ہے۔ آپ کی سیرت، آپ کا کردار میرے حیطۂ الفاظ سے وراء الوریٰ ہے، لیکن ؎

ایک نکتہ میرے پاس ہے شمشیر کی مانند
بُرّندہ و صیقل زدہ و روشن و براق

Marfat.com

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

(اقبال)

تمت بالخیر

حافظ احمد بخش (ایم اے)
ایم - او - ایل ، (گولڈ میڈلسٹ)
استاذ معاشیات و سیاسیات ،
دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

جولائی ۱۹۸۰ء
بمقام ریسٹ ہاؤس سوڈھی جے والی
وادئ سون سکیسر

نوٹ : یہ مقالہ مندرجہ تاریخ کے مطابق اختتام پذیر ہوا ۱۹۸۲ء میں بوقت اشاعت چند ضروری ترمیمات کی گئیں۔

Marfat.com

Marfat.com

اُسوۂ حسنہ

یہ مقالہ شام ہمدرد کے تحت حضرت

ضیاء الامت

نے فلیٹز ہوٹل لاہور میں پڑھا۔

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے جن برگزیدہ بندوں کو شرفِ نبوت سے سرفراز فرماتا ہے، انھیں یہ مقدس اور اہم ذمہ داری سونپتا ہے کہ وہ انسانوں کی اصلاح کر کے انھیں فلاحِ دارین کی سعادت سے بہرہ ور کریں۔

غور طلب امر یہ ہے کہ اصلاح سے کیا مراد ہے؟ ایک مفلوک الحال انسان کی خالی جھولی کو اگر آپ لعل و گہر سے بھر دیتے ہیں تو آپ نے اس کی مفلوک الحالی کا تو ازالہ کر دیا۔ لیکن یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ آپ نے اس کی اصلاح بھی کر دی ہو سکتا ہے وہ شخص جو غربت کی حالت میں بے ضرر، مرنجاں مرنج قسم کا تھا، اب وہ دولت کے نشہ سے مخمور ہو کر فتنہ و فساد کی آگ بھڑکانے لگے۔ ایک شخص جس کے پاس سر چھپانے کے لیے چھونپڑا تک نہیں، فٹ پاتھ پر پڑا موسم کی چیرہ دستیوں کا ہدف بنا رہا ہو، اگر آپ اس کی باعزت رہائش کا اہتمام فرما دیتے ہیں اور باد و باراں کی بے رحمیوں سے اس کو نجات مل جاتی ہے، تو اس کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ آپ نے اس کی اصلاح بھی کر دی ہے۔ ہو سکتا ہے وہ وہاں بزمِ عیش و طرب آراستہ کرے اور فسق و فجور کے اندھیروں میں اپنے ساتھیوں سمیت غرق ہو جائے۔

Marfat.com

اصلاح کی ایک ہی صورت ہے کہ انسان کے پہلو میں دھڑکنے والا دل سنور جائے۔

جس شخص کا دل سنور جاتا ہے، غربت اور فاقہ کشی اس کے شرف انسانیت کو داغدار نہیں کرسکتی۔ اور دولت کی فراوانی اسے مغرور و متکبر نہیں بنا سکتی۔ اگر وہ بوریا نشین درویش ہے تب بھی کوئی سلطان وقت اس کی عزتِ نفس کو خرید نہیں سکتا۔ اور اگر وہ سریر آرائے سلطنت ہے تب بھی اس سے کوئی ایسی نازیبا حرکت سرزد نہیں ہو سکتی جس کے باعث جبینِ حیا پر شکن پڑے یا عدل و احسان کی نازک اقدار کو کوئی ٹھیس پہنچے۔ ایسے شخص کا علم جہالت کی تاریکیوں سے برسرِ پیکار رہتا ہے۔ اس کی دولت مایوسیوں اور محرومیوں کے گھُپ اندھیروں میں خوشی و شادمانی کا چراغ روشن کرنے میں صرف ہوتی ہے۔ اس کا جاہ و جلال ضعیفوں کی پناہ اور زیردستوں کی دستگیری کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اصلاح یافتہ انسان کو آپ کسی قسم کے حالات سے دوچار کر دیں، اختیار و اقتدار کے اعلیٰ ترین منصب پر آپ اسے فائز کر دیں وہ سراپا خیر ہو گا۔ وہ پیکرِ نور ہو گا، اس کے ظِلّ عاطفت میں جو آئے گا، اسے سکون و قرار نصیب ہو گا وہ جدھر سے گزرے گا، فرحت و انبساط کے خزانے لٹاتا چلا جائے گا۔

اقلیم علم و حکمت کے تاجدار، نفسیاتِ انسانی کے رازداں، سرور کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں اسی حقیقت کو بیان فرمایا ہے:

اِنَّ فِی الْجَسَدِ لَمُضْغَةً	ترجمہ: بے شک جسم میں ایک پارہ
اِنْ صَلُحَتْ صَلُحَ	گوشت ہے اگر وہ درست ہو جائے
الْجَسَدُ کُلُّهٗ وَاِنْ	تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور اگر
فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ	بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے کان

Marfat.com

کُلُّہٗ اَلَا وَہِیَ الْقَلْبُ ۔ کھول کر سن لو وہ پارۂ گوشت "دل" ہے

لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ اصلاحِ قلب کا عمل کیسے پایاں پذیر ہو۔ دل کے نگر میں اصلاح کا نور کیسے فروزاں ہو۔ دل کا قلعہ بڑا مستحکم ہے اس کی فصیل بڑی مضبوط اور اونچی ہے کوئی منجنیق ابھی تک ایسی نہیں جو اپنی سنگباری سے اس کی دیواروں میں شگاف ڈال سکے۔ کوئی سکندر، کوئی سیزر، کوئی نپولین، کوئی ہٹلر اب تک ایسا پیدا نہیں ہوا جو دل کی دنیا میں اپنی فتح یابی کا ڈنکا بجا سکے۔

صرف باتیں خواہ وہ کتنی سچی ہوں، ان کی فصاحت و بلاغت کا معیار خواہ کتنا ہی بلند ہو، باتیں کرنے والے کا لہجہ کتنا سلجھا ہوا ہو، یہ باتیں کانوں سے ٹکرا کر واپس آجاتی ہیں۔ دل کے کان ایسی باتوں کو سننا اور قبول کرنا گوارا نہیں کرتے جب تک قائل کے قول کی تصدیق اس کا عمل نہ کرے، عمل میں جتنا حسن و جمال ہوگا، جتنا سوز و گداز ہوگا، اور جتنی للہیّت ہوگی کشورِ دل میں اس کی فتوحات کا دائرہ اسی قدر وسیع ہوگا۔

جب دنیائے انسانیت میں ہر سو گمراہی کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ظلمات بعضھا فوق بعض، کا دل خراش منظر قیامت ڈھا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت میں جوش آیا اور اس نے نوعِ انسانی کی ہدایت کے لیے قرآن حکیم جیسا صحیفۂ رشد و ہدایت نازل فرمایا، لیکن یوں نہیں ہوا کہ جبریلؑ اس کتابِ مبین کو بارگاہِ ایزدی سے لے آیا ہو اور جبلِ ابی قبیس کی کسی چوٹی پر رکھ دیا ہو، تاکہ اہلِ مکہ اس کو پڑھ کر گمراہی کی دلدل سے باہر نکل آئیں اور شاہراہِ ہدایت پر گامزن ہو جائیں، بلکہ اس دعوتِ حق کو لوگوں کے سامنے پیش کرنے سے پہلے اس دعوت کے داعی کا اہتمام فرمایا گیا۔ من کی دنیا میں حق

Marfat.com

کا پرچم لہرانے کے لیے اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب مکرم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے آغوشِ لطف وکرم میں لے کر پروان چڑھایا، ان کی تادیب وتربیت کا اہتمام کیا۔ ارشاد ربّانی ہے:

اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی۔ (اے حبیب! تیرے ربّ نے تجھے یتیم پایا تو اس نے تجھے اپنے آغوش کرم میں لے لیا۔)

ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے: فَاِنَّکَ بِاَعْیُنِنَا، تو ہماری آنکھوں میں بستا ہے تو ہروقت ہماری نگاہوں کے سامنے ہے، تیری جلوتیں اور خلوتیں، تیرے نالہ ہائے شب کا گداز، تیری دعاؤں کا سوز، تیرے دل دردمند کی بے قراریاں، تیرے دن بھر کی مصروفیات سب ہی کا ہم مشاہدہ بھی کر رہے ہیں اور نگرانی بھی فرما رہے ہیں اور کبھی اسی حقیقت کو نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا:

اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ	میرے پروردگار نے مجھے ادب سکھایا
تَاْدِیْبِیْ	اور ادب سکھانے میں کمال کر دیا۔

اس خصوصی تعلیم وتربیت اور تزکیہ وتجلیہ کے بعد بنی ہاشم کے اس یتیم کو صاحب کتاب بنا کر سارے عالم کی راہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا۔ ارشاد ربّانی ہے:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ، یعنے پیغام حق جاننا چاہو، تو قرآن کریم کا بغور مطالعہ کرو، اور ان تعلیمات کی دلربائیوں کو محسوس پیکر میں جلوہ فگن دیکھنے کے آرزومند ہو تو میرے محبوب کی زندگی کے شب وروز میں مشاہدہ کرو۔ جس سچائی کا بیان فرقانِ حمید کی آیات وکلمات کر رہے ہیں۔ تم اس کا زندہ نمونہ ذات پاک مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء میں ملاحظہ کرو گے۔ کتاب میں جو کچھ پڑھو گے یہاں ہوبہو اس کو دیکھ لو گے۔ سرِمو

Marfat.com

بھی تفاوت نہیں پاؤ گے۔

فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِيْرٌ

غور سے دیکھو، کیا یہاں تمھیں کوئی شگاف نظر آ رہا ہے۔ ایک بار نہیں بار بار دیکھو تمھاری نگاہیں تکتے تکتے درماندہ ہو کر لوٹ جائیں گی، لیکن تمھیں وہاں کوئی نقص یا خامی دکھائی نہیں دے گی۔

اسی لیے جب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کسی نے حضورؐ کے خلق کے بارے میں استفسار کیا، تو حضرت صدیقہؓ نے فرمایا: كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰن، یعنی حضور کا خلق بعینہٖ قرآن تھا: اتنا جامع اور مختصر جواب صدیق اکبرؓ کی لختِ جگر جنابِ صدیقہ ہی دے سکتی ہیں۔

گزشتہ آیات پر ایک مرتبہ پھر غور فرمائیے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ اس کا لفظی ترجمہ ہے: بے شک تمھارے لیے اللہ تعالیٰ کے رسول کی زندگی میں اسوۂ حسنہ ہے۔

اُسوۃ کا معنی ہے: نمونہ۔ یہاں صرف اُسوۃ نہیں فرمایا، بلکہ اس کو ایک صفت سے موصوف کیا۔ عربی لغت میں متعدد الفاظ ہیں جو اُسوہ کی صفت بن سکتے ہیں مثلاً: اُسْوَةٌ كَامِلَةٌ، اُسْوَةٌ سَامِيَةٌ بھی کہا جا سکتا تھا، لیکن علیم و حکیم خدا نے اپنے رسول کے اُسوۃ کی توصیف کے لیے جو وصف منتخب فرمایا، وہ حَسَنَةٌ ہے اور حَسَنَةٌ کا معنی ہے، ذَاتِ حُسْنٍ یعنی حسن و جمال والا۔ اس طرح اس حقیقت کو واضح کیا کہ میرے حبیب کا عمل عام نوعیت کا نمونہ نہیں، بلکہ ایسا نمونہ ہے جس میں حُسن ہے

Marfat.com

جس میں جمال ہے۔ جس کی رعنائیوں اور زیبائیوں کے سامنے دلوں کے قفل ٹوٹ کر گرتے چلے جاتے ہیں، جس کی اداؤں کے تاؤ سے مخالفت کی چٹانیں پگھل جاتی ہیں۔

اس تعبیر میں حکمت یہ ہے کہ دل صرف سلطانِ حسن کا حلقہ بگوش اور باجگزار رہتا ہے اس کا سرِ پندار فقط محبوب کی دلفریب اداؤں کے سامنے جھکنا جانتا ہے اور سیرتِ مصطفوی ﷺ میں حسن اپنی تمام جلوہ سامانیوں، اپنی ساری زیبائیوں اور رعنائیوں کے ساتھ سمٹ کر آگیا ہے۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ حسن کے اَن گنت روپ ہیں۔ رُخِ زیبا، قامتِ بالا، چشمِ غزالیں کے علاوہ راست بازی، ثابت قدمی، شجاعت، سخاوت یہ سب حسن کے جلوے ہیں، جو یہاں اپنے پورے شباب پر دکھائی دیتے ہیں۔ حسن کی کسی ادا کا کوئی دلدادہ ہو اور اس کے کسی روپ کا کوئی قدر داں ہو، جب بارگاہِ جمالِ مصطفوی میں باریاب ہوتا ہے تو از خود رفتہ ہو کر یہ نعرہ بلند کرتا ہے ؎

گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر
ہوش و خرد شکار کر قلب و نظر شکار کر

اسی کوچہ میں آکر دل کی دنیا بدل جاتی ہے۔ خوب و زشت کا معیار بدل جاتا ہے سود و زیاں کا تصور بدل جاتا ہے پھر دعوتِ حق نہاں خانہ دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے اور انسان بڑے ذوق و شوق سے یوں گنگنانے لگتا ہے ؎

اَتَانِیْ هَوَاهَا قَبْلَ اَنْ اَعْرِفَ الْهَوٰی
فَصَادَفَ قَلْبًا خَالِیًا فَتَمَكَّنَا

ترجمہ: اس کی محبت آئی اور اس وقت آئی جب مجھے محبت کا مفہوم ہی معلوم نہ تھا اس نے میرے دل کو خالی پایا اور اس پر اپنا تسلط جما لیا۔

Marfat.com

یہی وجہ ہے کہ بارگاہِ مصطفےٰ سے فیض یاب ہونے والوں میں ہمیں عربی بھی ملتے ہیں اور عجمی بھی، کریم اور شجاع بھی ہمیں ملتے ہیں اور ضعیف و ناتواں بھی، دولت مند بھی ملتے ہیں اور فقیر و نادار بھی۔ جس کسی میں حسن کے کسی پہلو کے لیے کشش ہوتی ہے وہ یہاں آکر سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے۔ نگاہِ حقیقت شناس، حضورؐ کے صحابہ کرام کی سیرت کے آئینوں میں جمالِ یار کا عکس جمیل عیاں دیکھتی ہے، حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چشمۂ فیض سے سیراب ہونے والوں میں نبوت کا رنگ جھلکتا ہوا صاف نظر آتا ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ نمونہ جتنا خوب صورت اور دلکش ہے اسی قدر وسیع اور کشادہ بھی ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے لیے اس میں پروگرام نہ ہو۔ انسانیت کا کوئی روگ ایسا نہیں جس کے لیے اس میں تریاق نہ ہو۔ نہ در تہ ظلمتوں کو کافور کرنا اس کا خاصہ ہے۔ اس کی برکت سے آلائشیں دور ہوتی ہیں، روح کو پاکیزگی اور دل کو طہارت نصیب ہوتی ہے۔ سیرت و کردار میں وہ استواری اور ثبات نمایاں ہوتا ہے، جسے پھر کوئی زلزلہ اپنی جگہ سے جنبش نہیں دے سکتا۔ عبادات، معاملات، تہذیب و تمدن، معاشیات و معاشرت الغرض کوئی میدان ہو، اسوۂ حسنہ کا ابرِ رحمت ان پر سایہ فگن ہوتا ہے۔ اور اپنی رم جھم سے موت کی نیند سوئی ہوئی صلاحیتوں کو بیدار کرتا ہے۔ ان کی نشو و نما کرتا ہے اور زندگی کے دامن کو سوز و نشاط سے لبریز کر دیتا ہے۔

میرے لیے یہ تو ممکن نہیں کہ اس مختصر صحبت میں میں حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے تمام پہلوؤں کا اختصار کے ساتھ ہی تذکرہ کر سکوں۔ البتہ اس گلشن حکمت کے ایک دو گلہائے رنگین پیش خدمت کرنے کی سعادت ضرور حاصل کروں گا۔ یہ واقعات ہیں تو بالکل سادہ، لیکن ان کی تاثیر سے عرب کے گنوار صحرا نشینوں کے

Marfat.com

دل کی دنیا میں ایک تلاطم برپا ہو گیا۔ اور ان میں ایک عظیم انقلاب رونما ہوا۔

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ سفر سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ راستہ میں پڑاؤ ہوا۔ مختلف حضرات کو مختلف ذمہ داریاں سونپ دی گئیں۔ کوئی خیمے نصب کر رہا ہے کوئی سواری کے جانوروں کے چارہ کا انتظام کر رہا ہے۔ کوئی پانی بھر کر لا رہا ہے۔ کوئی آٹا گوندھ رہا ہے۔ سب اپنے اپنے کام میں لگے ہوتے ہیں حضورؐ چپکے سے وہاں سے اٹھ کر کہیں چلے جاتے ہیں۔ صحابہ کرام کچھ دیر بعد حضور کو اپنے درمیان نہ پا کر بے چین ہو جاتے ہیں متجسس نگاہیں چارسو تلاشِ حبیب میں سرگرداں ہیں، جیسے جیسے تاخیر ہوتی جاتی ہے، بے چینی اور اضطراب بڑھتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ صحابہ کرام کو دور سے ایک نورانی پیکر نظر آتا ہے اور جب قریب ہوتے ہیں تو یہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ جاتے ہیں کہ ان کا آقا و مرشد جنگل سے لکڑیاں چن کر ان کا گٹھہ بنا کر اپنے سر پر اٹھائے ہوئے لا رہا ہے۔ صحابہ کرام عرض کرتے ہیں؛ یَا رَسُوْلَ اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم، حضور نے یہ زحمت کیوں گوارا کی؟ ہم غلام اس خدمت کے لیے کیا کافی نہ تھے؟ حضور صلے اللہ علیہ وسلم بڑی سادگی سے فرماتے ہیں۔

"تم سب کام کر رہے تھے، میں نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ خود معتبر بن کر بیٹھا رہوں۔"

صحابہ کرام جو اس نورانی منظر کو دیکھ کر پہلے ہی مسحور ہو چکے تھے۔ یہ بے تکلفانہ جواب سن کر ان کے ایمان و یقین کو نئے بال و پر نصیب ہو گئے۔

میدانِ خندق کا یہ واقعہ کسے معلوم نہیں کہ اگر صحابہ کرام خندق کھودنے میں مصروف ہیں، تو ان کا نبی مکرم صلے اللہ علیہ وسلم بھی ہاتھ میں کدال لیے کبھی پتھریلی

Marfat.com

زمین کو کھود رہا ہے اور کبھی مٹی سے بھری ہوئی ٹوکری اپنے سراپا یمن وسعادت سر پہ اٹھائے باہر پھینک رہا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عملی زندگی کی یہی دل فریبیاں تھیں جنھوں نے عرب کے بدوؤں کو اسلام کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ آج بھی اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کی دعوت کو پذیرائی نصیب ہو اور یہ پیغام حق دلوں کی دنیا میں ہل چل پیدا کر دے تو اس کی صرف یہی صورت ہے کہ قرآن کی تعلیمات کے حسین خد و خال کو سیرت مصطفوی کے شفاف آئینہ میں لوگوں کو دکھایا جائے تاکہ جمالِ حق کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور اس کی فطرت کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیں۔ جب تک ہم حضور کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کو لوگوں کے سامنے اجاگر نہیں کریں گے۔ ہم نہ اپنے فریضۂ تبلیغ سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں اور نہ اپنی بات کو لوگوں سے منوا سکتے ہیں، نوعِ انسانی کو دینِ اسلام کی جس قدر آج ضرورت ہے اتنی شاید پہلے کبھی نہ تھی۔ ترقی یافتہ قومیں اپنے تمدن اور ثقافت سے مایوس ہو چکی ہیں۔ انھیں ضرورت ہے کہ وہ اسلام کے چشمۂ شیریں سے اپنی پیاس بجھائیں، اس لیے ہر وہ شخص جس کے دل میں انسانیت کے لیے درد ہے، جو اپنے بھائیوں کی ضلالت و گمراہی پر پیچ و تاب کھاتا رہتا ہے جس کو نبیٔ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور دعوت کے کامل و مکمل ہونے کا یقینِ محکم ہے، اس کا یہ خوشگوار فریضہ ہے کہ ان اندھیروں میں بھٹکنے والی مخلوق کی راہنمائی کے لیے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو بڑے مدلّل اور دلکش انداز میں پیش کرے۔

Marfat.com

Marfat.com

حضور نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم

بحیثیّت

معلّمِ اخلاق

۱۱ر فروری ۱۹۷۹ء کو نیو کیمپس (پنجاب یونیورسٹی لاہور) میں
منعقد ہونے والی عظیم الشان "بین الاقوامی سیرت کانفرنس"
میں پڑھا جانے والا ایک اہم مقالہ

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی حبیبہ محمد خاتم الانبیاء والمرسلین الذی ارسل الی کافۃ النّاس بشیرا ونذیراً وعلی اٰلہٖ واصحابہ ومن تبعہ الی یوم الدین۔ اما بعد! فقال اللہ تعالیٰ یاایہا النبی انا ارسلنٰک شاھدا ومبشرا ونذیرا وداعیًا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرًا ط

صدرِ محترم اور معزز خواتین و حضرات!

جس شب برصغیر کے طول و عرض میں بسنے والے فرزندانِ اسلام کو بارگاہ ربّ ذوالجلال سے پاکستان کا انعام مرحمت ہوا تھا، وہ رمضان المبارک کی ستائیسویں رات تھی یعنی نزولِ قرآن کی سعادتوں اور برکتوں سے معمور رات جسے لیلۃ القدر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جس صبح کو تخلیق پاکستان کے مقصدِ جلیل کی تکمیل ہو رہی ہے، وہ ۱۲ ربیع الاوّل کی صبح سعید ہے، یعنی صاحبِ قرآن صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے

Marfat.com

میلادِ پاک کی صبحِ ارجمند۔

یہ محض اتفاق نہیں بلکہ تقدیروں کے خالق اور شئونِ کائنات کے رب کا فیصلہ ہے کہ دو گراں قدر انعام ان مبارک ساعتوں میں بخشے جائیں۔ اس فیصلہ میں بڑی حکمتیں ہیں جو اہلِ دل کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں اور یہ بھی علیم و حکیم خدا کی تقسیم ہے کہ تخلیقِ پاکستان کا اعزاز قائدِ اعظم کو بخشا اور مقاصدِ پاکستان کی تکمیل یعنی نظامِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کے نفاذ کے اعلان کی سعادت جناب جنرل محمد ضیا الحق کو نصیب ہوئی۔

ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ط

مجھے فرمایا گیا کہ میں "نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام بحیثیت معلمِ اخلاق" کے عنوان پر بارگاہِ حسن و جمال اور عظمت و کمال میں اپنے دلِ نیازمند کی طرف سے عقیدت و محبت کے چند پھول پیش کروں۔ میرے لیے یہ بہت بڑا شرف ہے جنھوں نے مجھے یہ موقع بخشا ہے، میں ان کے لیے سراپا سپاس ہوں۔

خواتین و حضرات! یہ جہانِ رنگ و بو جلوہ گاہِ حیات ہے۔ زندگی کی بوقلموں رنگینیوں کے باعث یہ جہاں آباد ہے۔ گو نباتاتی اور حیوانی زندگی میں بھی رنگینیوں کے بڑے دلکش اور دلربا مینا بازار سجے ہوئے ہیں، لیکن انسانی زندگی میں جو رعنائیاں اور ندرت آفرینیاں ہیں۔ یہاں تخلیقی قوتوں کے جو سمندر موجزن ہیں۔ وہ کسی دوسری جگہ نظر نہیں آتے۔ یہ انسان ہی ہے جس کو خلعتِ وجود بخشنے کے بعد اس کے خالق نے فرمایا:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ط

اس قدرت و طاقت والے نے عرش و فرش، کائنات کی لامتناہی وسعتوں کو

Marfat.com

لفظ کُنْ سے پیدا کیا، لیکن آدمِ خاکی کی آفرینش کا ذکر کیا تو فرمایا:

خَلَقْتُہٗ بِیَدَیَّ میں نے اسے اپنی قدرت کے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا۔

علم اور عمل، فکر اور تخلیق، تدبیر اور تعمیر کی جو بے پناہ صلاحیتیں اس پیکرِ خاکی میں ودیعت فرمائیں، ان کا تذکرہ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ کے معنی خیز الفاظ سے کیا۔ اللہ تعالےٰ کی صفات حکمت، علم اور قدرت کا یہ شاہکار سب سے الگ تھلگ انفرادی زندگی بسر کرے، خلاّقِ عالم کو یہ گوارا نہ ہوا۔ اگر وہ عزلت اختیار کرتا تو وہ بے پایاں صلاحیتیں بے مصرف ہو جاتیں۔ اس چشمۂ حیواں سے کوئی تشنہ لب اگر سیراب نہ ہوتا تو اس کے حیات بخش اثرات کا کسے علم ہوتا۔ ان صفات کے ودیعت فرمانے والے کے حضور فرطِ عقیدت سے جبینِ نیاز کون جھکاتا۔ حکمتِ الٰہی کا تقاضا تھا کہ انسان اجتماعی اور معاشرتی زندگی بسر کرے اور اپنے فکر و نظر کے چراغ روشن کر کے شبستانِ وجود کو منوّر بھی کرے، وہ ماں باپ کا بیٹا بھی ہو اور اپنے بیٹے بیٹیوں کا باپ بھی۔ اس کے خاندان کے افراد اس کے لیے تقویت کا باعث ہوں، ضرورت کے وقت وہ ان کا سہارا بنے۔ حتیٰ کہ اس کے تعلقات کا حلقہ سارے ملک اور ساری قوم کو اپنے احاطہ میں لے لے۔ ان معاشرتی تعلقات کے باعث حقوق و فرائض کا معرضِ وجود میں آنا ناگزیر ہے۔ معاشرہ کا ہر فرد جب تک اپنے فرائض پوری ذمہ داری سے ادا نہیں کرے گا۔ نیز جب تک اسے اپنے حقوق کی بازیابی کا یقین نہ ہوگا، اس وقت تک صحت مند معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا۔ اس لیے حقوق و فرائض میں اعتدال اور توازن برقرار رکھنا اہم اور بنیادی ضرورت ہے۔ اس کی دو ہی صورتیں ہیں یا تو قانون کی

Marfat.com

طاقت سے اس توازن کو برقرار رکھا جائے، اور جو شخص بھی اس توازن کو بگاڑنے کا مرتکب ہو اس کی سرکوبی کر دی جائے۔ اور یا اس کی اخلاقی قوتوں کو بیدار کیا جائے۔ اور ایسے خطوط پر ان کی نشو و نما کر دی جائے کہ پھر ہر قسم کے حالات میں وہ راہِ اعتدال پر ثابت قدمی سے چلتا رہے۔ قانون کی عملداری انسانی زندگی کے صرف چند گوشوں پر ہے، انسانی زندگی کے بہت سے ایسے گوشے ہیں، جہاں قانون کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔ نیز ہر کام اگر قانون کے زور سے کرایا جائے تو خلوص و ایثار اور محبت و پیار کے غنچے کھل کر پھول نہیں بن سکیں گے۔ اسلام نے حقوق و فرائض میں توازن پیدا کرنے اور پھر اسے برقرار رکھنے کے لیے اور معاشرہ کو ہر قسم کی بے راہروی سے بچانے کے لیے اخلاقی تربیت پر اسی لیے بہت زیادہ توجہ دی ہے۔

اس سے قبل کہ میں "حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام بحیثیتِ معلمِ اخلاق" کے عنوان پر اظہارِ خیال کروں، مناسب سمجھتا ہوں کہ لفظ خلق کی تشریح کر دوں تاکہ کسی قسم کا ابہام نہ رہے۔ علامہ ابن منظور، لغت کی مشہور کتاب "لسان العرب" میں لکھتے ہیں:

اَلْخُلُقُ وَالْخُلُقُ: السَّجِيَّةُ	ترجمہ: یعنی خُلق اور خُلُق کا معنی فطرت
وَهُوَ الدِّيْنُ وَالطَّبْعُ وَ	اور طبیعت ہے۔ انسان کی باطنی
السَّجِيَّةُ وَحَقِيْقَتُهُ اَنَّهُ	صورت کو معہ اس کے اوصاف اور
لِصُوْرَةِ الْاِنْسَانِ الْبَاطِنَةُ وَ	مخصوص معانی کو خلق کہتے ہیں جس
هِيَ نَفْسُهُ وَاَوْصَافُهَا وَمَعَانِيْهَا	طرح اس کی ظاہری شکل و صورت کو
المختصة بِمَنْزِلَةِ الْخَلْقِ	خلق کہا جاتا ہے۔ (لسان العرب)

Marfat.com

لِصُوْرَةِ الظَّاهِرَةِ وَ اَوْصَافِهَا (لسان العرب)
وَمَعَانِيْهَا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ جو دانشِ ایمانی اور دانشِ برہانی دونوں سے مالا مال ہیں، جو حکمت و فلسفہ کے علاوہ نفسیاتِ انسانی کے بھی ماہر ہیں، خُلق کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فَالْخُلُقُ عِبَارَۃٌ عَنْ ھَیْئَۃٍ فِی النَّفْسِ رَاسِخَۃٍ، عَنْھَا تَصْدُرُ الْاَفْعَالُ بِسُھُوْلَۃٍ وَیُسْرٍ مِنْ غَیْرِ حَاجَۃٍ اِلٰی فِکْرٍ وَ رُؤْیَۃٍ۔ (احیاء العلوم)

ترجمہ: یعنی خلق نفس کی اس راسخ کیفیت کا نام ہے، جس کے باعث اعمال بڑی سہولت اور آسانی سے صادر ہوتے ہیں۔ ان کے ظاہر کرنے کے لیے سوچ و بچار کے تکلف کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ وہ اعمال جو کسی سے اتفاقاً صادر ہوتے ہیں یا کسی وقتی جذبہ اور عارضی جوش سے ان کا ظہور ہوتا ہے وہ خواہ کتنے ہی اعلیٰ اور عمدہ ہوں انھیں خلق نہیں کہا جائے گا۔

خلق کا اطلاق انھیں خصال و عادات پر ہو گا جو پختہ ہوں، جن کی جڑیں قلب و روح میں بہت گہری ہوں، انھیں غیر متزلزل اور پختہ صفات پر کامیاب زندگی کا محل تعمیر کیا سکتا ہے۔ انھی پر اعتماد کرتے ہوئے قومی ترقی اور اصلاح کے منصوبے بنائے جاتے ہیں اور ان پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ کسی ترنگ میں آ کر اگر کوئی شخص غریبوں اور محتاجوں کی امداد کے لیے اپنے خزانوں کے منہ کھول دے، تو ہم اسے سخی نہیں کہیں گے

Marfat.com

جو شخص کسی وقتی جوش کے تحت اپنے دشمن پر حملہ کر کے اسے مار گرائے، اسے ہم شجاع نہیں کہیں گے، اس سے یہ توقع عبث ہے کہ جب بھی اسے میدانِ جہاد میں سر بکف آنے کی دعوت دی جائے گی تو وہ اسے قبول کرے گا۔

اس لیے نیک اور عمدہ افعال کو پیدا کرنا پھر ان کو اس طرح پختہ اور استوار کرنا کہ ان سے مطلوبہ اعمال کا ظہور اس طرح بے تکلفی سے ہو، جس طرح چشمہ سے پانی ابلتا ہے یا آنکھ اپنے گرد و پیش کو دیکھتی ہے یا کان آواز سنتے ہیں۔ یہ کیفیت افراد و اقوام کی صحت مند ترقی کے لیے جس قدر اہم اور ضروری ہے، اسی قدر مشکل اور کٹھن بھی ہے۔ اس کٹھن اور خطرناک مہم کو سر کرنے کے لیے حکما، اور فلاسفہ نے بڑی کوششیں کیں، لیکن ان کے باہمی اختلافات اور ان کی نظریاتی کش مکش نے ان کی محنت کو بے ثمر کر دیا ہے۔

وہ یہ طے نہ کر سکے کہ خیر و شر کا معیار کیا ہے؟ ابیی نور اور اس کے ساتھی لذت و الم کو خیر و شر کا معیار ثابت کرنے میں اپنی ذہنی قابلیتیں کھپاتے رہے، ان کے معتقدات کے معبد میں مدتوں، لذت کے صنم کی پرستش بڑی دھوم دھام سے ہوتی رہی۔ زینو، جو ایک مستقل مکتبۂ فکر (مدرسہ رواقیہ) کا مؤسس تھا۔ اس نے اس کے برعکس نفس کشی، اور لذات سے کلّی اجتناب کو خیر کا سرچشمہ قرار دیا۔ افلاطون استاد ہے، اور ارسطو شاگرد۔ اقلیم دانش و حکمت کے دونوں تاجور ہیں۔ دونوں کی عبقریت شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ دونوں کا زمانہ بھی ایک ہے، لیکن یہ دونوں بھی متفقہ طور پر فیصلہ نہ کر سکے کہ خیر و شر کا معیار کیا ہے؟ استاد مثل علیا اور غیر محسوس جہاں کے طواف میں سرگرداں ہے اور اس کا شاگرد ارسطو عالمِ محسوسات سے باہر قدم رکھنا پسند نہیں کرتا۔

یہ ذہنی خلفشار صرف اس زمانہ کی خصوصیت نہیں، جب کہ حکمت و فلسفہ اپنے

ابتدائی مراحل میں تھے، بلکہ آج بھی جب کہ فکرِ انسانی کی یلغار سے خلاء میں کہرام برپا ہے، بے یقینی کی وہی کیفیت ہے۔ ہربرٹ سپنسر، جان لوک اور ہیگل وغیرہ جن فلسفیوں نے علمِ اخلاق کے موضوع پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ ان کی گنجلک تحریریں پڑھ کر آپ کا سر چکرانے لگے گا۔ انھوں نے روحوں کو اضطراب، دلوں کو بے چینی اور عقلوں کو بے یقینی کے سوا کچھ نہیں دیا۔ انھوں نے کسی ایسی راہ کی نشاندہی نہیں کی جو مسافر کو منزل تک پہنچا دے۔ البتہ انھوں نے آبلہ پا راہروؤں کے راستہ میں تشکیک کے کانٹے بڑی کثرت سے بکھیرے ہیں یقین کی ٹمٹماتی ہوئی شمع جس کی مدھم لَو میں اُفتاں وخیزاں وہ سوئے منزل رواں تھے، وہ بھی بجھ گئی۔ ترجمانِ حقیقت حضرت اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

ہیگل کا صدف گہر سے خالی
ہے اس کا طلسم سب خیالی
انجامِ خرد ہے بے حضوری
ہے فلسفہ زندگی سے دوری
افکار کے نغمہ ہائے بے صورت
ہیں ذوقِ عمل کے واسطے موت

ان کو اپنا راہبر بنانے والوں پر قیامت ٹوٹ پڑتی ہے۔ جب پردہ اٹھتا ہے، اور وہ اپنے ممدوح کو اس کے صحیح روپ میں دیکھتے ہیں، وہ فضائل، وہ خصائلِ حمیدہ وہ اخلاقِ عالیہ جن کی تعریف میں اس نے صدہا ورق سیاہ کئے تھے، اس کی عملی زندگی میں توازن کا نام ونشان تک نہیں، بلکہ وہ تو رزائل کی دلدل میں کمر تک

Marfat.com

دھنسا ہوا ہے۔

ان کے علاوہ دوسرا گروہ جس نے اپنی قوم کے اخلاق کو درست کرنے کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں، وہ انبیاء کرام کا گروہ تھا۔ ان کی باتیں سادہ اور واضح تھیں۔ ان کی تعلیمات میں الجھاؤ اور التباس نہیں تھا۔ ان کے ہاں پیچیدہ علمی اصطلاحات کی بھرمار نہیں تھی، بلکہ ان کے ارشادات عام فہم اور دلوں میں گھر کر جانے والے تھے۔ انھوں نے خیر و شر کا معیار لذّت والم، نفس پرستی یا نفس کشی کو قرار نہیں دیا، انھوں نے اخلاقِ حسنہ کی غرض و غایت بیان کرنے کے لیے سعادت مسرت، قوت، غلبہ کے مُبہم الفاظ استعمال نہیں کیے، تاکہ ان کا شارح حسبِ منشا ان کو معانی کا لباس پہناتا رہے، بلکہ اس کد و کاوش اور جد جہد کی غرض و غایت رضائے الٰہی کو قرار دے کر ان تمام فکری الجھنوں کو ختم کر دیا۔

اس سے بھی زیادہ جس چیز نے گروہِ انبیاء کی تعلیمات کو قبول عام بخشا اور ان کے لیے دلوں کے دریچے کھول دیئے۔ وہ ان نفوسِ قدسیہ کے قول و عمل کی ہم آہنگی اور یکسانیت تھی۔ وہ دوسروں کو جس کام کے کرنے کا حکم دیتے تھے، پہلے خود اس پر کاربند ہوتے۔ مزید یہ کہ ان کے یہ اعمال کسی ذاتی غرض اور منفعت سے وابستہ نہ تھے ان کے اقوال کی دل نشینی، ان کے اعمال کا بانکپن اور ان کے خلوص کی مہک نے ان لوگوں کی کایا پلٹ دی، جن کو ان کی صحبت کا فیضان نصیب ہوا۔

لیکن انبیاء سابقین کا دائرہ کار محدود تھا۔ ان کی بعثت کا مقصد کسی ایک قوم کی یا کسی ایک ملک کے باشندوں کی اصلاح تھا اور وہ بھی محدود وقت تک کے لیے۔ بارگاہِ الٰہی سے یہ شرف اور یہ اعزاز فقط عبد مکرم، رسول معظّم

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارزانی ہوا کہ آپ کی رسالت ہر اسود و احمر، عربی و عجمی، شرقی و غربی کے لیے تھی۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا۔	اے حبیب مکرم! ہم نے آپ کو تمام اولادِ آدمؑ کی طرف بشیر و نذیر بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔

آپ اللہ تعالےٰ کے آخری نبی ہیں۔ آپ کا آفتابِ نبوت تا قیامت نور افشانی کے لیے طلوع ہوا ہے۔

اصلاحِ اخلاق کا فریضہ جو ہر نبی نے اپنے مقام اور حیثیت کے مطابق انجام دیا۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے آپ کو وقف فرما دیا ہے۔ ارشاد ہے:

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ۔	مجھے اس لیے مبعوث کیا گیا ہے کہ میں مکارمِ اخلاق کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دوں۔

تکمیلِ اخلاق کا یہ فریضہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جس حُسن و خوبی سے انجام دیا۔ اس کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل امور پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

(۱) اخلاقی تعلیم کی جامعیّت

(۲) اندازِ تعلیم

(۳) معلم کی شخصیت

سابقہ انبیاء کرام کی تعلیمات جو ہم تک پہنچی ہیں۔ ان سے صرف زندگی کے چند

Marfat.com

گوشوں میں راہنمائی ملتی ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام ہمیں مصائب و امراض میں صبر و استقامت کی ایک چٹان نظر آتے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے کے فراق میں آنسوؤں کی لڑیاں پروئے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ حضرت موسےٰ علیہ السلام کی شریعت میں شدت اور سختی کا عنصر غالب ہے۔ اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کوہِ زیتون پر کھڑے اپنے سامعین کو عفو و درگزر اور رحمت و شفقت کی تلقین کرتے سنائی دیتے ہیں۔ زندگی کے ایسے گوشے بھی ہیں، جہاں ان نفوسِ قدسیہ نے بھی قدم نہیں رکھا اور ایسے نقوش بھی نہیں چھوڑے جن سے آنے والی نسلیں اپنی منزل کا سراغ لگا سکیں! اللہ تعالیٰ نے زندگی کے تمام مہجور و متروک گوشوں کو نورِ ہدایت سے منور کرنے کے لیے اپنے حبیبِ مکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو رحمت للعالمین کی خلعتِ زیبا عطا فرما کر اپنی مخلوق کی چارہ گری کے لیے مبعوث فرمایا۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ پر اگر سرسری نظر ڈالی جائے تو ہمیں جہاں زندگی کی بوقلمونیوں کا ایک حسین و جمیل مرقع نظر آتا ہے۔ وہاں جنگ کی شعلہ سامانیاں بھی ہیں اور صلح کی رافت و رحمت بھی۔ دشمن نفرت کے انگارے بھی برساتے ہیں اور عقیدتمند اپنی محبت و مودّت کے رنگین پھول بھی نچھاور کر رہے ہوتے ہیں۔ ہم نے محبوب خدا کو حلقہِ یاراں میں دیکھا ہے اور حملہ آوروں کے نرغہ میں بھی ہم نے ان کی کاروباری مصروفیتوں کا بھی مطالعہ کیا ہے اور غارِ حرا کی خلوتوں میں ان کے سوز و گداز کا جائزہ بھی لیا ہے، ہم نے انھیں وطن سے بظاہر انتہائی بےبسی اور بےکسی میں ہجرت کرتے بھی دیکھا ہے اور پھر چند سال بعد اسی شہر میں فاتحانہ انداز میں داخل ہونے کا منظر بھی ملاحظہ کیا ہے اپنے اہل و عیال کے ساتھ ان کا برتاؤ کا ریکارڈ بھی ہمارے سامنے ہے اور اپنے

Marfat.com

جان نثار اور وفا شعار ساتھیوں سے حسنِ سلوک کی تفصیلات بھی ہمارے پیشِ نظر ہیں الغرض زندگی کے وسیع و عریض میدان کا کوئی کونا ایسا نہیں جہاں حبیب کبریا نے اپنے اسوۂ حسنہ کے حسین و جمیل نقوش نہ چھوڑے ہوں، یہ جامعیت، یہ ہمہ گیری اسوۂ محمدی کے بغیر کہیں بھی نظر نہیں آتی۔ زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والا ہر آدمی اس آبِ زلال سے اپنی پیاس بجھا سکتا ہے۔ اس دار الشفا میں انسانیت کے ظاہری و باطنی، سیاسی و معاشی و سماجی اور اخلاقی ہر قسم کے ناقابلِ علاج لوگوں کے لیے اکسیر موجود ہے۔ خاتم الانبیاء کو بارگاہِ الٰہی سے جو کتاب منیر مرحمت ہوئی، اس کے مندرجہ ذیل مقامات کا ہی اگر آپ مطالعہ کریں تو آپ کو حضورؐ کا لایا ہوا نظامِ اخلاق اپنی تمام تر رعنائیوں اور زیبائیوں کے ساتھ جلوہ فگن ملے گا۔ سورہ بقرہ کی آیات ۱۷۶، ۱۷۷، سورہ المومنوں کی ابتدائی آیات سورہ الفرقان کی آیات ۶۳ تا ۷۴۔

اندازِ تعلیم

مذکورہ بالا آیات میں اخلاقِ حسنہ کی اہمیت اور افادیت کو جس انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ اس سے کوئی سلیم الطبع متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات جن میں اخلاقِ حسنہ کو اپنانے کی تلقین کی گئی ہے۔ وہ بھی بڑے دلنشیں اور روح پرور ہیں۔ چند نمونے ملاحظہ فرمائیے:

سرورِ کائنات علیہ التحیات والتسلیمات نماز میں اکثر یہ دعا مانگا کرتے:

اَللّٰهُمَّ اهْدِنِیْ لِاَحْسَنِ	اے اللہ! بہترین اخلاق کی طرف تو
الْاَخْلَاقِ لَا یَهْدِیْ	میری راہنمائی فرما۔ تیرے سوا بہترین

Marfat.com

لِاَحْسَنِهَا اِلَّا اَنْتَ وَ	اخلاق کی طرف کوئی راہنمائی نہیں کرسکتا
اصْرِفْ عَنِّیْ سَیِّئَاتِهَا	اور بُرے اخلاق کو مجھ سے دور کردے
لَا یَصْرِفُ عَنِّیْ سَیِّئَاتِهَا	کیونکہ تو ہی بُرے اخلاق کو مجھ سے
اِلَّا اَنْتَ (مسلم شریف)	دور کرسکتا ہے۔

یہ اس پاک ہستی کی دعا ہے جس کے اخلاق حسنہ کی گواہی عالم الغیب والشہادۃ نے یوں دی ہے: وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔ یہ اس پیکرِ خصائل حمیدہ کی دعا ہے جس کا دامن ہر قسم کی نازیبا حرکات کے داغ سے پاک ہے۔ ایسی ہستی جب عجز و نیاز سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ التجا کرتی ہوگی تو خود سوچیے، صحابہ کرام کے دلوں پر اخلاق حسنہ کی اہمیت کے نقوش کس طرح ثبت ہوں گے۔

اہل ایمان کے نزدیک ایمان سے بڑھ کر کوئی قیمتی دولت نہیں، حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے ماننے والوں کو جب ارشاد فرمایا ہوگا تو اخلاق کریمہ کی اہمیت ان کی نگاہوں میں بڑھ گئی ہوگی۔ ارشادِ نبوی ہے:

اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ	جس شخص کا خلق بہترین ہوگا۔ تمام
اِیْمَانًا اَحْسَنُهُمْ	مومنوں سے اس کا ایمان اعلیٰ اور اکمل
خُلُقًا۔	ہوگا۔

ہر نیک دل انسان عبادتِ الٰہی میں لذت و سرور محسوس کرتا ہے اور اس کا جی چاہتا ہے کہ یادِ الٰہی کی شمع فروزاں رہے اور وہ بصد جان اس پر قربان ہوتا رہے۔ ہوسکتا تھا کہ کوئی شخص کثرتِ عبادات پر ناز کرنے لگے اور اخلاق حسنہ کی اہمیت اس کی نگاہوں میں کم ہوجائے۔ اس انتشار سے بچانے کے لیے اللہ تعالےٰ کے محبوب نے تنبیہ فرمادی:

Marfat.com

اِنَّ الرَّجُلَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهٖ دَرَجَةَ قَائِمِ اللَّيْلِ وَصَائِمِ النَّهَارِ۔ (ابوداؤد)	انسان اپنے اخلاق کے باعث اس درجہ پر فائز ہو جاتا ہے جو رات بھر ذکر الٰہی میں کھڑے رہنے والے اور عمر بھر روزہ رکھنے والے کو نصیب ہوتا ہے

کون بندہ ہے جس کے دل میں اپنے پروردگار کی رضا اور محبت کی تمنّا چٹکیاں نہ لے رہی ہو۔ اس کا طریقہ بتا دیا:

اَحَبُّ عِبَادِ اللّٰهِ اِلَى اللّٰهِ اَحْسَنُهُمْ اَخْلَاقًا (طبرانی)	اللہ تعالیٰ کے بندوں میں اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے جس کے اخلاق پسندیدہ ہیں۔

اسی طرح ہر بندۂ مومن کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کے ہادی و مرشد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پر نگاہِ لطف و کرم ہو اور قیامت کے روز اسے اپنے آقا کے قرب میں جگہ ملے، چنانچہ اپنے مشتاقانِ جمال کو یہ فرما کر بشارت دی۔

اِنَّ اَحَبَّكُمْ اِلَيَّ وَاَقْرَبَكُمْ مِنِّيْ فِي الْاٰخِرَةِ مَجَالِسَ مَحَاسِنُكُمْ اَخْلَاقًا وَاِنَّ اَبْغَضَكُمْ اِلَيَّ وَاَبْعَدَكُمْ مِنِّيْ مَسَاوِيْكُمْ اَخْلَاقًا۔	تم میں سے مجھے سب سے زیادہ پیارا اور آخرت میں سب سے زیادہ میرے قریب وہ شخص ہوگا، جو خوش خلق ہے اور تم میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور بروزِ قیامت مجھ سے دور وہ شخص ہوگا جو بدخلق ہے۔

بے شمار ارشاداتِ نبوت میں سے یہ چند اقوال پیشِ خدمت کیے ہیں اخلاقِ حسنہ

Marfat.com

کو اپنانے کی تڑپ پیدا کرنے کے لیے اس سے زیادہ مؤثر اور دلنشین اسلوب کوئی کہاں سے لائے گا۔

جن چیزوں کو اخلاقِ حسنہ کہا گیا ہے وہ کیا ہیں؟

انسانی معاشرہ کا فرد ہوتے ہوئے معاشرہ کے دوسرے افراد کے جو حقوق اس پر واجب ہیں، ان کو حُسن وخوبی سے انجام دینا ہی حسن خلق کہلاتا ہے، ماں باپ، بیوی بچے، پڑوسی، یتیم، بیوہ، سائل، بیمار، مسافر، مجاہد سب کے ساتھ مروت و احسان کرنے کی تاکید ارشاداتِ نبوت میں موجود ہے۔ یہ تعلیم اتنی جامع اور ہمہ گیر ہے کہ انسان تو انسان، حیوانات و نباتات بھی اس میں داخل ہیں۔ شیر دار جانوروں کو تلف کرنے، پھلدار درختوں کو کاٹنے، لہلہاتے ہوئے کھیتوں کو ویران کرنے، بستے ہوئے گھرانوں کو اجاڑنے، ان سب چیزوں سے منع کر دیا گیا ہے۔ اسلوبِ تخاطب اتنا شیریں ہے کہ اس کی مٹھاس اور لذت سب روح کی گہرائیوں میں سرایت کر جاتی ہے۔ بخاری شریف میں ایک فاحشہ عورت کا تذکرہ ہے جس کے عمر بھر کے گناہوں کو اللہ تعالٰے نے اس لیے معاف فرما دیا کہ اس نے پیاس سے تڑپتے ہوئے ایک کتے کو پانی پلا دیا تھا۔ بیوہ عورتوں، مسکین لوگوں کی خدمت کو جہاد فی سبیل اللہ کا درجہ دیا گیا ہے۔ بخاری شریف میں ہے:

اَلسَّاعِیْ عَلَی الْاَرْمِلَۃِ وَ	بیوہ اور غریبوں کے لیے دوڑ دھوپ
الْمَسٰکِیْنِ کَالْمُجَاھِدِ فِیْ	کرنے والا خدا کی راہ میں جہاد کرنے
سَبِیْلِ اللّٰہِ وَکَالَّذِیْ	والے کی طرح ہے اور اس عابد کی

Marfat.com

يَصُوْمُ النَّهَارَ وَ يَقُوْمُ اللَّيْلَ۔ — مانند ہے، جو دن بھر روزہ رکھتا ہے اور رات بھر نماز پڑھتا ہے۔

یتیم کی حفاظت اور کفالت کے شوق کو یوں مہمیز لگائی ہے:

اَنَا وَ كَافِلُ الْيَتِيْمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا۔ — کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں یوں ساتھ ہوں گے جس طرح ہاتھ کی یہ دو انگلیاں۔

بے شک معلمِ اخلاق کی تعلیمات ہمہ گیر اور عالمگیر ہیں اور اس کا اسلوب بیاں بھی دلنشیں اور لذیذ ہے۔ لیکن معلّمِ کریم کی شخصیت جو دلربائیاں اور رعنائیاں ہیں۔ وہ قلب و نظر کو مسحور کر رہی ہیں۔ اس کی ایک جھلک دیکھ کر دل دیوانہ اور روح سرشار ہو جاتی ہے۔ ان کی ذات والاصفات میں جو بانکپن اور نکھار ہے۔ اس نے ان کی دعوت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ کوئی بات نہیں فرمائی جس پر خود عمل کر کے نہ دکھایا ہو۔ لوگوں کو سچ بولنے اور امانت میں دیانت کو ملحوظ رکھنے کی تاکید کی تو درخواست گفتاری اور امانت داری کا وہ بلند معیار پیش کیا کہ خون کے پیاسے بھی صادق اور امین کہنے پر مجبور ہو گئے۔ لوگوں کو وعدہ پورا کرنے کی تلقین کی، تو خود اس پر یوں کاربند ہوئے کہ دشمن بھی عش عش کر اٹھے۔ آپ کو معلوم ہے، جب قیصر روم نے ابوسفیان کو اپنے دربار میں طلب کیا تاکہ حضورؐ کے اخلاق و کردار کے بارے میں دریافت کرے ابوسفیان اس وقت اسلام اور رسولِ اسلام کا بدترین دشمن تھا۔ لیکن اس کو بھی مجبوراً یہ کہنا پڑا۔ کہ آپ کے اخلاق بڑے بلند ہیں۔ وہ قول کے پکے اور بات کے سچے ہیں۔ عرب کے بدو اور اجڈ لوگ حضورؐ کے اخلاقِ کریمانہ کو دیکھ کر حضورؐ کے

Marfat.com

گرویدہ ہوگئے تھے۔ مسجد نبویؐ کی تعمیر کا وقت آتا ہے۔ صحابہ کرامؓ اس کی بنیادیں کھود رہے ہیں، پتھر اور گارا اٹھا اٹھا کر لا رہے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کا حبیب بھی ان کے ساتھ کام میں برابر کا شریک ہے۔ غزوہ احزاب کے موقع پر جب عرب کے سارے مشرک قبائل نے مدینہ طیبہ پر دھاوا بول دیا۔ اسلام کے اس مرکز کے دفاع کے لیے خندق کھودنے کا منصوبہ طے ہوا۔ صحابہ کرامؓ کی طرح حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہاتھ میں کدال لیے خود بھی خندق کھودنے میں مصروف ہیں۔ گیسوئے عنبریں پر مٹی گر رہی ہے روئے زیبا پر گرد پڑ رہی ہے۔ اس روح پرور منظر کو دیکھ کر مجاہدینِ اسلام پر کیف و مستی کا عالم طاری ہو جاتا ہے اور وہ بے خودی کے عالم میں یہ شعر پڑھتے ہیں ؎

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا

عَلَی الْجِهَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

ترجمہ: ہم وہ جاں فروش ہیں جنھوں نے محمد مصطفےٰؐ کے دستِ مبارک پر تا دمِ واپسیں جہاد کرنے کی بیعت کی ہے۔

سرورِ عالم ہادئ برحق ان کے جوشِ ایمانی کو دیکھ کر جواباً فرماتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَۃ

فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَۃ

ترجمہ: اے اللہ! زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے۔ الٰہی! میرے انصار اور مہاجروں کو بخش دے۔

لشکرِ اسلام میدانِ بدر کی طرف کوچ کر رہا ہے۔ تین تین سپاہیوں کے لیے ایک سواری کا انتظام ہو سکا ہے۔ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی سواری

Marfat.com

میں سیدنا علی اور مرثد بن ابی مرثد کو شریک کر لیا ہے۔ مدینہ طیبّہ سے جب قدسیوں کا یہ لشکر نکلتا ہے تو حضورؐ اونٹنی پر سوار ہیں۔ مقررہ مسافت طے کرنے کے بعد حضور اُتر جاتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کو حکم دیتے ہیں کہ ان میں سے ایک سوار ہو جائے۔ وہ عرض کرتے ہیں کہ ان کی باری بھی حضورؐ ہی سوار رہیں۔ اس سے انھیں روحانی مسرت ہوگی۔ حضور جانتے ہیں کہ یہ پیش کش صدقِ دل سے کی جا رہی ہے، لیکن حضورؐ کو اچھی طرح علم ہے کہ حضورؐ کا مقام اقدارِ عالیہ کے معلّم اور استاد کا ہے۔ حضور ان کی مخلصانہ پیش کش کو قبول نہیں فرماتے بلکہ انھیں یوں جواب دیتے ہیں :

مَا اَنْتُمَا بِاَقْوٰی مِنِّیْ — کہ نہ تم مجھ سے زیادہ طاقت ور ہو، اور
وَلَا اَنَا اَغْنٰی عَنْکُمَا — نہ یہ بات ہے کہ تمھیں مجھ سے زیادہ اجر و
مِنَ الْاَجْرِ۔ — ثواب کی ضرورت ہے۔

چرخِ پیر نے بھی یہ منظر کاہے کو دیکھا ہوگا کہ لشکر کا سپہ سالار، امت کا سردار، اور مجاہدین کا محبوب قائد، ناقہ کی نکیل ہاتھ میں لیے پیدل چل رہا ہے اور ایک سپاہی اونٹنی پر سوار ہے۔ یہی وہ اُسوہ حسنہ ہے جس نے عرب جیسی وحشی درندہ صفت اور درشت قوم کو کاروانِ انسانیّت کا امام بنا دیا۔ اس معلم اخلاق کی تربیت سے کر وہ قوم تیار ہوئی جس کے بارے میں خالق دو جہاں نے فرمایا : کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ۔

آج بھی اگر اس دلفریب، رُوح پرور اور جاں نواز اسوۂ حسنہ کو ہم سچے دل سے اپنا لیں۔ تو ہم اپنی تقدیر کو بدل سکتے ہیں۔ آج یہ مبارک دن جب کہ نظام مصطفٰے کے نفاذ کی طرف ایک مثبت اور عملی قدم اٹھانے کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ کاش! ہم

Marfat.com

اپنے کردار کو خلقِ محمدیؐ کے سانچے میں ڈھال لیں۔ صرف اس طرح ہم نظامِ مصطفےٰ کی عظمت کو، قانونِ اسلام کی برکتوں کو دنیا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں اور مادیت گزیدہ انسانیت کو وہ تریاق پیش کر سکتے ہیں، جس کی اسے اشد ضرورت ہے اور جس کے ہم امین ہیں۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ
رب العالمین والصلوٰۃ والسلام
علی رحمۃ للعالمین والعاقبۃ
للمتقین

Marfat.com

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

کا

نظامِ اخلاق

ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ ایم اے (الازہر)
نے ۴ مارچ سنہ ۱۹۸۰ء کو ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل راولپنڈی میں شامِ ہمدرد
کی ایک تقریب میں یہ مقالہ پڑھا۔ اس تقریب میں ملک
کے نامور اہلِ قلم، دانشور اور قانون دان
حضرات موجود تھے۔

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کائنات کی وسعتیں بیکراں ہیں، سائنس دانوں کی دوررس نگاہوں نے بے شمار نئے نظام ہائے شمسی کا سراغ لگا لیا ہے۔ یہ وسعتیں اور ان میں تنوّع اپنے خواص، اثرات، رنگ و بو اور کیف وکم کے اعتبار سے ہوش ربا ہیں۔ کہیں ثریّا کی بلندیاں ہیں، کہیں ثریٰ کی پستیاں، کہیں عرش کی عظمتیں ہیں اور کہیں فرش کی خاکساریاں، کہیں نور کی جلوہ سامانیاں ہیں اور کہیں خاک کی تیرگیاں۔ زندگی کے ان گنت جلوے ہیں۔ ہر جلوہ نظر افروز بھی ہے اور دلربا بھی، لیکن آدمِ خاکی کی شان نرالی ہے۔ یہ خالقِ کائنات کے کمالِ تخلیق کا شاہکار ہے یہ اس عالم میں اس کا خلیفہ ہے۔ اس کے ظاہری اور باطنی حسن و جمال اور فضل و کمال کی پردہ کشائی ان کلمات سے کی گئی ہے:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ اس میں مضمر صلاحیتوں اور نہفتہ قوتوں کے گنجہائے گراں مایہ کو یہ فرما کر آشکار کیا گیا ہے:

اَلَّذِیْ خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَ "اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے (اے انسان!) تجھے پیدا کیا، پھر تجھے درست کیا، پھر ذہنی اور جسمانی استعدادوں سے تجھے سنوارا۔

Marfat.com

انسان دیکھنے میں تو مختصر ہے۔ ہاتھی کی طرح گرانڈیل بھی نہیں، شیر کی طرح طاقتور بھی نہیں، ہرن کی طرح تیز رفتار بھی نہیں، لیکن ہر چیز اس سے ہراساں ہے پہاڑوں کی چوٹیاں اس کے قدم عزم کے سامنے سرنگوں ہیں۔ صحراؤں کی پہنائیاں اس کے حکم سے سکڑ جاتی ہیں۔ اس کے اشارے سے سمندروں کے سینے شق ہیں۔ کرۂ ہوا میں ابھرنے والی البیلی لہریں اس کے فرامین کو زمین کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک پہنچانے میں مصروف ہیں۔

اس کے خالق نے اس کی تخلیق کا ذکر بھی بالکل نرالے انداز میں کیا ہے! ارض و سما، مہر و ماہ، جن و ملک، شجر و حجر کی تخلیق کے بارے میں فرمایا: اِنَّمَا اَمْرُهٗ اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ لیکن حضرت انسان کی آفرینش کا ذکر کیا تو فرمایا: لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ۔ میں نے اسے اپنی قدرت کے دو ہاتھوں سے پیدا کیا۔ بلاشبہ اس کی پیدائش کو یہ خصوصی امتیاز حاصل ہے۔ اس کے راہوارِ عزم و حوصلہ کی جولانیوں کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔ یہ خام صلاحیتیں، عروسِ گیتی کی زلفیں سنوارنے کے کام بھی آسکتی ہیں اور اس کی قبائے شرف و کرامت کو تار تار بھی کر سکتی ہیں۔ یہ نسیم بہار بن کر خیر و خوبی کے غنچوں کو پھول بھی بنا سکتی ہیں، یہ بادِ صرصر بن کر نیکی اور صلاح کے روشن چراغوں کو گل بھی کر سکتی ہیں، جب تک ان کی صحیح نشو و نما نہیں ہوگی، ان کو صحیح خطوط پر چلانے کا اہتمام نہیں کیا جائے گا، تو احسن تقویم کی بلندیوں پر دمکنے والا یہ مہ پارہ، اسفل السافلین کی پستیوں میں ہمیشہ کے لیے ڈوب جائے گا۔ اس کی بے پناہ صلاحیتوں کا رُخ حق اور خیر کی طرف موڑ دینا، اس کے دل میں برائی سے نفرت اور نیکی سے محبت پیدا کر دینا بڑا

Marfat.com

نازک مرحلہ ہے اور نہایت مشکل کام ہے، اس کی مشکل کو آسان کرنے کے لیے اسی خطرناک موڑ سے کاروانِ انسانیت کو بسلامت گزارنے کے لیے اللہ تعالیٰ انبیا کرام کو مبعوث کرتا رہا۔ اسی مقصد جلیل کی تکمیل کے لیے سید الانبیاء والمرسلین کی تشریف آوری ہوئی۔

میں اس بحث میں آپ کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا کہ دانش برہانی نے شبستانِ وجود کی ظلمتوں کو مٹانے کے لیے جو چراغ روشن کئے، انھوں نے جادۂ زیست کے مسافروں کے لیے آسانیاں پیدا کیں، یا ان کی ذہنی پریشانیوں میں اضافہ کیا۔ مجھے تو اس صحبت میں دانائے سبل، ھادی برحق، مرشدِ قلب ونظر سیّدنا محمّد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ان کامیاب کوششوں کا ذکر کرنا ہے، جن کے باعث گلشن حکمت و دانش میں بہار آئی، جن کی برکت سے انسان کا خفتہ بخت بیدار ہوا۔ جن کی مسیحائی نے عمل وخلق کو نئے عنوان عطا کئے جن کی تربیت سے فقیروں کو قناعت واستغنا، اور امیروں کو ذوقِ جود وعطا ملا۔ درویشوں کو خودداری اور شاہوں کو تواضع وانکساری نصیب ہوئی، جس نے علم کے رُخ سے شک اور ظن کی گرد کو صاف کیا۔ اسے نور یقین سے نکھارا اور عملِ صالح سے ہمکنار کردیا۔ جن کے قدمِ ناز کی ٹھوکر سے خود غرضی، نفس پرستی، قومی عصبیت اور وطن پرستی کے سارے بت، جن کے سامنے صدیوں سے انسان سجدہ ریز چلا آرہا تھا، پاش پاش ہوگئے۔

نظامِ اخلاق کے بے شمار پہلو ہیں۔ سب کو یہاں بیان کرنا ممکن نہیں میں آج کی اس محفل میں صرف اس کے تین پہلوؤں کا بالاختصار ذکر کردوں گا۔

Marfat.com

(۱) جس انسان کی تربیت کے لیے نظام اخلاق وضع کیا گیا ہے، اس کی فطرت کے بارے میں محسنِ انسانیت کی کیا رائے ہے؟

(۲) نظامِ اخلاق کا مقصد اعلیٰ کیا ہے؟

(۳) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو نظامِ اخلاق پیش کیا، اخلاق کے دوسرے نظاموں کے مقابلہ میں اس کی امتیازی شان کیا ہے؟

عیسائیت جس کے ماننے والوں کی تعداد ایک ارب سے بھی زیادہ ہے، اس کا انسانی فطرت کے بارے میں یہ عقیدہ ہے کہ انسان کا جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ پیدائشی گنہگار ہوتا ہے۔ ان کے خیال کے مطابق آدم و حوّا نے جو گناہ کیا تھا اس کے داغ سے ہر انسان کی پیشانی داغدار ہے، وہ اپنی پشت پر ناکردہ گناہوں کا یہ بوجھ اٹھائے ہوئے اس عالمِ رنگ و بو میں قدم رکھتا ہے۔ جب تک یسوع مسیح کے نام پر اسے بپتسمہ نہ دیا جائے اس وقت تک وہ اس گناہ سے بری الذمہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ انھیں اس مسئلہ میں اس قدر غلوّ ہے کہ وہ معصوم بچہ جو عیسائی ماں باپ کے گھر پیدا ہوتا ہے وہ بھی پیدائشی گنہ گار ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک اگر وہ بپتسمہ لینے سے پہلے مر جائے تو وہ بھی آسمانی بادشاہی کی حدود میں داخل نہیں ہو سکتا بلکہ دوزخ میں پھینک دیا جاتا ہے۔

عیسائیت کے علاوہ جو مذاہب تناسخ اور آواگون کے قائل ہیں وہ بھی انسان کو اپنی سابقہ زندگی کے اعمال کا صیدِ زبوں خیال کرتے ہیں۔ یعنی جو انسان آج پیدا ہو رہا ہے، اس کی سعادت و شقاوت کا فیصلہ پہلے ہو چکا ہے، اس کے عمل اور سعی کو اپنی قسمت کے سنوارنے میں کوئی دخل نہیں۔

ان معتقدات کی رو سے انسان کی بے بسی اور آشفتہ بختی کا آپ بآسانی اندازہ

Marfat.com

لگا سکتے ہیں کہ جب کوئی انسان اپنی اس خستہ حالی پر آگاہ ہوتا ہوگا تو بے ساختہ یہ چیخ اٹھتا ہوگا۔

یَالَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرَابًا	اے کاش! میں انسان نہ ہوتا، مٹی کا تودہ ہوتا۔

لیکن رحمت عالمیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جو کتاب مقدس لے کر آئے، اس نے انسان کو مقہور و مجبور اور ناکردہ گناہوں کے طوق و سلاسل میں اسیر نہیں بتایا بلکہ مختلف عنوانوں سے اس کی فطرت کی پاکی اور اس کی جبلت کی جلالتِ شان کا ذکر فرمایا ہے، عقیدہ توحید کو اس کی فطرت کی آواز اور تقاضا قرار دیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۔ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (روم آیت ۳۰)	پس آپ کرلیں اپنا رُخ دین اسلام کی طرف پوری یکسوئی سے (مضبوطی سے پکڑ لیں) اللہ تعالیٰ کے دین کو جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا کوئی ردّ و بدل نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

قرآن کریم میں مذکور ہے کہ روزِ اول اللہ تعالیٰ نے ارواحِ انسانی سے پوچھا: اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ (کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں) سب نے بیک زبان جواب دیا: قَالُوْا بَلٰى (بے شک تو ہمارا پروردگار ہے) یوں اس غلط فہمی کی بیخ کنی کردی کہ انسان فطرۃً ناپاک اور گمراہ ہے۔

Marfat.com

قرآن کریم نے انسان کی عظمت اور اس کی فطرت کی ارجمندی کو ایک نئے عنوان سے بھی آشکارا کیا ہے، بتایا کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کے نہاں خانۂ دل میں ایک ایسی قوت رکھ دی ہے، جو اسے نیکی پر ابھارتی ہے اور برائی سے روکتی ہے۔ اگر یہ نہیں رکتا تو وہ قوت سراپا احتجاج بن کر سینہ تان کر اس کی راہ میں کھڑی ہو جاتی ہے۔ وہ اسے روند کر ہی گناہ کی وادی کی طرف پیش قدمی کر سکتا ہے۔ اس قوت میں جب تک سکت باقی رہتی ہے وہ اس کا دامن پکڑے رہتی ہے۔ اس قوت کو قرآن کریم نے نفس لوامہ سے تعبیر کیا ہے اور اس کی عظمت کی قسم کھائی ہے۔ وَ لَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ۔

سرورِ عالم مرشد قلب و نظر صلے اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو بڑے پیارے انداز سے بیان فرمایا ہے۔ حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، بارگاہ نبوت میں نیکی اور گناہ کی حقیقت دریافت کرنے کے لیے حاضر ہوتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کا بے پناہ ہجوم ہے۔ وہ ذوق وشوق میں اس ہجوم کو چیرتے ہوئے حضور کے قریب پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لوگوں نے انھیں بارہا روکا ہے لیکن وہ نہیں رکتے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے شوق فراواں کو دیکھا تو فرمایا: وابصہ! قریب آجاؤ۔ جب وہ نزدیک جاکر بیٹھ گئے تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا: اے وابصہ! میں بتاؤں کہ تم کیوں آئے ہو یا تم خود بتا دو گے۔ انھوں نے عرض کی: حضور ہی ارشاد فرمائیں۔ فرمایا: وابصہ! تم مجھ سے نیکی اور گناہ کی حقیقت دریافت کرنے کے لیے آئے ہو۔ حضرت وابصہ نے عرض کی: سچ ہے یا رسول اللہ!۔ وابصہ کہتے ہیں کہ حضور نے اپنی تین انگلیاں اکٹھی کرکے میرے سینے میں چوکیں اور فرمایا:

يَا وَابِصَةُ اِسْتَفْتِ نَفْسَكَ اَلْبِرُّ مَا اطْمَأَنَّ اِلَيْهِ الْقَلْبُ وَ اطْمَأَنَّتْ اِلَيْهِ النَّفْسُ وَالْاِثْمُ مَا حَاكَ فِي الْقَلْبِ وَ تَرَدَّدَ فِي الصَّدْرِ وَاِنْ اَفْتَاكَ النَّاسُ۔	اے وابصہ! اپنے دل سے پوچھ کر اور اپنے نفس سے فتویٰ لیا کر۔ نیکی وہ ہے جس سے دل اور نفس میں اطمینان پیدا ہو اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور نفس کو تردد میں ڈال دے اگرچہ لوگ تجھے اس کے جواز کا بھی فتویٰ دیں۔

(مسند امام احمد جلد ۴ صفحہ ۲۲۸ مطبوعہ مصر)

حضور کا ایک اور ارشاد گرامی بھی اس سلسلہ میں بڑا بصیرت افروز ہے فرمایا:

اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا اَخْطَاءَ خَطِيْئَةً نُكِتَتْ فِيْ قَلْبِهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ وَاِذَا نَزَعَ وَ اسْتَغْفَرَ وَ تَابَ، صُقِلَ قَلْبُهُ وَ اِنْ عَادَ زِيْدَ فِيْهَا حَتّٰى يَعْلُوَ قَلْبَهُ۔	بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے۔ اگر اس نے پھر اپنے آپ کو اس گناہ سے علیحدہ کر لیا اور خدا سے مغفرت مانگی اور توبہ کی تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر اس نے پھر وہی گناہ کیا تو وہ سیاہ داغ بڑھنے لگتا ہے، یہاں تک کہ پورے دل پر چھا جاتا ہے

ان ارشادات سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اسلام کے نزدیک انسان فطرۃً بدکار اور ناہنجار نہیں، بلکہ وہ صاف دل، پاک نفس پیدا ہوتا ہے۔ اس کے اپنے

Marfat.com

بڑے اعمال ہی اس کے آئینۂ دل کو مکدر کر دیتے ہیں اور نیکی کی قوتوں کا گلا گھونٹ کر انھیں خاموش کر دیتے ہیں۔ انسان جو فطرۃً نیک ہے، جس میں ایسی قوت پنہاں ہے جو برائی کے خلاف سینہ تان کر کھڑا ہونے کی ہمت رکھتی ہے۔ ایسے انسان کے لیے جو نظامِ اخلاق ہوگا وہ کتنا بلند ہوگا۔ اور انسان کو پیدائشی گنہ گار سمجھنے والوں کے ضابطۂ اخلاق سے کس قدر مختلف ہوگا۔

نظامِ اخلاق کا مقصدِ اعلےٰ

ہر فعل کسی مقصد کے حصول کے لیے کیا جاتا ہے۔ ہر قدم کسی منزل تک رسائی حاصل کرنے کے لیے اٹھایا جاتا ہے۔ اس لیے نظام اخلاق پر کاربند ہونے کا ضرور کوئی مقصد ہونا چاہیئے۔ وہ مقصد کیا ہے۔

حکما اور فلاسفہ عہدِ قدیم سے اب تک اس گرہ کو کھولنے میں سرگرداں نظر آتے ہیں۔ بیسیوں نظریئے پیش کیئے گئے ہیں، بزمِ فلسفہ وحکمت میں بھانت بھانت کی بولیاں سننے میں آتی ہیں۔ لیکن بات بنتی نظر نہیں آتی۔ آرا کے اس اختلاف اور حکما کی باہمی کشاکش کو دیکھ کر انسان چکرا جاتا ہے۔ کسی نے سعادت کو، کسی نے مسرت کو، کسی نے قوت اور غلبہ کو، ضابطۂ اخلاق کا حاصل قرار دیا ہے۔ یہ تمام الفاظ حد درجہ مبہم ہیں۔ ہر شخص حسبِ منشا ان کی تشریح کرکے اپنا مطلب نکال سکتا ہے۔ اس پر ستم یہ ہے کہ ان نظریات میں باہمی تضاد ہے جس کے باعث یقین کی شمع ٹمٹمانے لگتی ہے شکوک وشبہات کا دھواں پھیلنے لگتا ہے۔

اسلام نے انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا ہے۔ قرآن نے اس کو زمین پر

Marfat.com

اپنے خالق کا خلیفہ بنایا ہے۔ فرشتوں نے اس کی عظمتوں کو سجدے کیے ہیں۔ اس لیے اس کے ضابطۂ اخلاق کا مقصد کوئی گھٹیا چیز نہیں ہو سکتی۔ اس کا مقصد اس کے شایانِ شان ہونا چاہیئے۔ ذاتی اغراض شخصی مفادات، لذت و سرور ادنیٰ ترین مقاصد ہیں۔ اسلام یہ پسند نہیں کرتا کہ انسان کا دامن ان سے آلودہ ہو۔ چنانچہ اس آیت طیبہ سے حضور رحمت عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس مقصدِ عظیم کا اعلان فرمایا جو مسجودِ ملائک کو زیب دیتا ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ	اے حبیب! آپ اعلان کر دیجئے کہ
نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ	میری نماز، میری عبادتیں، میری زندگی
مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ	اور میری موت، صرف اس اللہ تعالیٰ کی
الْعٰلَمِیْنَ۔	رضا کے لیے ہے جو رب العالمین ہے

یہ ہے وہ مقصد جلیل، جس کا اعلان ہادی برحق نے فرمایا۔ جو انسان کے مقامِ رفیع سے مناسبت رکھتا ہے۔ بلکہ اس مقصد کی رعنائیاں اور دلفریبیاں خاک کے پراگندہ ذرّوں کو ہمدوش ثریا بنا دیتی ہے۔

نبی رحمت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اس امر کی وضاحت کی طرف توجہ نہیں دی کہ انسان کے اخلاق کا مقصد کیا ہے۔ بلکہ اپنی ساری کوششیں اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے وقف فرمائیں کہ انسان کا مقصدِ حیات کیا ہونا چاہیئے اور اس نقطہ پر زور دیا ہے کہ رضائے الٰہی کے بغیر کوئی ایسی چیز نہیں جو انسان کا مقصدِ حیات بن سکے۔ چنانچہ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ان اہل ایمان کی توصیف کی گئی ہے جو اپنی جان اور اپنا مال رضائے الٰہی کے لیے قربان کر دیا کرتے ہیں

Marfat.com

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ۔	بعض لوگ ایسے ہیں جو اپنی جان کو خدا کی رضا کے لیے بیچ دیتے ہیں، اور اللہ تعالےٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔

سورہ النساء میں ارشاد باری تعالےٰ ہے:

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا۔	اور جو یہ تمام کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرے گا تو ہم اس کو بڑا اجر دیں گے۔

انسان کے فطرۃً گنہ گار یا معصوم ہونے کے بارے میں عیسائیت، دیگر مذاہب اور اسلام کے نظریات آپ سن چکے۔ نظامِ اخلاق کی غرض و غائت جس کو اپنانے کی ترغیب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دی، اس کا تذکرہ بھی ہو چکا۔ اب ان خصوصیات کی طرف اشارہ مطلوب ہے، جو رسولِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ ضابطۂ اخلاق کا طرۂ امتیاز ہے۔ وہ خصوصیات ان گنت ہیں۔ میں یہاں چند ایک کو پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

(الف) کوئی چیز خواہ کتنی منفعت بخش اور حسین وجمیل ہو اس میں جب افراط و تفریط راہ پالیتی ہے، تو اس کی منفعت مضرت میں بدل جاتی ہے۔ اس کا حسن وجمال پراگندگی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسلام ہر کام میں اعتدال اور میانہ روی کو خاص اہمیت دیتا ہے۔ اس کے دینِ الٰہی ہونے کی یہ ایک روشن دلیل ہے۔ عبادات، معاملات قوانین اور اخلاق الغرض اس کے جملہ اوامر و نواہی میں اعتدال کا نور جھلک رہا ہوتا ہے۔ شریعت موسوی کا مطالعہ کرتے ہوتے ہر قدم پر شدت اور سختی کا احساس ہوتا ہے

Marfat.com

معلوم ہوتا ہے کہ رحمت و رافت کی یہاں ذرا گنجائش نہیں، تو راۃ کا ہر قانون عادلانہ انتقام پر مبنی ہے۔ کتاب الخروج باب ۲۱ کی آیات ۲۳ تا ۲۵ ملاحظہ ہوں۔

"...... لیکن اگر نقصان ہو جائے تو تو جان کے بدلے جان لے اور آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت، ہاتھ کے بدلے ہاتھ، پاؤں کے بدلے پاؤں، جلانے کے بدلے جلانا، زخم کے بدلے زخم اور چوٹ کے بدلے چوٹ۔

قاتل کو ہر حالت میں قتل کرنا ضروری ہے مقتول کے وارثوں کو دیت ادا کر کے وہ اپنی جان نہیں بچا سکتا۔ چنانچہ گنتی باب ۳۵ کی آیت ۳۱ ملاحظہ ہو۔

"...... اور تم اس قاتل سے جو واجب القتل ہو، دیت نہ لینا، بلکہ وہ ضرور ہی مارا جائے۔"

اس کے برعکس ہم شریعتِ عیسوی پر جب نظر ڈالتے ہیں تو وہاں عدل و انصاف قائم کرنے کا جذبہ بہت کمزور نظر آتا ہے۔ وہاں صرف رحمت اور عفو و درگزر پر زور دیا گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ایک مشہور وعظ میں اپنی تعلیم کا اعلان ان لفظوں میں کیا ہے:

"تم نے یہ سنا ہوگا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ، دانت کے بدلے دانت لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ برائی کا برائی سے مقابلہ نہ کرو۔ بلکہ جو شخص تمھارے داہنے گال پر طمانچہ مارے اس کے سامنے دوسرا گال بھی کر دو۔ جو شخص لڑنے جھگڑنے میں تمھارے کپڑے پکڑے۔ اس کو چادر بھی دے دو۔ جو شخص تم کو ایک میل تک بیگار میں پکڑ کر لے جائے اس کے ساتھ

Marfat.com

دو میل تک چلے جاؤ۔ جو تم سے مانگے اس کو دو۔ جو تم سے قرض لینا چاہے اس کو واپس نہ کرو۔" (متی : باب ۵)

لیکن داعئ دینِ فطرت حضرت محمّد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے عدل و احسان دونوں میں حسین توازن پیدا کیا۔ اس طرح یہودیت اور عیسائیت میں جو خامیاں تھیں ان کا ازالہ فرمادیا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے ربِّ کریم کا یہ فرمان اولادِ آدم کو سنایا۔

اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ عدل اور احسان دونوں کا حکم دیتا ہے۔

بے شک معاشرہ میں امن و امان کے قیام اور فتنہ و فساد کا قلع قمع کرنے کے لیے قانون کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں، لیکن اس سے بدکار انسان کو عبرت ناک سزا تو دی جاسکتی ہے۔ لیکن اس کے قلب میں بُرائی سے نفرت کا جذبہ پیدا نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح اخلاق سے ان لوگوں کی اصلاح تو ممکن ہے جو نیک فطرت اور سلیم الطبع ہوں، لیکن معاشرے کے سارے افراد تو ایسے نہیں ہوتے جو اخلاقِ حسنہ کی تعلیمات کو شرح صدر سے قبول کرلیں۔ بدسرشت اور اکھڑ مزاج افراد کی بھی کمی نہیں اس لیے معاشرہ کی تطہیر، اصلاح اور صحت مند نشو ونما کے لیے قانون اور اخلاق دونوں کی اشد ضرورت ہے اور ان میں یہ حسین امتزاج صرف حضور نبی اکرم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیش کردہ ضابطۂ اخلاق میں نظر آتا ہے۔

(ب) اسلامی تعلیمات کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسان کو اپنی بدکرداری اور گناہ کے عبرت ناک انجام سے بے خوف نہیں ہونے دیتا اور نہ

Marfat.com

اس کو مایوسی کے عمیق گڑھے میں گرنے دیتا ہے۔ بیم و رجا کی کیفیت ہر قدم پر ملحوظ رکھی جاتی ہے تاکہ انسان اپنے اعمالِ بد کے نتائج سے خوف زدہ بھی رہے اور اس کے ساتھ ساتھ رحمتِ الٰہی سے مایوس بھی نہ ہو۔ ارشادِ الٰہی ہے:

یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا	اے میرے بندو! جنھوں نے اپنے
عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا	نفسوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے
مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔	مایوس مت ہو۔

بلکہ مایوسی کو گناہ قرار دیا اور اسے کفار و منکرین کا شیوہ کہا گیا ہے:

وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ	یعنے رحمتِ الٰہی سے مایوس نہ ہو۔ اللہ
اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ	تعالیٰ کی رحمت سے صرف کفار ہی
اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ۔	مایوس ہوتے ہیں۔

(اگر تم نے اپنی زندگی کا قیمتی حصہ نافرمانی اور سرکشی میں ضائع کر دیا ہے، اب بھی اگر تم اپنے کئے پر ندامت محسوس کرتے ہو تو توبہ کا دروازہ کھٹکھٹاؤ، رحمتِ الٰہی کو تم اپنا منتظر پاؤ گے۔)

(ج) معاشرہ میں نیکی کو فروغ دینا اور برائی کا قلع قمع کرنا صرف ایک فرد یا چند اشخاص کی ذمہ داری نہیں، بلکہ ساری قوم کا اجتماعی فریضہ ہے۔ امتِ مسلمہ کو خیر الامم کے لقب سے سرفراز کرنے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے:

تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ	کہ تم نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے
عَنِ الْمُنْكَرِ ط	روکتے ہو۔

اگر ملت کے چند افراد اس فرض کو ادا کریں اور دوسرے لوگ اس سے بے تعلقی

Marfat.com

اور بے حسی کا مظاہرہ کریں تو ایسا معاشرہ کیونکر معرضِ وجود میں آئے گا جس کا ظاہر و باطن، جلوت و خلوت، نیکی کے نور سے منور ہو۔ جس میں برائی اور گناہ کے خلاف ایک عموعی نفرت اور بیزاری کا جذبہ پایا جائے کیوں کہ ملتِ اسلامیہ کے تمام افراد کا مفاد اور مضرت مشترک ہے۔ اس لیے یہ ذمہ داری بھی تمام پر یکساں عائد ہوتی ہے۔ حضور سرورِ عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو بڑی دل افروز اور دلنشیں مثال سے واضح فرمایا ہے کہ ایک جہاز میں اوپر تلے تین درجے ہیں۔ ہر درجہ میں کچھ مسافر فروکش ہیں۔ سب سے نچلے درجے والے جہاز کے پیندے میں سوراخ کر کے پانی لینا چاہتے ہیں۔ اگر بالائی منزلوں کے مکین سوراخ کرنے سے ان کو روک دیں تو وہ خود بھی بچ جائیں گے اور انھیں بھی بچالیں گے اور اگر اوپر والے لاتعلقی کا مظاہرہ کریں گے تو جب سوراخ ہو جائے گا اور جہاز میں پانی بھر جائے گا تو جہاز اپنے تمام مسافروں سمیت غرق ہو جائے گا۔

بعینہٖ اسی طرح جو لوگ معاشرہ میں بدکاری اور فحاشی کو پھیلانے میں مصروف ہیں اگر قوم کے باشعور افراد نے ان کو سختی سے روک دیا تو ان کی لگائی ہوئی آگ سے ساری ملت محفوظ ہو جائے گی، لیکن اگر ان لوگوں کو فسق و فجور کی آگ بھڑکانے کی اجازت دے دی گئی، تو صرف وہی اپنی جلائی ہوئی اس آگ میں بھسم نہیں ہوں گے، بلکہ ملت کے سارے ایوان کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیں گے۔ اسی لیے اسلام میں معاشرہ سے کٹ کر گوشۂ عزلت میں زندگی بسر کرنے اور کشمکشِ حیات سے فرار اختیار کر کے رہبانیت کو اپنانے سے روکا گیا ہے۔

اسلام کے نظامِ اخلاق کی بے شمار خصوصیات میں سے یہ چند اہم خصوصیات ہیں

Marfat.com

جو اسے دوسرے نظاموں سے ممتاز کرتی ہیں۔

اسلامی نظامِ اخلاق

قرآنِ کریم اور سنتِ نبوی کے ذخائر اسلامی نظامِ اخلاق کی تفصیلات سے پُر ہیں۔ میں یہاں صاحبِ خلقِ عظیم محمدّ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشادِ گرامی نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں جس کی جامعیت نظامِ اخلاق کی جملہ جزئیات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ نبیٔ رحمت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَوْصَانِیْ رَبِّیْ بِتِسْعٍ اُوْصِیْکُمْ بِھَا۔ اَوْصَانِیْ بِالْاِخْلَاصِ فِی السِّرِّ وَ الْعَلَانِیَۃِ۔ وَالْعَدْلِ فِی الرِّضَا وَالْغَضَبِ۔ وَالْقَصْدِ فِی الْغِنٰی وَالْفَقْرِ۔ وَ اَنْ اَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَنِیْ وَ اُعْطِیَ مَنْ حَرَمَنِیْ وَ اَصِلَ مَنْ قَطَعَنِیْ وَ اَنْ یَّکُوْنَ صَمْتِیْ فِکْرًا وَ نُطْقِیْ ذِکْرًا وَ نَظْرِیْ

میرے رب نے مجھے نو باتوں کی وصیت کی ہے، میں تمہیں بھی ان باتوں کی وصیت کرتا ہوں۔ مجھے وصیت فرمائی گئی ہے کہ میں خلوت وجلوت میں اخلاص[۱] کا مظاہرہ کروں۔ خوشنودی اور غصہ دونوں حالتوں میں عدل[۲] کروں۔ ثروت اور افلاس دونوں صورتوں میں میانہ روی[۳] اختیار کروں اور جو مجھ پر ظلم کرے میں اس کو معاف کردوں، جو مجھے محروم رکھے، اس کو عطا[۵] کروں۔ جو میرے ساتھ قطع رحمی کرے میں اس سے صلہ[۶] رحمی کروں۔ میری خاموشی[۷] غور و فکر ہو۔ میری گفتگو ذکرِ الٰہی ہو اور

Marfat.com

عِبْرَۃً ۔ میری نگاہ عبرت آموز ہو ۔

نبی کریم صاحبِ خلقِ عظیم

اب آیئے اس مقدس ہستی کی کتابِ حیات کا مطالعہ کریں، جس کے روح پرور ارشادات اور انقلاب آفرین تعلیمات نے خود فراموش انسان کو خود شناس بنایا اور اس کے دل میں اپنی منزلِ رفیع پر پہنچنے کی بے چین تمنا پیدا کردی۔ ذرا دیکھیں! اس کے اپنے شب و روز کیسے بسر ہوتے تھے، اس کا اپنا اخلاقی معیار کیا تھا، لیکن اس سے پہلے میں ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری سمجھتا ہوں۔ خلق صرف رحمت و رافت، عفو و درگزر اور تواضع و انکساری کا نام نہیں۔ اخلاق کا یہ نہایت محدود تصور ہے انتہائی اشتعال انگیز ماحول میں جذبات کو قابو میں رکھنا، ناگفتہ بہ حالات میں ثبات و استقامت کا مظاہرہ کرنا، باطل کی طاغوتی قوتوں کے سامنے سربلند کرکے سینہ سپر ہونا، اپنے مقصدِ حیات سے لازوال وابستگی اور وفا کیشی میدان جنگ میں ناموافق حالات میں بھی جرأت و بسالت کا اظہار کرنا اخلاقِ حسنہ کے اہم ترین پہلو ہیں۔

حضور سرور عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کی کتابِ حیات کا ہر ورق جملہ مکارمِ اخلاق سے روشن و تابندہ ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب دعوتِ حق کا آغاز کیا تو حضور کی للکار کی ہیبت سے باطل کے ایوانوں میں زلزلہ آگیا۔ انھوں نے شمعِ حق کے پروانوں پر جور و ستم کی انتہا کردی لیکن ان کا جذبۂ ایمان کم نہ ہوا۔ روز بروز غلامان مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثنا میں اضافہ ہونے لگا۔

ایک روز اہلِ مکہ کا ایک وفد جناب ابوطالب کے پاس گیا اور انہیں ساری

Marfat.com

قوم کا یہ پیغام سنایا کہ آپ کے بھتیجے نے ہمارا ناک میں دم کر دیا ہے۔ وہ صبح و شام ہمارے بتوں کی توہین و تضحیک کرتا رہتا ہے۔ آپ قوم کے بزرگ ہیں۔ ہمیں آپ کا احترام ملحوظ ہے۔ اسی لیے آج تک ہم نے آپ کے بھتیجے کے خلاف کوئی مؤثر کارروائی نہیں کی۔ اب ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے۔ آپ اپنے بھتیجے سے پوچھئے کہ فتنہ انگیزی سے وہ کیا مطلب حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اگر اسے دولت کی خواہش ہے تو ہم اس کے قدموں پر زر و سیم کے ڈھیر لگا دیتے ہیں۔ اگر اسے کوئی رشتہ مطلوب ہے تو ہم اس کی دامادی کو اپنے لیے باعثِ شرف سمجھیں گے اور اگر اسے حکمران بننے کا شوق ہے تو ہم اسے بصد مسرت اپنا سربراہ ماننے کو تیار ہیں۔ لیکن اگر وہ پھر بھی باز نہ آیا تو ہم آپ کا مزید احترام برقرار نہ رکھ سکیں گے۔ جناب ابوطالب نے وعدہ کیا کہ وہ اپنے بھتیجے کو سمجھائیں گے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم جب اپنے محترم چچا کے پاس تشریف لائے تو انھوں نے سارا ماجرا بیان کیا۔ پھر کہا: میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ مجھ میں اب اتنی سکت نہیں کہ تنہا ساری قوم کا مقابلہ کر سکوں۔ اس لیے آپ ان کے معبودوں کے خلاف کچھ کہنا چھوڑ دیں۔ حضور کی ذات جو سراپا رافت و رحمت تھی اس وقت اس کا ایک انوکھا پہلو آشکارا ہوا۔ حضورؐ نے فرمایا: عمِ محترم! اگر اہلِ مکّہ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں پر چاند لا کر رکھ دیں تب بھی میں توحید کی تبلیغ سے باز نہیں آؤں گا۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک یہ دعوت کامیاب ہو جائے یا میری زندگی کے دن پورے ہو جائیں۔

سبحان اللہ! کیا جلال ہے اس جمال میں! اور کیا تمکنت ہے پیکرِ حلم و تواضع کے اس جواب میں۔ ہر مخلص داعی کو اپنی دعوت سے حد درجہ پیار اور محبت ہوتی ہے

Marfat.com

یہی جذبہ رکاوٹوں کی چٹانوں کو ریزہ ریزہ کرتا ہے، کامیابی کی راہ ہموار کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں بھی حضور کی شان نرالی تھی۔ ایک روز محبوب رب العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مصروفِ عبادت تھے۔ بدبخت ابوجہل حضور کو یوں مصروفِ عبادت دیکھ کر آپے سے باہر ہو گیا۔ اور حضور پر حملہ کر دیا اور شدید زدوکوب کیا۔ حضور کے چچا حمزہ ابھی تک مشرف باسلام نہ ہوئے تھے۔ اس روز سارا دن جنگل میں شکار کھیلتے رہے۔ شام کو واپس آئے ہرن مار کر ساتھ لائے۔ اپنی لونڈی کے سامنے اپنی نشانہ بازی اور بہادری کی تعریف کرنے لگے لونڈی نے کہا، حیف ہے تمھاری اس جرات پر، تمھارے بھتیجے کو تو ابوجہل نے مار مار کر لہولہان کر دیا ہے اور تم دن بھر ہرنوں کا شکار کرتے رہتے ہو یہ سن کر خون جوش میں آیا۔ اپنی کمان لے کر ابوجہل کی تلاش میں گئے۔ اسے ڈھونڈا اور اسے خوب مارا۔ دل کی بھڑاس نکالنے کے بعد حضور کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور بتایا کہ میں نے آپ کا بدلہ ابوجہل سے لے لیا ہے۔ اب تو آپ خوش ہیں حضور نے فرمایا: "میں ان باتوں سے خوش نہیں ہوا کرتا"۔ یہ غیر متوقع جواب سن کر حمزہ پر حیرت طاری ہو گئی لیکن قسمت یاور تھی۔ انھوں نے دریافت کیا کہ پھر آپ کس بات سے خوش ہوتے ہیں۔ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم اسلام لے آؤ تو میری خوشی کی انتہا نہ ہو گی۔ اپنی دعوت کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی یہ وابستگی دیکھ کر حضرت حمزہ کی آنکھوں سے غفلت کے پردے ہٹ گئے اور حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

میدانِ جنگ میں فتح یاب ہونے کے بعد ہزیمت خوردہ دشمن سے انتقام نہ

Marfat.com

لینا بے شک عالی ظرفی کی انتہا ہے، لیکن ذرا اُحد کے میدان کی طرف دیکھئے، فتح شکست میں تبدیل ہو چکی ہے، بہادر جان نثاروں کے لاشے بکھرے پڑے ہیں۔ اپنا جسم زخموں سے چور ہے، پھر بھی اولوالعزمی کا یہ عالم ہے کہ اپنے زخمی ساتھیوں کو ساتھ لے کر مکہ کے فتحیاب لشکر پر یلغار فرماتے ہیں اور اس کے تعاقب میں حمرا الاسد تک بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ مکارمِ اخلاق کا یہ وہ پہلو ہے، جس میں حضور کی ہمسری کا کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا۔

قیصر روم نے اسلام کی روز افزوں قوت کو اپنے مستقبل کے لیے خطرہ خیال کیا۔ اور اس نے مدینہ طیبہ پر چڑھائی کے لیے ایک لاکھ کے قریب لشکر تیار کیا تاکہ اس کی نئی قوت کو ابتدائی مرحلہ میں ہی نیست و نابود کر دیا جائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب اس کے ارادے کی اطلاع ملی تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو پسند نہ فرمایا کہ مملکتِ اسلامیہ کا کوئی گوشہ میدانِ جنگ بنے، بلکہ مجاہدینِ اسلام کو ہمراہ لے کر پیش قدمی کرتے ہوئے دشمن کے علاقہ میں تبوک کے مقام تک پہنچ گئے اور وہاں اپنے خیمے نصب کر دیئے۔ قیصر پر ایسا رعب طاری ہوا کہ وہ حضور نبی رحمت ؐ کے ساتھ جنگ کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔ کچھ عرصہ وہاں قیام فرما رہنے کے بعد حضور مظفر و منصور مرکز اسلام مدینہ طیبہ میں مراجعت فرما ہوئے۔

خلقِ عظیم کے اس پیکرِ جمیل کی رعنائیاں آج بھی قلب و نظر کو شکار کر رہی ہیں اور افسردہ جذبات کو نئی توانائیاں بخش رہی ہیں اور مردہ دلوں کو نئی زندگی عطا کر رہی ہیں۔ اسی کی برکت ہے کہ امت کے ہر طبقہ میں ہمیں اخلاق کی ایسی بلندیاں نظر آتی ہیں جن کی مثال چشمِ فلک پیر کو اور کہیں نظر نہیں آتی۔

Marfat.com

اگرچہ شام، فلسطین، لبنان، اردن وغیرہ علاقوں کو قیصر روم کے تسلط سے عہدِ فاروقی میں آزاد کرا لیا گیا تھا لیکن رومی سلطنت کی سرحدیں مملکتِ اسلامیہ کی سرحد کے ساتھ دور دور تک چلی گئی تھیں۔ اور رومی حکومت سے اکثر و بیشتر جنگ و جدال کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ سلجوقی فرمانروا الپ ارسلان کے دور میں مائیکل ہفتم قیصر روم کے ساتھ تعلقات ازحد کشیدہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ نوبت بجنگ رسید۔ قیصر کے لشکر کی تعداد ایک لاکھ تھی، جب کہ الپ ارسلان کی فوج صرف پندرہ ہزار مجاہدین پر مشتمل تھی۔ ارسلان نے چاہا کہ جنگ کی نوبت نہ آئے اور مصالحت کی کوئی صورت نکل آئے، لیکن قیصر کو اپنی قوت اور لشکر کی کثرت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ اس نے مصالحت کی ساری کوششیں ناکام بنا دیں۔

آخر کار جنگ شروع ہوئی، گھمسان کا رن پڑا۔ ارسلان کے مجاہدین نے قیصر کے لشکر جرار کو شکست فاش دی اور قیصر کو گرفتار کر لیا۔ مائیکل ہفتم جب ایک جنگی قیدی کی حیثیت سے الپ ارسلان کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ تو الپ ارسلان نے اس کی عزت و تکریم کی حد کر دی۔ بڑے احترام سے اسے پاس بٹھایا پھر اس سے پوچھا کہ اگر تم میری جگہ ہوتے اور مجھے تمھارے سامنے جنگی قیدی کی حیثیت سے پیش کیا جاتا تو تم میرے ساتھ کیا سلوک کرتے۔ قیصر نے کہا کہ میں دُرّوں سے تمھاری کھال ادھیڑ دیتا۔ الپ ارسلان نے اس کا یہ گستاخانہ جواب سن کر صرف اتنا کہا کہ بے شک مسلمان اور عیسائی میں یہی فرق ہے۔ اس کے بعد بڑی عزت و احترام کے ساتھ قیمتی تحائف دے کر اسے آزاد کر دیا اور اس کا مفتوحہ علاقہ بھی اس کو واپس کر دیا۔

سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سالہا سال صلیبی حملہ آوروں

Marfat.com

سے نبرد آزما رہے۔ ایک دفعہ انگلستان کے بادشاہ رچرڈ جسے شیر دل کہا جاتا تھا سے معرکہ کارزار گرم تھا سلطان نے دیکھا کہ رچرڈ کا گھوڑا مارا گیا ہے اور وہ بیدل مصروف قتال ہے۔ اسی وقت اپنے اصطبل سے ایک قیمتی اصیل گھوڑا منگوایا اور رچرڈ کی طرف بھیجا تاکہ وہ اس پر سوار ہو کر سلطان کا مقابلہ کرے۔

قوموں کے سیاسی زوال سے پہلے ان کا اخلاقی انحطاط شروع ہوتا ہے جو بالآخر انھیں ایوانِ اقتدار سے نکل جانے پر مجبور کر دیتا ہے۔ ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے اسی طرح قوموں کا سیاسی عروج تب شروع ہوتا ہے، جب ان کے اخلاق میں بلندی اور سیرت میں پختگی آجاتی ہے۔ جس قوم کے سامنے نبی رحمت صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہو، وہ کیوں بادیۂ ضلالت میں بھٹکتی رہے۔ اللہ تعالے ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنے ہادیٔ برحق نبی کریم رحمۃ للعالمین صلے اللہ تعالے علیہ وسلم کے اخلاقِ حمیدہ کو اپنا کر کھویا ہوا مقام حاصل کر سکیں۔

عزت مآب جنابِ حکیم حافظ محمدؐ سعید صاحب ساری ملت کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ ان بدلے ہوئے حالات میں انھوں نے دعوتِ حق کا ایک اچھوتا انداز اختیار کیا ہے جو باوقار بھی ہے اور اثر انگیز بھی۔ وہ ہر سال ایک موضوع منتخب کرتے ہیں اور ملک کے معروف دانشوروں اور علماء کرام کو اس موضوع پر اظہارِ خیال کی دعوت دیتے ہیں اور یہ اجلاس ایسے مقامات پر منعقد کیے جاتے ہیں جہاں وہ لوگ بھی شرکت کرنے میں خوشی محسوس کرتے ہیں جو وعظ و ارشاد کی دیگر محافل میں شرکت کرنے سے بوجوہ گریزاں رہتے ہیں۔ قوم کے اخلاقی انحطاط کو سنبھالا دینے کے لیے اس سال کے لیے انھوں نے "آوازِ اخلاق" کا عنوان تجویز فرمایا۔ فقیر ذاتی طور پر

Marfat.com

ان کا سپاس گزار ہے کہ انھوں نے اس باوقار محفل میں مجھے اظہارِ خیال کا موقع بخشا۔
بارگاہِ الٰہی میں صدقِ دل سے دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالےٰ محترم حکیم صاحب کی مساعی جمیلہ کو ثمر بار کرے اور انھیں مزید توفیقات سے بہرہ ور فرمائے، اور انھیں اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

آمین، ثم آمین بجاہ طٰہٰ و یٰسین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

Marfat.com

اتّباعِ سُنّتِ نبویؐ

قرآن کی روشنی میں

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن حکیم میں ایسی بے شمار آیتیں ہیں جن میں علیم و خبیر خدا نے اپنی مخلوق کو اپنے اس برگزیدہ بندے اور مقبول رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی غیر مشروط اطاعت کا حکم دیا ہے اور بارہا تنبیہ بھی فرمائی ہے کہ جس نے اس کی فرماں برداری سے انحراف کیا وہ اپنے پروردگار کا باغی ہے، اس کے انعامات سے محروم اور اس کے غیظ و غضب کا سزاوار ہے چند آیات ملاحظہ ہوں:

پہلی اور دوسری دلیل

(۱) قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ط (آل عمران)

(اے میرے رسول!) تم فرماؤ: اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو تاکہ محبت کرے تم سے اللہ اور تمہارے گناہ بخش دے۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(۲) قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ٥

(اے میرے رسول!) تم فرماؤ، حکم مانو اللہ کا، اور رسول کا۔ پھر اگر وہ اعتراض کریں تو اللہ کی کافروں سے محبت نہیں ہے۔

Marfat.com

یہ ہے قرآنِ پاک کی آیاتِ بیّنات کا اعجاز کہ ان کے سامنے شک اور ارتیابات کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور حقیقت اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ بے نقاب ہو جاتی ہے، ان دو آیتوں پر غور کیجئے کہ اللہ تعالے کیا فرماتا ہے۔ ارشاد ہے:

وہ لوگ جو میرے محبوب رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہیں کرتے، اس کے نقشِ پا کو اپنا خضرِ راہ نہیں بناتے اور اس کے ارشادات کے سامنے سَمِعۡنَا وَ اَطَعۡنَا کہتے ہوئے سرِ تسلیم خم نہیں کر دیتے، اور پھر کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمارے دل تیری محبت سے سرشار اور سینے تیرے نورِ عشق سے معمور ہیں، وہ جھوٹے ہیں، ان کا تو مجھ سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اگر واقعی انھیں مجھ سے الفت ہے تو میرے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا اتباع کریں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ میں بھی ان سے محبت کرنے لگوں گا، یعنے پہلے وہ صرف محب تھے اور اس دعوئ محبت کی صداقت پر ان کے پاس کوئی دلیل بھی نہیں تھی، لیکن جب میرے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا شرف انھیں حاصل ہو جائے گا، تو ان کا دعوئ محبت بھی مسلم اور انھیں خلعتِ محبوبیّت بھی مبارک۔

محبوبیت حقیقت میں خدا تعالیٰ اور رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری میں پختگی اور ثبات کا نتیجہ ہے۔ اسی حقیقت کی طرف تو حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے اپنے اس شعر میں اشارہ کیا ہے ؎

چوں تمام افتد، سراپا ناز می گردد نیاز
قیس را لیلیٰ ہمے نامند در صحرائے من

محبتِ الٰہی کی وضاحت

اس آیت کریمہ میں تحبون اللہ اور یحببکم اللہ کے الفاظ میں محبت کا جو ذکر کیا گیا ہے، اس پر اگر مزید غور کیا جائے تو حقیقت یوں اُجاگر ہو جاتی ہے کہ پھر کسی کو مجالِ انکار نہیں رہتی۔

محبت کیا ہے؟ بندے کی محبت اللہ تعالیٰ سے کیسی ہوتی ہے؟ اور اللہ تعالےٰ کی محبت اپنے بندے سے، کا کیا معنی ہے؟

محبت کہتے ہیں اس کشش اور میلان کو جو دل میں کسی باکمال ہستی کی طرف پیدا ہوتا ہے خواہ وہ کمال جمالِ معنوی ہو یا صوری، حسن ظاہری ہو یا حسن سیرت و شمائل اور یہ جذبہ اسے اس ہستی سے قریب تر ہونے کے لیے بے تاب رکھتا ہے۔

بندہ جب یہ سمجھ لیتا ہے کہ گلستانِ حسن وخوبی کی ہر کلی اور ہر پتی پر اس ذاتِ احدیت کا جمال جلوہ طراز ہے اور آنکھ جو کمال کہیں اور کسی شکل میں دیکھتی ہے، اس کا سرچشمہ وہی ذاتِ صمدیت ہے تو اس کے عشق ومحبت اور اجلال واحترام کی محرابوں کے مصنوعی صنم پاش پاش ہو جاتے ہیں اور اس کے ان تمام جذبات کا مرکز صرف وہی ایک ذات رہ جاتی ہے۔ اس کا یہ جذبہ کیونکہ ایجابی ہوتا ہے۔ اس لیے اپنے محبوبِ حقیقی کی عبادت اور اطاعت میں عملی طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ جذب نہاں کی اسی نمود اور ظہور کو مَحَبَّۃُ الْعَبْدِ لِلّٰہِ (بندے کی اللہ سے محبت) کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اگر خلوص نیت اور عزمِ صادق کی زاد لے کر وہ راہ عشق پر چل نکلے گا تو بارگاہِ

Marfat.com

ربوبیت سے جلد ہی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ (اللہ تعالٰے ان سے راضی اور وہ اللہ تعالٰی سے راضی) کی نوید جانفزا سامع نواز ہوتی ہے۔ اسی سرفرازی اور پذیرائی کو "اللہ تعالٰے کی اپنے بندے سے محبت" کہا جاتا ہے۔

دلِ عاشق میں وصالِ حبیب کے لیے بیقراری کی جو آگ بھڑک رہی ہوتی ہے وہ اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ کوئی ایسی صورت نکالے خواہ جان پر ہی کیوں نہ کھیلنا پڑے جس سے وصال میسر ہو۔ اب اگر اللہ تعالٰے اپنے عاشقانِ دل فگار کی راہنمائی نہ فرمائے تو یہ ناممکن ہے کہ وہ اپنے عقل و فکر کی قوت سے قربِ الٰہی حاصل کر سکیں کیونکہ ان کی عقل کتنی ہی روشن ہو بہرحال محدود ہے۔ ان کا فکر کتنا ہی بلند پرواز ہو، بہرحال انسانی فکر ہے۔ اسی لیے رب العالمین نے اپنا رسول بھیجا اور تمام دنیا والوں کو بتا دیا کہ اگر میری رضا و قرب کے خواہشمند ہو اور میرے وصال کے طلب گار ہو تو گمان و تخمین کی دلدلوں میں نہ بھٹکتے پھرو بلکہ میرے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑ لو۔ اس کے بتائے ہوتے طریقے پر میری یاد کرو۔ اس کے سکھلائے ہوئے اسلوب پر میری عبادت کرو۔ اپنی اقتصادی، سیاسی اخلاقی اور معاشرتی مشکلات کو اس کے ارشادات کے مطابق حل کرو۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا	اے ایمان والو! اسلام میں مکمل طور پر
فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً وَ لَا	داخل ہو جاؤ۔ اور شیطان کے قدموں
تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّہٗ	پر مت چلو۔ بے شک وہ تمھارا کھلا
لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ (البقرہ)	دشمن ہے۔

یہی میری رضامندی کے حصول کا واحد ذریعہ ہے اور صرف اسی طرح تمھیں میرا

قرب حاصل ہو سکتا ہے۔

اب اگر کوئی محبتِ الٰہی کا مدعی ہونے کے باوجود اللہ تعالےٰ کے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہیں کرتا یا تو وہ نادان ہے یا وہ اپنے دعویٰ محبت میں جھوٹا ہے۔

اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اتباعِ نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی مزید برکات کا بھی ذکر فرمایا کہ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ کہ اطاعتِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی برکت سے تمھارے گناہ بخش دیئے جائیں گے، تمھاری لغزشوں اور کوتاہیوں پر قلمِ عفو پھیر دیا جائے گا۔ یہ تو سب جانتے ہیں کہ قوموں پر خدائے قہار کا عذاب ان کے گناہوں اور بدکرداریوں کی وجہ سے نازل ہوتا ہے۔ قیامت خیز قحط، ہلاکت آفریں جنگیں اور تباہ کن امراض کے شکنجہ میں قدرت بلاوجہ نہیں کس دیتی بلکہ یہ انسان کی اپنی بداعمالیوں کا طبعی ردِّ عمل ہوا کرتا ہے۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ	یہ بدلہ ہے اسی کا جو تم نے آگے بھیجا
وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ	اپنے ہاتھوں اور اللہ تعالےٰ اپنے بندوں
لِّلْعَبِيْدِ ؕ	پر ہرگز ظلم نہیں کرتا۔

لیکن اطاعتِ رسولِ عربی وہ اکسیر ہے، جس سے جاں بلب مریض شفایاب ہو جاتا ہے۔ اس کے اعجاز سے ان قوموں کو تاجِ سروری عطا کیا جاتا ہے جو قعرِ مذلت میں مدتوں سے پڑی سڑ رہی ہوتی ہیں، اسی کے صدقے ان امتوں کو حیاتِ نو اور ذوقِ عمل مرحمت کیا جاتا ہے، جو اپنی سست گامی سے زندگی کی دوڑ میں شکست کھا چکی ہوتی ہیں ؎

Marfat.com

تو چناں ہمائی اے جاں کہ بزیرِ سایہ تو
بکف آورند زاغاں ہماں خلعتِ ہمائی

ایک قلبِ سلیم کے لیے تو اس روشن دلیل اور واضح برُہان کے بعد کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں لیکن دبیرِ ازل کے قلمِ معجزہ نگار نے کیونکہ اس مضمون کو مختلف اداؤں سے پیش فرمایا ہے، اس لیے ان سے متمتع ہونا بھی عین سعادت ہے۔

تیسری دلیل

اللہ تعالیٰ سورہ النسا، پارہ چہارم میں ارشاد فرماتا ہے:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ	یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں اور جو حکم
يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ	مانے اللہ اور اس کے رسول کا، اللہ
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ	اسے باغات میں لے جائے گا، جن
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ	کے نیچے نہریں رواں ہیں۔ اور یہی بڑی
الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ط	کامیابی ہے۔

یہ دنیا دار العمل ہے اور ہمارا عقیدہ ہے کہ قیامت کے روز تمام مخلوقات کو پھر زندہ کیا جائے گا، اور ان کے اعمالِ نیک و بد کا محاسبہ ہو گا۔ اطاعت کیش اور پاکباز جنت کی ابدی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے اور سرکشوں اور متکبروں کو دوزخ کا ایندھن بنایا جائے گا۔ اس جہاں میں ہمارا مقصدِ زلیست شوکت وسطوت، جاہ و منصب اور عیش و نشاط کے حصول تک محدود نہیں، گو ہم ان سے دست کش ہونا بھی کفرانِ نعمت سمجھتے ہیں۔ ہمارا عقابِ ہمت اس عالمِ آب و گل کے کوہستانوں میں

Marfat.com

آشیانہ نہیں بناتا۔ اس کا نشیمن تو فردوس اعلیٰ کی سب سے اونچی چوٹی ہے۔

ہماری حقیقی کامیابی یہی ہے کہ ہم قیامت کے روز بارگاہِ الٰہی میں سرخرو ہوں، اور اس کا طریقہ اللہ تعالےٰ نے یہی بتایا ہے کہ اس کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اور یہی سب سے بڑی کامرانی کی علت عامہ ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کے سرمدی انعامات کے مستحق صرف وہی خوش نصیب ہیں جنھوں نے فرمانِ مصطفوی کو دل وجان سے تسلیم کیا۔

چوتھی دلیل

اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی گوناں گوں برکات بیان کرنے کے ساتھ حضور کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے روکا۔ سورہ مجادلہ میں ارشاد ہے

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا	اے ایمان والو! جب تم آپس میں مشورہ
تَنَاجَیْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ	کرو، تو گناہ کرنے، حد سے بڑھنے
وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ	اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی
وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰی	کا مشورہ نہ کرو اور نیکی اور پرہیزگاری کا
وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْٓ اِلَیْہِ	مشورہ کرو اور اللہ سے ڈرو جس کی
تُحْشَرُوْنَ ؕ	طرف اٹھائے جاؤ گے۔

دیکھئے اللہ تعالےٰ کس دلکش اور محبت بھرے انداز میں مسلمانوں کو ایسی سرگوشیوں سے روکتے ہیں، جن میں فسق تعدی اور فخر الرسل صلے اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی سازش کی جائے اور ساتھ ہی تنبیہ جاری فرمادی کہ یہ تمھاری سرگوشیاں مجھ سے اوجھل نہیں۔ اگر تم باز نہ آئے

Marfat.com

تو قیامت کے دن تمھیں رسوا کیا جائے گا۔

اسلامی حکومتوں کے اربابِ حل و عقد، مجالسِ دستور ساز کے ارکان، مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے ممبران اس آیت کو بار بار پڑھیں اور غور کریں کہ اللہ تعالےٰ نے کس وضاحت سے اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ سنتِ نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کوئی آئین یا قانون بنانے کا انھیں کوئی اختیار نہیں۔ اسلامی مملکت کے صدر، وزیرِ اعظم اور افسران کسی خود ساختہ مصلحت کی وجہ سے ترکِ سنت کے مجاز نہیں۔

پانچویں دلیل

کئی مقامات پر رب العزت نے دوزخ کی آگ میں جلنے والوں اور عذابِ خداوندی میں گرفتار بدنصیبوں کا ذکر فرمایا کہ اس وقت ان کی آنکھیں کھلیں گی اور وہ اس وقت کفِ افسوس ملتے ہوئے اور اشک ندامت بہاتے ہوئے نہایت حسرت سے اپنے جرم کا اعتراف بدیں الفاظ کریں گے۔

یَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِی	جس دن ان کے منہ الٹ الٹ کر آگ
النَّارِ یَقُوْلُوْنَ یٰلَیْتَنَا	میں تلے جائیں گے، کہتے ہوں گے،
اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا	کاش! ہم نے خدا کی اطاعت کی ہوتی
الرَّسُوْلَا ط (الاحزاب ۶۶)	اور رسول کی اطاعت کی ہوتی۔

ع ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

چھٹی دلیل

اور کہیں گے جب کہ ان کا یہ کہنا انھیں کوئی نفع نہ دے گا:

Marfat.com

يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	اس دن تمنا کریں گے وہ جنھوں نے کفر
وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى	کیا اور رسول کی نافرمانی کی۔ کاش انھیں
بِهِمُ الْاَرْضُ وَلَا يَكْتُمُوْنَ	مٹی میں دبا کر زمین ہموار کر دی جائے اور
اللّٰهَ حَدِيْثًا ؕ (النساء: ۴۲)	وہ کوئی بات اللہ سے چھپا نہ سکیں گے۔

ساتویں دلیل

مندرجہ ذیل آیت سورہ توبہ کی ہے۔ آپ اسے پڑھیے اور غور کیجیے کہ ان لوگوں پر اللہ تعالےٰ کی ناراضگی اور غضب کا کیا عالم ہے جو نورِ مجسم ہادیٔ اعظم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حرام کردہ اشیاء کو حرام نہیں سمجھتے اور فرزندانِ توحید کو انھیں کون سی سزا دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ	لڑو ان سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ
بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا	پر اور قیامت پر اور حرام نہیں مانتے
يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ	اس چیز کو جس کو حرام کیا اللہ اور اس
وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ	کے رسول نے اور سچے دین کے تابع
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى	نہیں ہوتے، یعنی وہ جو کتاب دیے گئے
يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ	جب تک اپنے ہاتھ سے جزیہ نہ دیں
صٰغِرُوْنَ۔ (توبہ: ۲۹)	ذلیل ہو کر۔

اللہ تعالیٰ نے نہایت کھلے طور پر یہ بیان کیا ہے کہ قرآنِ کریم کی اطاعت اور سنت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت مساوی طور پر فرض ہے اور جو سزا

Marfat.com

قرآن سے سرتابی کرنے والے کی ہے اسی سزا کا مستحق سنتِ نبوی کا منکر ہے۔

آٹھویں دلیل

وَ اِذَا قِیْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا	اور جب ان کو (جو بظاہر میں مسلمان
اِلٰی مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَ	ہونے کے مدعی ہیں) کہا گیا ہے کہ آؤ
اِلَی الرَّسُوْلِ رَاَیْتَ	اس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل فرمائی
الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ	ہے اور اس کے رسول کی طرف تو تم
عَنْکَ صُدُوْدًا۔	نے دیکھا منافق لوگوں کو، وہ تم سے دور
(النساء: ۶۱)	ہٹتے ہیں۔

قرآن کی اصطلاح میں وہ بھی منافق ہے جو حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کو ماننے سے انکار کرتا ہے۔ یعنی کوئی مسلمان تو سنت سے انحراف کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ سنت سے انحراف تو فقط منافقین کا شیوہ ہے۔

نویں دلیل

کیونکہ اطاعتِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم رشد و ہدایت کی کفیل ہے۔ اسی لیے انسان روزِ محشر کی ندامت سے محفوظ ہو سکتا ہے۔ یہی بات جنت کی کلید ہے، اسی لیے اللہ تعالے نے اپنی رحمتِ وسیع کا حق دار انھیں لوگوں کو ٹھہرایا ہے جو اطاعتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں کوشاں رہتے ہیں۔

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ	اور میری رحمت شامل ہے ہر چیز کو

Marfat.com

فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَ	سو اس کو لکھ دوں گا ان کے لیے جو
يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ	متقی ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری
هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ اَلَّذِيْنَ	باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور وہ لوگ جو
يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ	پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی اُمی
الْاُمِّيَّ۔ الخ (الاعراف ۱۵۶، ۱۵۷)	ہے۔ الخ

اطاعت اور اتباع کے معانی کی تحقیق

کیونکہ ان تمام آیات میں جہاں نبیِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کا حکم ہے۔ اطاعت اور اتباع کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ بحث ختم کرنے سے پہلے لفظ "اطاعۃ، اتباع" کی تحقیق کر لینی چاہیئے تاکہ کسی قسم کا لفظی نزاع بھی کسی غلط فہمی کا باعث نہ بنے۔

عربی زبان میں اتباع کہتے ہیں کہ کسی شخص کے پیچھے پیچھے چلنا۔ چنانچہ ابن منظور نے اپنی لغت کی شہرۂ آفاق کتاب "لسان العرب" میں اس کی یوں تحقیق کی ہے۔

قَالَ الْفَرَّآءُ الْاِتِّبَاعُ	فرا (لغت و نحو کے امام) نے کہا کہ
اَنْ يَّسِيْرَ الرَّجُلُ وَ	اتباع کا معنی یہ ہے کہ کوئی شخص آگے
اَنْتَ تَسِيْرُ وَرَآئَهٗ وَ	آگے چل رہا ہو۔ اور تو اس کے پیچھے
اِذَا قُلْتَ اِتَّبَعْتُهٗ	پیچھے چلے اور اگر تو کہے کہ میں نے اس
فَكَاَنَّكَ قَفَوْتَهٗ۔	کا اتباع کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ
(لسان العرب)	تو اس کے پیچھے پیچھے اور اس کے

Marfat.com

(فصل التاء من باب العین) نفس قدم پر چلا۔

صاحب تاج العروس نے اس مفہوم کو ذکر کرنے کے ساتھ چند ایک اور الفاظ بھی لکھے ہیں، جن سے "اتباع" کا معنی اور زیادہ واضح اور روشن ہو جاتا ہے مثلاً:

اَلتُّبَّعُ وَ کَذٰلِکَ التُّبَّعُ کَسُکَّرٍ الظِّلُّ سُمِّیَ بِہٖ لِاَنَّہٗ یَتْبَعُ الشَّمْسَ حَیْثُمَا زَالَتْ وَ مِنَ الْمَجَازِ التُّبَّعُ ضَرْبٌ مِنَ الْیَعَاسِیْبِ اَعْظَمِہَا وَ اَحْسَنِہَا۔ (تاج العروس فصل التاء من باب العین)	التُّبُّع اور التُّبَّع جن کا مادہ اشتقاق تبع ہے، کا معنی سایہ ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سورج کے پیچھے پیچھے رہتا ہے، اور التبع مجازاً شہد کی مکھیوں کے سب سے اعلیٰ اور بہتر نر کو بھی کہتے ہیں (کیونکہ شہد کی مکھیاں اس کے پیچھے پیچھے رہتی ہیں۔

اور اس کا اصطلاحی معنی امام ابوالحسن الآمدی نے یوں بیان کیا ہے:

وَ اَمَّا الْمُتَابَعَۃُ فَقَدْ تَکُوْنُ فِی الْقَوْلِ وَ قَدْ تَکُوْنُ فِی الْفِعْلِ وَ التَّرْکِ، فَالْاِتِّبَاعُ الْقَوْلِ ھُوَ اِمْتِثَالُہٗ عَلَی الْوَجْہِ الَّذِیْ اِقْتَضَاہُ الْقَوْلُ، وَ الْاِتِّبَاعُ فِی الْفِعْلِ ھُوَ التَأَسِّی بِعَیْنِہٖ وَ التَأَسِّی اَنْ تَفْعَلَ مِثْلَ	متابعت کبھی کسی کے قول کی ہوتی ہے اور کبھی کسی کے فعل و ترک کی۔ کسی کے قول کے اتباع کا معنی تو یہ ہے کہ اپنے متبوع کی اس طرح فرمانبرداری کی جائے۔ جس طرح اس کے قول کا تقاضا ہو اور کسی کے فعل کے اتباع کا معنی یہ ہے کہ اس کے اس فعل کو اس طرح کیا جائے جس طرح وہ کرتا ہے اور اس لیے

Marfat.com

فِعْلِہٖ عَلٰی وَجْہِہٖ مِنْ اَجْلِہٖ۔ کیا جائے کیونکہ وہ کرتا ہے۔ (الاحکام فی اصول الاحکام ۸۸، ۸۹)

اتباع کی لغوی اور اصطلاحی تحقیق سے یہ واضح ہوا کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اتباع کے متعلق جو ہمیں اللہ تعالٰے نے حکم فرمایا ہے اس کی تعمیل صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال پر اس طرح عمل کریں جیسا ان اقوال کا تقاضا اور منشا ہے اور حضور کے افعال کو اس طرح ادا کریں، جس طرح حضور نے ادا فرمائے اور اس لیے ادا کریں کیونکہ حضور پُر نور نے ان افعال کو ادا فرمایا۔ اگر ہم حضور کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر اس طرح عمل نہ کریں، جیسے ان کا تقاضا ہے یا افعالِ رسالت کو اس طرح ادا نہ کریں جیسے حضور نے ادا کئے یا اس لیے ادا نہ کریں کہ حضور اکرم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے انھیں ادا کیا تو پھر اتباع نبوی سے جس کا ہمیں اللہ تعالٰے نے بارہا حکم فرمایا ہے۔ ہم محروم رہیں گے۔

اتباع' کا معنی سمجھ لینے کے بعد اب ذرا لفظ "اطاعۃ" پر غور فرمائیے:

عربی زبان میں "اطاعۃ" کسی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینے اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کرنے کو کہتے ہیں، چنانچہ "لسان العرب" میں ہے:

وَفِی التَّھْذِیْبِ وَ قَدْ طَاعَ لَہٗ یَطُوْعُ اِذَا انْقَادَ لَہٗ بِغَیْرِ اَلِفٍ فَاِذَا مَضٰی لِاَمْرِہٖ

تہذیب (لغت کی ایک مستند کتاب) میں ہے کہ قد طاع لہ یطوع (جب کہ ثلاثی مجرد ہو) کا معنی ہے کسی کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا اور جب

Marfat.com

فَقَدْ اَطَاعَ ۔	کوئی کسی کے حکم کی تعمیل کرے تو کہتے ہیں
(لسان العرب)	(قد اطاعہ) یعنی اس نے اس کی
(فصل الطآء من باب العین)	اطاعت کی ۔

اور اطاعت کا اصطلاحی معنی امام ابوالحسن الآمدی نے یہ لکھا ہے :

وَمَنْ اَتیٰ بِمِثْلِ فِعْلِ	یعنی جب کوئی شخص کسی دوسرے کی عزت
الْغَیْرِ عَلیٰ قَصْدِ اِعْظَامِہٖ	واحترام کے باعث بعینہٖ اس کے فعل
فَهُوَ مُطِیْعٌ لَہٗ ۔	کی طرح کوئی فعل کرے تو کہتے ہیں کہ یہ
(الاحکام فی اصول الاحکام ج ا ص۹۱ طبع صبیحی)	شخص فلاں شخص کا مطیع ہے ۔

تو گویا اہلِ عرب جن کی زبان میں قرآن کریم نازل ہوا " اطاعۃ " کا لفظ اس وقت استعمال کرتے ہیں جب کہ کسی کے حکم کی تعمیل کی جائے اور اس کی عزت و احترام کی وجہ سے بعینہٖ ایسا کام کیا جائے جیسا اس کام کو وہ معزز و محترم شخص کرتا ہے۔

اطاعتِ رسول کے حکم الٰہی کی تعمیل کی واحد صورت

اب جن آیاتِ قرآنی میں اطاعت و اتباع رسول کی بار بار تاکید کی گئی ہے ان پر عمل تو فقط اسی صورت میں ہوگا کہ آپ ایسا کریں جیسے وہ رسول کرتا ہے یعنی جیسے وہ نماز پڑھتا ہے۔ اسی طرح انہیں اوقات پر اتنی ہی رکعتیں ادا کریں، حج کی جو عملی تصویر وہ پیش کرتا ہے بعینہٖ اس کا چربہ اتاریں۔ زکوٰۃ کے نصاب اس کی شرح وغیرہ کے جو اصول اس نے سکھائے ہیں بلا چون و چرا ان پر عمل پیرا رہیں۔ لین دین، نکاح و طلاق، اخلاق و معاشرت کے جو ضوابط اس نے مقرر فرمائے ہیں ان پر بطیبِ خاطر کاربند رہیں۔ اگر

Marfat.com

آپ ایسا کریں تو واقعی آپ نے اس کی متابعت کی اور اپنے رب کا حکم مانا، لیکن اگر آپ ایسا نہیں کرتے بلکہ اپنی فہم و دانست کے مطابق تعلیماتِ اسلامی کو نت نئی شکلوں میں پیش کر کے اپنے شوقِ تجدید پسندی کی تسکین کا سامان فراہم کرتے ہیں تو یہ بلاشبہ اتباعِ ہوس و اطاعتِ نفس تو ہو گی لیکن آپ اسے کسی تاویل کی قوت سے بھی اطاعتِ رسول اور اتباعِ سنت نہیں کہہ سکتے۔

اب ان حضرات کی خدمت میں مؤدبانہ التماس ہے جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کے منکر ہیں کہ اللہ تعالےٰ تو اپنی کلامِ پاک میں جسے وہ بھی قیامت تک کے لیے غیر تغیر پذیر مانتے ہیں اور اس کی مقرر کردہ جزئیات کو بھی غیر متبدّل تسلیم کرتے ہیں، یہ فرماتا ہے:

گناہوں کی آمرزش چاہتے ہو تو میرے رسول کی اطاعت کرو۔

میری محبت کے دعویدار ہو تو میرے رسول کی اطاعت کرو۔

جنت کے طلب گار ہو تو میرے رسول کی اطاعت کرو۔

میرے محبوب بننا چاہتے ہو تو میرے رسول کی اطاعت کرو۔

میرے دامنِ رحمت میں پناہ لینا چاہتے ہو تو میرے رسول کی اطاعت کرو۔

اور جس وقت تمھیں کسی خطۂ زمین میں غلبہ و تمکین عطا فرماؤں اور تم مجالسِ دستور ساز میں وضعِ آئین و قوانین کے لیے اکٹھے ہو تو میرے رسول کی اطاعت کرو ———

——— ورنہ ———

قیامت کے دن ہونٹ کاٹو گے، اپنے تمرّد و سرکشی پر پچھتاؤ گے، اپنے وجود تک سے بیزاری کا اظہار کرو گے ——— لیکن کوئی عذر نہیں سنا جائے گا۔

Marfat.com

اور یہ حضرات کہتے ہیں کہ نہیں اب ہمیں خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والثنا کی اطاعت کی ضرورت نہیں، اطاعتِ رسول کا زمانہ ختم ہوگیا۔ اب ہمارا حکم واجب التعمیل ہے اور ہماری سنت قابلِ تقلید۔

قرآن کے اصولوں اور اس کی تفصیلات کو اٹل اور دائمی کہنے والے اب ان آیات کے متعلق کیا کہتے ہیں، کیا یہ آیتیں ان کے نزدیک قرآن پاک کی نہیں؟ کیا یہ اللہ تعالےٰ کا نازل فرمایا ہوا کلام نہیں؟ ان کو وہ کیوں غیر متبدل نہیں سمجھتے؟ کیا یہ آیاتِ محکمات منسوخ ہوچکی ہیں؟ یا ان کے معانی بدل چکے ہیں؟ ایک مفتری نے حرمتِ جہاد کا فتویٰ جاری کرکے امتِ مصطفویؐ کے قوائے عمل و نشاط کو مفلوج کرنا چاہا تھا تاکہ اپنے محسن آقا کے سامنے اپنی نیازمندی اور وفاداری کا ثبوت پیش کرسکے، جس کے فکرِ فتنہ ساز نے اس کے لیے نبوت تخلیق کی۔ جس کے دجل و فریب سے اس کے باطل کو تقویت ملی جس کے مکر و خداع نے اسے دامِ ہمرنگ زمین بخشا۔ اور جس کی بخشش ہائے بے اندازہ نے اسے مال و جاہ کے پجاریوں کا قاضی الحاجات بنا دیا۔

لیکن زمین و آسمان کا خدا شاہد ہے کہ وہ اپنی دسیسہ کاریوں میں ناکام رہا۔ امتِ محمدیہ کے دلوں سے جہاد کا جذبہ مٹ نہ سکا، راہِ حق میں مرنے کی تڑپ کم نہ ہوئی اسلام کا پرچم بلند رکھنے کے عزم میں ضعف نہ آیا، میدانِ سرفروشی میں نعرۂ توحید بلند ہوتا رہا اور شہادت گاہِ عشق میں آقائے بدر و حنین کے غلام اپنا دل و جان نثارِ آبروئے جاناں کرتے ہی رہے اور جب تک چشمِ آفتاب روشن ہے وہ یہ نظارہ دیکھتی رہے گی۔

Marfat.com

اب یہ ملت کے نئے دردمند اور یہی خواہ صرف ایک چیز سے نہیں بلکہ اسلام کے ان تمام اصولوں کو ناقابلِ عمل ثابت کرنے کے لیے کوشاں ہیں، جن کا سرچشمہ ذاتِ محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم قرآن کو مانتے ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ اس کے احکام میں رد و بدل ناممکن ہے، لیکن اگر وہی قرآن کہتا ہے کہ اللہ تعالے کے پیارے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کرو اور صرف ایک بار نہیں بلکہ سینکڑوں بار کہتا ہے تو پروا نہیں کرتے اور یہی کہتے ہیں کہ نہیں اطاعت رسول کا زمانہ ختم ہوگیا۔ اب ہم پر بلکہ ساری امت پر رسول کی اطاعت فرض نہیں رہی۔ سچ تو یہ ہے کہ دامن مصطفوی ہاتھ سے چھوٹنے کے بعد کوئی کتنا ہی چابکدست ہو، حبل اللہ (قرآن) کو نہیں تھام سکتا۔ جن کے لیے نفس پائے مصطفیٰ دلیلِ راہ نہیں ان کے لیے سروشِ غیب بھی بے معنی ہے۔

تجربہ شاہد ہے کہ نبیِ کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی سنتِ تشریعی (سنتِ طبعی نہیں) میں جو اصول اور جو احکام مذکور ہیں، زمانے کے بدلتے ہوئے احوال اس کے دامنِ ابدیت کو نہیں چھو سکتے۔ شب و روز کا غیر منقطع تسلسل ان کی زندگی بخش اور شباب آفریں قوتوں کو مضمحل نہیں کرسکتا۔ گردشِ لیل و نہار ان کی افادیت اور صلاحیت پر اثر انداز نہیں ہوسکتی ہے۔ ہمارا یقین محکم ہے کہ قرآن کریم کے دوسرے اصول اور تفصیلات جس طرح ابدی اور دائمی ہیں، اسی طرح اطاعتِ رسالت کے متعلق جو حکم ہے وہ بھی قیامت تک کے لیے واجب العمل ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

قرآن

کتابِ انقلاب

مقدمہ ضیاء القرآن سے

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ

(ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں نازل کیا)

رحمٰن و رحیم پروردگار نے اپنے بندوں کی راہنمائی اور ان کی حقیقی فلاح و کامرانی کے لیے جو صحیفہ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کے قلبِ منیر پر نازل فرمایا اسے ہم قرآن مجید کے نام سے جانتے ہیں۔ کہنے کو تو یہ ایک کتاب ہے اور کتابیں ان گنت ہیں، بڑی ضخیم، بڑی ادق، بڑی دلآویز، لیکن اس کتاب کی شان ہی نرالی ہے۔ یہ صحیفہ بیک وقت کتاب بھی ہے اور علم و معرفت کا آفتابِ جہانتاب بھی، جس میں زندگی کی حرارت اور ہدایت کا نور دونوں یکجا ہیں۔ اس کا حسن و جمال قلب و نگاہ کو یکساں متاثر کرتا ہے۔ اس کی تجلیات سے دنیا و عقبیٰ دونوں جگمگا رہے ہیں۔ اس کا فیض ہر پیاسے کو اس کی پیاس کے مطابق سیراب کرتا ہے۔ اس کا پیغام اگر عقل و خرد کو لذتِ جستجو بخشتا ہے تو قلب و روح کو بھی شوقِ فراواں سے مالا مال کرتا ہے۔ اس کی تعلیم نے انسان کو خود شناس بھی بنایا اور خدا شناس بھی۔

Marfat.com

یہ کتاب مقدس ہر لحاظ سے سراپا اعجاز ہے۔ اس کا ہر پہلو اتنا دلربا ہے کہ اپنے پڑھنے والے کو مسحور کر دیتا ہے۔ اسی لیے جب سے اس کا نزول ہوا اس نے اپنی فطری جاذبیت سے نوعِ انسانی کے ہر طبقہ سے سنجیدہ اور ذہین افراد کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

فاران کی وادیوں سے قرآن کا یہ چشمۂ فیض کیا پھوٹا کہ اس سے علوم وفنون کے دریا بہہ نکلے جنھوں نے جزیرۂ عرب کے پیاسے ریگزاروں کو سیراب کیا اور انھیں حکمت و دانش کی جلوہ گاہ بنا دیا۔ اس ایک کتاب مجید نے جہاں پہلے کو حیاتِ نو بخشی وہاں اس نے بے شمار جدید علوم کی تشکیل کا سامان فراہم کر دیا۔ علوم تفسیر، لغت و فقہ اللغت، فقہ و اصولِ فقہ، معانی و بلاغت و بدیع، صرف و نحو، قرأت و تجوید، وعظ و خطابت، قصص و اخبار، امثال و حکایات، ان کے علاوہ اور کئی علوم ہیں جنھوں نے قرآنِ کریم کے سایہ عاطفت میں جنم لیا اور اسی کے آغوشِ تربیت میں پروان چڑھے، اس طرح قرآنِ حکیم کے فیض سے دنیا کی سب سے زیادہ جاہل قوم علم و حکمت کے عظیم خزانوں کی مالک بلکہ خالق بن گئی۔

قرآن کا اہم پہلو

ہر عہد میں ملتِ اسلامیہ کے ذہین و فطین افراد نے جو روشن دماغ بھی تھے اور روشن ضمیر بھی، اپنی استطاعت، ذاتی صلاحیت و استعداد اور اپنے مخصوص ماحول کی ضروریات اور تقاضوں کے بپیشِ نظر قرآنِ مجید کے ان خادم علوم میں سے کسی کو اپنے لیے منتخب کیا اور خدمت گزاری کا حق ادا کر دیا اور اپنے اپنے موضوع پر ایسی زندۂ جاوید تالیفات اور تصنیفات کا گراں بہا ذخیرہ چھوڑا جن کی روشنی سے

Marfat.com

دنیا بھر کے کتب خانے اور دانش گاہ میں آج بھی چمک رہی ہیں، لیکن اس ناچیز کے نزدیک قرآن کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ وہ کتابِ ہدایت ہے۔ اس کے نازل فرمانے والے نے بارہا اس کا تعارف اس قسم کے کلمات سے کرایا ہے:

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ؕ

آج ہمیں قرآنِ مجید کے اسی پہلو پر زیادہ توجہ دینی چاہیئے، لیکن شومئی تقدیر ملاحظہ ہو، آج قرآن کا یہی پہلو متروک اور مہجور ہے۔

قرآنِ حکیم کا مقصدِ اولین انسان کی اصلاح ہے۔ تربیت پیہم سے اس کے نفس امارہ کو نفسِ مطمئنہ بنانا ہے۔ ہوا و ہوس کے غبار سے آئینہ دل کو صاف کر کے اسے انوارِ ربانی کی جلوہ گاہ بنانا ہے۔ انانیت و غرور، تمرّد و سرکشی کی بیخ کنی کر کے انسان کو اپنے مالکِ حقیقی کی اطاعت و انقیاد کا خوگر کرنا ہے۔ یہی کام سب سے اہم بھی ہے اور سب سے مشکل اور کٹھن بھی۔ قرآن مجید نے اسی اہم ترین اور مشکل ترین کام کو سرانجام دیا اور اس حسن و خوبی سے کہ دنیا کا نقشہ بدل گیا۔

کتابِ انقلاب

یہ صرف باتیں ہی باتیں نہیں ہیں بلکہ ایک حقیقت ہے، زندۂ جاوید حقیقت اور ناقابلِ انکار حقیقت، کہ قرآن کی ہدایت سے بگڑا ہوا انسان سدھرا اور سدھر کر ساری کائنات کے لیے آیۂ رحمت بن گیا۔ غور فرمائیے! حکمتِ الٰہی نے نزولِ قرآن کے لیے جس سرزمین کو منتخب کیا، وہ عرب کا خطّہ تھا۔ وہاں بسنے والے لوگ شکل و صورت میں انسان تو تھے، لیکن انسانیت سے ان کا دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔ کفر و

Marfat.com

شرک، فسق و فجور، ظلم و ستم، وحشت و بربریت، جہالت اور اُجڈپن، اس پر فقر و افلاس مستزاد، غرضیکہ کون سا عیب تھا یا کون سی گمراہی تھی جو ان میں بدرجۂ اتم موجود نہ تھی اور دنیا نے دیکھا کہ قرآنِ حکیم کی تاثیر اور صاحبِ قرآن کی برکت سے وہ کیا بن گئے! اگر اگر قرآن عرب کے اجڈ بدوؤں کو آدم و بنی آدم کے لیے باعثِ عزو شرف بنا سکتا ہے۔ اگر ان جاہلوں کو جو ابجد خواں بھی نہ تھے، بزمِ علم و دانش کا صدر نشیں بنا سکتا ہے۔ اگر حرم کعبہ میں ۳۶۰ بتوں کی پوجا کرنے والی قوم کے دل میں معرفتِ الٰہی کی شمع فروزاں کر سکتا ہے، تو ہمارے صنم کدۂ تصوّرات کے لات وہبل کو کیوں ریزہ ریزہ نہیں کر سکتا۔ ہمارے ظلمت خانۂ حیات کو اس کی کرنیں کیوں کر منور نہیں کر سکتیں۔ بخدا ہو سکتا ہے، سب کچھ ہو سکتا ہے بشرطیکہ ہم قرآن کی ہدایت کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوں اور ہمارا کاروانِ حیات اس شاہراہِ ہدایت پر گامزن ہو جو قرآن نے ہمارے لیے تجویز کی ہے۔

قرآن کی قیادت قبول کرو

اے درماندۂ راہ قوم! قرآن تمھیں عظمت و عزت کی بلندیوں کی طرف آج بھی لے جا سکتا ہے، بشرطیکہ تم اس کی قیادت قبول کر لو۔ اے اپنی قسمتِ برگشتہ پر آہ و فغاں کرنے والے نوجوانو! دنیا کی امامت تمھاری متاعِ گم گشتہ ہے تمھیں یہ واپس مل سکتی ہے۔ اگر تم میں اس کی واپسی کی تڑپ ہو تو قرآن تمھیں واپس دلا سکتا ہے، اگر تم اس کا حکم ماننے کے لیے تیار رہو۔

زندگی کی یہ ساری چہل پہل تقسیمِ کار کے باعث ہے۔ ایک ہی ملت کے

Marfat.com

مختلف افراد مختلف کام سرانجام دیتے ہیں۔ کسی کے ہاتھ میں حکمرانی کی باگ ڈور ہے۔ کوئی مجلسِ مشاورت کا رکن رکین ہے۔ کوئی تجارت و صنعت کو چار چاند لگا رہا ہے، کوئی شکمِ زمین سے رزق کے سربمہر خزانے نکال کر ان کے ڈھیر لگا رہا ہے، کوئی وعظ و نصیحت کے منبر پر جلوہ نما ہے، کوئی تعلیم و تدریس کی مسند کو رونق بخشتے ہے اور کوئی سجادۂ فقر و درویشی پر تشریف فرما ہے۔ قوم کو مجموعی طور پر اصلاح یافتہ اسی وقت کہا جا سکتا ہے جب کہ اس کے تمام عناصر حق کا دامن مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہوں اور اپنے اپنے دائرہ عمل میں قرآن کی ہدایت پر کاربند ہوں اور اپنے اپنے فرائض کی انجام دہی میں پوری دیانتداری سے مصروفِ کار ہوں۔ ان عناصر کا باہمی تعلق اتنا گہرا ہوتا ہے اگر ایک عنصر بھی جادۂ حق سے برگشتہ ہو جائے تو دوسرے عناصر اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اس لیے قرآن حکیم نے ہر ایک کو اپنی خصوصی توجہ کا مستحق سمجھا ہے اور ہر گروہ میں راہ پانے والی خرابیوں کی نشاندہی کی ہے اور انھیں اس کے عبرتناک انجام سے آگاہ کیا ہے۔

ہم اکثر بگڑی ہوئی قوموں کے حالات اور ان کے حسرتناک انجام کے متعلق قرآن میں پڑھتے ہیں اور ایک لمحہ توقف کیے بغیر آگے نکل جاتے ہیں۔ ہم یہ زحمت بہت کم گوارا کرتے ہیں کہ اپنے اعمال کا موازنہ برباد شدہ قوموں کے اعمال سے کریں اور یہ سوچیں کہ کہیں ہم بھی انھیں نافرمانیوں کا شکار تو نہیں اور اگر خدانخواستہ ہیں تو اپنے انجام کی ہولناکیوں سے غافل کیوں ہیں؟ کیا مکافاتِ عمل کا قانون قدرت کا اٹل قانون نہیں؟ کیا ہم نے یہ نہیں پڑھا؟ کہ

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔

Marfat.com

مکمل ضابطۂ حیات

قرآن کریم نے اپنے ماننے والوں کو ایک واضح اور مکمل ضابطۂ حیات (شریعت) عطا کیا ہے اور یہ ضابطہ اتنا ہی وسیع ہے جتنی زندگی اپنے بوقلموں تنوع کے ساتھ وسیع ہے بلکہ بلا مبالغہ اس سے بھی وسیع تر۔ انسان کیا ہے؟ اس کا تعلق اپنے خالق کے ساتھ اور اس کی مخلوق سے کیسا ہونا چاہیئے؟ اگر وہ حاکم ہے تو اس کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔ اگر وہ رعایا ہے تو اس کے فرائض کی نوعیت کیا ہے؟ اگر وہ دولت مند ہے، تو اس کا طرزِ عمل کیسا ہو اور اگر وہ فقیر و محتاج ہے تو کس طرح باوقار زندگی بسر کر سکتا ہے؟ قرآن نے جو شریعتِ کاملہ ہمیں دی ہے اس میں ان سوالات کا مکمل جواب موجود ہے۔ اسی لیے عبادات، سیاسیات، معاشیات، نظامِ اخلاق وغیرہ تمام امور کو شریعت نے اپنے دامن میں سمیٹا ہوا ہے۔

قرآن فہمی

قرآن حمید عربی زبان میں نازل ہوا۔ عربی کا اپنا ادب ہے۔ فصاحت و بلاغت کا اپنا معیار ہے، اس کے اپنے مجازات، استعارات اور امثال ہیں، مفردات کے اشتقاق اور جملوں کی ترتیب کے الگ قواعد ہیں۔ اس کا دامن الفاظ کی کثرت سے معمور ہے اور قواعدِ اشتقاق نے تو اس میں اتنی وسعت پیدا کر دی ہے کہ دنیا کی کوئی ترقی یافتہ زبان بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

اس مقدس کتاب کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم عربی زبان سے

ربط پیدا کریں۔ اس کے قواعد و ضوابط سے اچھی طرح واقفیت بہم پہنچائیں۔ اس کے ادب اور اسلوب انشاء کی خصوصیات کو سمجھیں تاکہ کلمات کے آبگینوں میں حقیقت کی جو شرابِ طہور چھلک رہی ہے اس سے لطف اندوز ہو سکیں۔

جمع و تدوین

حضور نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ و آلہٖ وسلم نے اپنے فاضل اور فنِ تحریر میں ماہر صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کو قرآن کریم کی کتابت کے لیے متعین فرمایا ہوا تھا۔ جنھیں کاتبانِ وحی کہا جاتا تھا۔ جب بھی کوئی آیت یا مجموعہ آیات یا سورہ نازل ہوتی تو ارشادِ نبوی کے مطابق کاتبانِ وحی اسے ضبط تحریر میں لے آتے۔ حضورؐ ہر آیت کے متعلق یہ تصریح فرماتے کہ یہ آیت فلاں سورت میں فلاں مقام پر لکھی جائے۔ اس طرح جوں جوں قرآن نازل ہوتا رہا۔ رسول مکرمؐ کی نگرانی میں حضور کی ہدایت کے مطابق تحریر کیا جاتا رہا، لیکن یہ تحریریں کتابی شکل میں مدوّن نہیں تھیں، بلکہ کاغذوں، ہڈی کے ٹکڑوں، کھجور کے چھلکوں، پتھر کی سلّوں وغیرہ اشیاء پر لکھی جاتی رہیں۔

حفاظتِ قرآن کا سب سے اہم ذریعہ حفظِ قرآن مجید تھا۔ حضورؐ اپنے صحابہ کو اسے یاد کرنے کا شوق دلاتے۔ قیامت کے روز حفّاظِ قرآن کو مقامات رفیعہ اور مدارجِ سنیّہ پر فائز ہونے کی بشارتیں دیتے۔ نماز میں بھی اس کی تلاوت کو فرض کر دیا گیا۔ اس لیے ہر مسلمان کے لیے قرآن کا کچھ نہ کچھ حصہ حفظ کرنا ضروری ہو گیا، اور کئی صحابہ ایسے تھے جنھیں تمام قرآنِ حکیم یاد تھا۔

رحمت عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رفیق اعلیٰ سے جا ملنے کے بعد جب

Marfat.com

ارتداد کا فتنہ اٹھا اور حضرت صدیق اکبر نے اس کو کچلنے کے لیے صحابہ کرام کے لشکر روانہ کئے تو مسیلمہ کذاب سے یمامہ کے مقام پر مسلمانوں کی جو خونریز جنگ ہوئی اس میں اگرچہ مسیلمہ اور اس کی جھوٹی نبوت کا تو خاتمہ ہوگیا، لیکن ختم رسالت کے فداکاروں کا بھی بے اندازجانی نقصان ہوا، جس میں سات سو کے قریب صرف حفّاظ قرآن نے جام شہادت نوش کیا۔ (القرطبی)

اس سانحہ نے حضرت عمر فاروقِ اعظم کو بہت پریشان کر دیا۔ بارگاہ خلافت میں حاضر ہوکر انھوں نے عرض کی کہ اے صدیق! باطل سے جنگوں کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے، وہ ختم ہوتا نظر نہیں آتا۔ اگر حفاظِ قرآن کے قتل کی یہی رفتار رہی تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں ہم اللہ تعالیٰ کی اس کتاب سے محروم نہ ہو جائیں اس لیے مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ اسے کتابی شکل میں یکجا جمع کر دیا جائے۔

حضرتِ صدیق نے کہا: اے عمرؓ! میں وہ کام کرنے کے لیے تیار نہیں جسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہیں کیا۔ لیکن حضرت عمر کے پیہم اصرار کے باعث آپ کو بھی اس کام کی اہمیت کا احساس ہوگیا۔ آپ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو طلب کیا اور انھیں قرآن کریم کو یک جا جمع کرنے کی ہدایت فرمائی۔

حضرت زید کا قول ہے کہ حضرت ابوبکرؓ مجھے کسی پہاڑ کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ لے جانے کا حکم دیتے تو مجھ پر اتنا شاق نہ گزرتا جتنی اس حکم کی تعمیل شاق گزری پہلے آپ نے بھی ایسا کام کرنے سے انکار کیا جو عہدِ رسالت میں نہیں کیا گیا تھا، لیکن خلیفہ اول کی فہمائش سے انھیں بھی انشراحِ صدر حاصل ہوگیا اور اس کام کی اہمیت کا انھیں بھی احساس ہوگیا۔ بڑی جانفشانی محبت، تجسّس اور جستجو سے

Marfat.com

قرآنِ حکیم کا پہلا نسخہ مدون کیا گیا۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد خلافت میں یہ نسخہ آپ کے پاس رہا۔ آپ کے بعد حضرت فاروق اعظمؓ کے پاس رہا۔ اور ان کے بعد ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس محفوظ رکھ دیا گیا اور ضرورت کے وقت ان کی طرف رجوع کیا جاتا۔

یہ امر مخفی نہیں کہ قرآن کے اولین مخاطب اہلِ عرب تھے جن کی مادری زبان عربی تھی۔ اگرچہ سب قبائل کی مشترک زبان عربی ہی تھی لیکن ان کے لہجوں میں "تلفظِ الفاظ میں اور بعض اعراب میں بیّن تفاوت تھا۔ یہ صورتِ حالات ہر زبان میں ہوتی ہے۔ جس علاقہ میں اُردو بولی جاتی ہے۔ وہاں کے ہر ضلع بلکہ ہر تحصیل کے لوگوں کے لب و لہجہ میں کافی فرق پایا جاتا ہے۔ ابتدار میں مختلف قبائل کی سہولت کے پیشِ نظر انھیں ان کے مخصوص انداز کے مطابق قرأتِ قرآن کی اجازت دے دی گئی تھی، کیونکہ سب اہلِ زبان تھے۔ اس لیے ایسے تفاوت سے کوئی غلط فہمی پیدا نہیں ہوتی تھی، لیکن جب فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوا اور دوسرے ممالک بھی قلمرو اسلامی کا حصہ بن گئے اور وہاں کے باشندوں نے اسلام قبول کیا اور قرآن مجید پڑھنا شروع کیا تو ہر ایک نے قرآن کے فقط اسی لہجہ اور تلفّظ کو صحیح یقین کیا جو اسے اس کے استاد نے سکھایا تھا۔ اس طرح مختلف اساتذہ کے شاگرد ان اختلافات کے باعث ایک دوسرے کی تغلیط کرنے لگ گئے اور فتنہ و فساد کی آگ آہستہ آہستہ سلگنے لگی۔ اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت عثمان کی خلافت کے زمانہ میں حضرت حذیفہؓ کے سامنے پیش آیا، جس نے آپ کو حیران و سراسیمہ کر دیا۔

حضرت حذیفہ غزوۂ آرمینیہ میں شریک تھے۔ عراق اور شام کے نومسلم بھی اس

Marfat.com

جنگ میں شرکت کے لیے آئے ہوتے تھے۔ ہر ایک نے اپنے معلم کی سکھائی ہوئی قرأت کے مطابق قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ جس سے باہمی نزاع پیدا ہو گیا۔ ہر ایک نے دوسرے کی تغلیط کی اور اسے محرف قرآن کہا۔ حضرت حذیفہ نے جب یہ ماجرا اپنی آنکھوں سے دیکھا تو انھیں سخت فکر دامن گیر ہوئی۔ چنانچہ آپ مدینہ منورہ واپس آئے اور اپنے گھر جانے سے پہلے امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

اَدْرِكْ هٰذِهِ الْاُمَّةَ قَبْلَ	اس امت کی چارہ سازی کیجئے اس سے
اَنْ تَهْلِكَ۔	پیشتر کہ یہ ہلاک ہو جائے۔

اور پھر سارا ماجرا کہہ سنایا اور کہا:

اِنِّیْ اَخْشٰی عَلَیْهِمْ اَنْ یَّخْتَلِفُوْا	یعنی مجھے ان کے بارے میں سخت اندیشہ
فِیْ کِتَابِهِمْ كَمَا اخْتَلَفَ الْیَهُوْدُ	ہے کہ کہیں یہ بھی یہود و نصاریٰ کی طرح
وَالنَّصَارٰی۔	اپنی کتاب میں اختلاف نہ کرنے لگیں۔

قرآن کریم کا نزول لغتِ قریش کے مطابق ہوا تھا محض آسانی اور سہولت کے پیشِ نظر دوسرے قبائل کو اپنے اپنے لب و لہجہ سے اس کی تلاوت کی اجازت دی گئی تھی، لیکن اب یہ رخصت ایک عظیم فتنہ کا باعث بن رہی تھی۔ ان حالات میں اس کو برقرار رکھنا سراسر نقصان دہ اور مضر تھا۔ چنانچہ صحابہ کرام کے مشورے سے حضرت عثمانؓ نے زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ قرآنِ کریم کا ایک نسخہ صرف لغتِ قریش کے مطابق لکھیں۔ چنانچہ وہ تیار کر چکے تو اس کی متعدد نقلیں تیار کر کے مختلف دیار و امصار میں بھیجی گئیں اور لوگوں کو اس کی پابندی کا حکم دیا گیا اور دوسرے تمام نسخوں کو ممنوع قرار دے دیا گیا۔ اس طرح حضرت عثمانؓ کی سعی و کوشش سے ایک مہلک ترین فتنہ

Marfat.com

کا سدِ باب ہوگیا۔ امتِ اسلامیہ حضرت عثمان کے اس احسان کا شکریہ ادا نہیں کر سکتی۔ اسی وجہ سے آپ کو جامع آیاتِ القرآن کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لب و لہجہ کے تفاوت اور قرأتوں کے اختلاف کی نوعیت بیان کر دی جائے تاکہ اس کے متعلق کوئی وسوسہ دل میں نہ رہ جائے، چند مثالیں ذکر کر دینے سے ان امور کی حقیقت واضح ہو جائے گی اور پتہ چل جائے گا کہ یہ اختلاف معمولی قسم کا تھا۔ مثلاً قریش (حتّٰی) (جب تک) کہتے اور بنی ھذیل اور بنی ثقیف اس کا تلفظ "اَتّٰی" کیا کرتے۔ بنی اسد مضارع میں حروفِ اتین کو مکسور پڑھا کرتے، جیسے تِعْلَمُوْنَ۔ اور قریش کی لغت میں حروفِ اتین مفتوح ہیں جیسے تَعْلَمُوْنَ مصر میں اب بھی عام لوگ اپنی گفتگو میں حروفِ اتین کو کسرہ دیا کرتے ہیں۔ قریش کی لغت میں ماء غَیْرَ یاسن ہے لیکن بنی تمیم اسے ماغیر یاسن پڑھتے۔

ان امثلہ سے معلوم ہوگیا کہ یہ اختلاف کس نوعیت کا تھا، لیکن قرآن کا تقدس اور اس کی عظمت اتنے سے اختلاف کی بھی متحمل نہیں، اس لیے اس کو بھی ممنوع قرار دے دیا گیا۔ چنانچہ وہی قرآن جو عرشِ عظیم کے رب نے اپنے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا تھا۔ اور جس کو حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین نے خالص قریشی لغت کے مطابق جس میں اس کا نزول ہوا تھا، ایک صحیفہ مدوّن فرمایا وہی قرآن جوں کا توں بغیر کسی تحریف کے، بغیر کسی معمولی تغیر کے، بغیر کسی ادنیٰ رد و بدل کے اب تک محفوظ ہمارے پاس موجود ہے، اور قیامت تک موجود رہے گا اور اس کا اعتراف دوست دشمن سب کو ہے، چنانچہ

Marfat.com

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا صفحہ ۴۸۰، جلد ۱۳ میں بھی یہ تصریح موجود ہے:

THIS RECENSION OF UTHMAN THUS BECAME THE ONLY STANDARD TEXT FOR THE WHOLE MUSLIM WORLD UP TO THE PRESENT DAY.

ترتیبِ قرآن

یہ تو واضح ہے کہ قرآنِ کریم کی سورتوں اور سورتوں کی آیات کی موجودہ ترتیب وہ نہیں جس ترتیب سے اس کا نزول ہوا۔ پھر اس موجودہ ترتیب کا ماخذ کیا ہے؟ اور کس نے یہ ترتیب دی ہے؟ اکثر عیسائی مستشرقین نے اس پر بڑی لے دے کی ہے، اور یہ ثابت کرنے کے لیے بڑے جتن کئے ہیں کہ موجودہ ترتیب زمانہ نبوت میں نہیں دی گئی بلکہ اس کے بعد صحابہؓ نے اس کو یوں مرتب کیا ہے۔ آیئے حقائق کی روشنی میں ان کے اس مفروضہ کا جائزہ لیں۔

ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ حضور نبیٔ کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق قرآن کی سورتوں اور سورتوں کی آیتوں کو مرتب فرمایا اور یہ موجودہ ترتیب وہی ہے اس کے لیے متعدّد دلائل ہیں جن میں سے چند ایک اپنے دعویٰ کے اثبات کے لیے ہدیہ ناظرین ہیں:

۱۔ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں:

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ	یعنی قرآن کو جمع کرنا اور اسے پڑھنا ہمارے ذمہ ہے اور جب ہم پڑھ چکیں تو آپ اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریں۔
(۷۵، ۱۸، ۱۷)	

Marfat.com

اب آپ سوچیں کہ کیا ترتیب کے بغیر جمعِ قرآن کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ کیا کسی مخصوص ترتیب کے بغیر اس کی تلاوت ممکن ہے؟ جب جمع کرنے اور پڑھنے کے لیے اس کا مرتب ہونا ضروری ہے تو معلوم ہوا کہ جس ذات پاک کے ذمہ اس کا جمع کرنا اور پڑھنا ہے، اسی نے اس کو مرتب فرمایا ہے۔

(ب) تاریخی لحاظ سے آپ سوچیئے، عہدِ رسالت میں صحابہ کرامؓ کو قرآن کریم یاد تھا۔ بعض کو کچھ سورتیں اور بعض کو سارا قرآن۔ صحابہ کرام نمازوں اور اس کے باہر اس کی تلاوت کیا کرتے۔ حضور رحمتِ عالمیاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خود بھی نمازِ تہجد میں، دوسری نمازوں میں، عام خطبات میں کثرت سے قرآنِ کریم کی قرأت فرماتے اور حضور کی قرأت و ترتیب صحابہؓ کی قرأت و ترتیب میں قطعاً سرمو فرق نہیں ہوا کرتا تھا۔ یہ وہ امور ہیں جن سے کوئی بھی انکار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

اب آپ خود فیصلہ کیجئے کہ اگر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اسے حکمِ الٰہی سے مرتب نہیں فرمایا تھا تو صحابہؓ کیسے اس کو حفظ کر سکتے تھے؟ کیسے اس کی تلاوت ان کے لیے ممکن تھی، اور اگر حضور کی مقررہ ترتیب نہیں تھی، تو ہر ایک کی قرأت دوسرے سے مختلف ہونی چاہیئے تھی، حالانکہ ایسا نہیں تھا، تو ثابت ہوا کہ قرآن کریم عہدِ رسالت میں مکمل طور پر مرتب فرما دیا گیا تھا اور تمام صحابہ اسی کی پیروی اور پابندی کیا کرتے تھے، اس لیے عیسائی متعصبین کا یہ شور و غوغا قطعاً کوئی وزن نہیں رکھتا۔ وللہ الحجۃ البالغۃ۔

آدابِ تلاوت

قرآنِ حکیم، کتابِ ہدایت ہے۔ اس کی تلاوت کا مقصد دل بہلانا اور وقت گذارنا

Marfat.com

نہیں بلکہ اس کا مقصدِ اولین تعمیرِ انسانیت اور تشکیلِ سیرت ہے۔ اور یہ مقصد تب ہی حاصل ہو سکتا ہے جب پڑھنے والے کو اس کتابِ عزیز سے دلی لگاؤ اور طبعی ربط پیدا ہو جائے۔ اس لگاؤ اور ربط کو پیدا کرنے کے لیے حکماءِ اسلام نے چند آداب اور شرائط بتائے ہیں۔ جن کی پابندی کرنے سے قرآنِ کریم سے فیض یاب ہونے کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ میں انھیں قارئین کرام کے فائدے کے لیے العارف الکامل حجۃ الاسلام الامام محمد بن محمد بن احمد الغزالی کی شہرِ آفاق کتاب احیا علوم الدین سے استفادہ کرتے ہوئے مختصراً قلمبند کرتا ہوں۔

(۱) قاری کے لیے ضروری ہے کہ باوضو ہو۔ قبلہ رو کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر بڑے ادب وسکون کے ساتھ قرآنِ کریم کی تلاوت کرے۔

(۲) مقدارِ قرأت: بعض لوگ دن رات میں ایک مرتبہ، بعض دو مرتبہ اور بعض تین مرتبہ بھی قرآن ختم کرتے ہیں۔ اور بعض ایک ماہ میں ایک مرتبہ اور بعض ہفتہ میں ایک بار، کیونکہ قرأتِ قرآن کا مدعا اس کو صحیح طور پر سمجھنا اور اس سے ہدایت حاصل کرنا ہے۔ اور ایک دن میں اسے ختم کرنے سے یہ مدعا پورا نہیں ہوتا۔ اس لیے اس کو مکروہ کہا گیا۔ اَلْخَتْمُ فِیْ یَوْمٍ وَّ لَیْلَۃٍ قَدْ کَرِھَہٗ جَمَاعَۃٌ (احیاء) حضور کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ قَرَأَ الْقُرْاٰنَ فِیْ اَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ لَمْ یُفْقِھْہُ۔	یعنی جس نے تین دن سے کم وقت میں قرآن ختم کیا، اس نے اسے سمجھا ہی نہیں۔

Marfat.com

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کو ارشادِ نبوی یہی تھا کہ وہ ہفتہ میں قرآن ختم کیا کریں چنانچہ حضرات عثمان، زید بن ثابت، ابن مسعود اور ابی ابن کعب رضی اللہ تعالٰی عنہم کا یہی معمول تھا۔

(۳) ترتیل: ٹھہر ٹھہر کر آہستہ آہستہ پڑھنا، کیونکہ ایسی صورت میں انسان آیات میں غور کر سکتا ہے۔

(۴) رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

اُتْلُوا الْقُرْاٰنَ وَابْكُوْا	قرآن کریم پڑھو اور روؤ اور اگر رونا نہ
فَاِنْ لَّمْ تَبْكُوْا فَتَبَاكَوْا۔	آئے تو بہ تکلف رونے کی کوشش کرو۔

کیونکہ گریہ وزاری سے ہی انسان رحمتِ الٰہی کو اپنی طرف متوجہ کر سکتا ہے۔

(۵) جو آیت پڑھے، اس کا حق ادا کرے۔ یعنی آیت تسبیح و تکبیر پڑھے تو خود بھی سُبْحَانَ اللهِ اور اَللّٰهُ اَكْبَر کہے۔ اگر دعا و استغفار کی آیت تلاوت کرے، تو اپنے لیے بھی دعا مانگے اور مغفرت طلب کرے۔ اگر کسی آیت میں انعاماتِ الٰہیہ کا ذکر ہے، تو ان کے لیے دستِ سوال دراز کرے۔ اگر کہیں عذاب و مصیبت کا تذکرہ آئے تو اپنے لیے پناہ مانگے۔ اگر آیتِ سجدہ پڑھے یا سنے تو سجدہ کرے غرضیکہ جس مضمون کی آیت پڑھے اسی قسم کے تاثر کا اظہار کرے۔

(۶) تلاوت شروع کرتے وقت یہ پڑھے:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ

Marfat.com

دب ان یخضون۔

اور جب تلاوت ختم کرنے لگے تو یہ کہے:

صَدَقَ اللّٰہ تعالیٰ وَ بَلَّغَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَللّٰھُمَّ انْفَعْنَا بِہٖ وَ بَارَكَ اللّٰہُ لَنَا فِیْہِ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الْحَیَّ الْقَیُّوْمَ

(۷) پڑھتے وقت اتنا آواز بلند کرے کہ کم از کم خود سن سکے۔ اس سے زیادہ بلند آواز سے قرأت اگر کسی دوسرے شخص کے لیئے تکلیف دہ نہ ہو تو محبوب ہے ورنہ مکروہ۔

(۸) حضور کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

زَیِّنُوا الْقُرْاٰنَ بِاَصْوَاتِکُمْ — خوش آوازی سے قرآن کو مزین و آراستہ کرو۔

دوسری حدیث شریف میں ہے:

قَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ یَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ — یعنی حضور نے فرمایا، جو قرآن کو خوش الحانی سے نہیں پڑھتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اس لیئے تکلف و تصنّع کے بغیر جتنا ممکن ہو خوش الحانی سے پڑھے تاکہ خود بھی اور سننے والے بھی اس کی قرأت سے لطف اندوز ہوں۔

ان کے علاوہ چند باطنی آداب و شرائط ہیں جن کا التزام باعثِ ہزار برکت و سعادت ہے:

۱ - پڑھنے والے کا دل و دماغ اس مقدس کتاب کی عظمت اور اس کے نازل فرمانے

Marfat.com

والے کی عظمت سے لبریز ہو۔ اسے یہ احساس ہو کہ یہ کتاب کوئی معمولی کتاب نہیں ہے۔ اس کو انسان نے تصنیف نہیں کیا بلکہ یہ خالقِ جن و البشر، مالکِ بحر و بر، رب السموات والارض احکم الحاکمین کا کلام معجز نظام ہے، جو اس نے ازراہِ غایت بندہ پروری اور اپنے بندوں کی ہدایت پذیری کے لیے اپنے محبوب و برگزیدہ بندے خاتم الانبیاء والمرسلین، رحمۃ للعالمین محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وآلہٖ وسلم کے قلبِ منیر پر نازل فرمایا ہے۔

ب : دل کو تمام وسوسوں اور اندیشوں سے پاک کر کے بڑی یکسوئی اور حضور قلب سے اس کی تلاوت میں مشغول ہو۔

ج : فکر و تدبر کی جملہ صلاحیتوں کو اس کے اسرار و رموز تک رسائی حاصل کرنے کے لیے بروئے کار لائے تاکہ رحمتِ الٰہی اس کے شوق و طلب کی بیقراریوں پر رحم فرماتے ہوئے اس کے لیے فیوضِ قرآنی کے دروازے کھول دے۔

د : نفس اور نفس کی پیدا کردہ خواہشیں اور مصلحتیں، غلطی اور جہالت سے جگہ پکڑے ہوئے نظریات اور اعتقادات، ماحول کی مجبوریاں اور گناہوں کی نحوستیں، بسا اوقات قرآن فہمی کی راہ میں پہاڑ بن کر کھڑی ہو جاتی ہیں۔ قرآن کے حیات بخش چشمہ تک پہنچنے والے کے لیے ضروری ہے کہ ایک ایک رکاوٹ کو پیوند خاک کرے اور مردانہ وار آگے بڑھتا چلا جائے، قرآن کے سحابِ کرم سے عرفان کے جو قطرے اس کی کشتِ ایمان پر ٹپکنے لگیں ان کی راہ میں کسی چیز کو حائل نہ ہونے دے۔

ہ : قرآن فہمی کے لیے صرف اپنی فہم و ذکاء اور علم و دانش پر بھروسہ نہ کرے بلکہ اللہ تعالٰے کی توفیق و تائید پر اعتماد کرے اور قدم قدم پر اس کی راہنمائی اور دستگیری

Marfat.com

کے لیے بصد عجز و نیاز التجا کرتا رہے۔

وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَنْ يُّنِيبُ۔	یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والا ہی (اس صحیفۂ رشد و ہدایت سے) نصیحت قبول کرتا ہے۔
(المومن)	
تَبْصِرَةً وَّ ذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْب	اپنے رب کی طرف مائل ہونے والے ہر بندے کے لیے یہ کتاب بصیرت افروز اور نصیحت ہے۔
(ق)	

Marfat.com

اسلام دینِ فطرت

۶ر جولائی ۱۹۸۰ء کو برمنگھم (انگلینڈ) میں ہونے
والی عظیم الشان سنی کانفرنس سے حضرت
ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری
کا تاریخی خطاب

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔ قال اللہ تعالیٰ

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ

آج جب کہ علم نے اسرارِ کائنات کو بے نقاب کر دیا ہے، سائنس کروں اور فضاؤں کو مسخر کرنے کے بعد خلاؤں کی تسخیر کی مہم سر کر چکی ہے، جب عقل کی جولانیاں کائنات کی وسعتوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لینے کی کوشش کر رہی ہیں، جب ہر ترقی یافتہ ملک نے فہم و دانش کی قندیلیں روشن کر کے اپنی زندگی کی اندھیری رات میں چراغاں کر دیا ہے، جب دنیا کے دانشور اپنی نکتہ سنجیوں کے باعث حیاتِ انسانی کے مختلف شعبوں میں اپنی فتح کے علم گاڑ چکے ہیں، ہم مسلمان کیوں مصر ہیں کہ ہم چودہ صدیاں پرانے دینِ اسلام کو ضرور نافذ کریں گے۔ ہم اپنی ساری زندگی کو نظامِ مصطفٰے علیہ اطیب التحیۃ واجمل الثناء کے سانچے میں ہی ڈھالیں گے۔

کہیں ہماری یہ ضد ناداں بچوں کی سی بے جا ضد تو نہیں، ہم کسی ایسے تعصب

Marfat.com

کا شکار تو نہیں، جس نے حقیقت کے روئے زیبا کو ہماری نگاہوں سے اوجھل کر دیا ہو؟ ہم اپنی قومی اَنا کے اندھے پرستار بن کر تو ایسا نہیں کہہ رہے؟ جدید تہذیب سے ہمیں خدا واسطے کا کوئی بیر تو نہیں، جس کے باعث ہم اس سے بیزار ہیں یا جو مطالبہ ہم کر رہے ہیں، اس میں واقعی وزن ہے۔ نظامِ مصطفےٰ حقیقتاً ہماری فلاح و بہبود کا ضامن ہے۔ جب اس کے نور سے ہمارا آنگن روشن ہوگا تو یہ جہاں بقعۂ نور بن جائے گا۔ صرف عالمِ اسلام کا مقدر ہی نہیں جاگے گا بلکہ دنیائے انسانیت کی قسمت بدل جائے گی۔

یہ ہیں وہ سوالات جو اقوامِ عالم کے دل میں ہمارے بارے میں اُٹھتے رہتے ہیں یہ وہ شکوک و شبہات ہیں جو ہماری نئی نسل کی ذہنی پریشانی اور اضطراب کا باعث بنتے رہتے ہیں۔

اقوامِ عالم کے سوالات کا تسلی بخش جواب دینا اور اپنے نوجوانوں کے شکوک کا ازالہ کرنا ان لوگوں کا اولین فرض ہے، جو اسلام کو رب العالمین کا بھیجا ہوا اور رحمۃ للعالمین صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین سمجھتے ہیں۔ اگرچہ تمام مسلمانوں پر یہ ذمہ داری یکساں ہے، لیکن اہلِ پاکستان ان سوالات کا جواب دینے کے زیادہ ذمہ دار ہیں۔ انھوں نے بیسویں صدی میں ایک آزاد وطن کا محض اس لیے مطالبہ کیا تھا کہ وہاں عملاً نظامِ مصطفےٰ نافذ کرنا چاہتے ہیں، اور اس مدعا کو پانے کے لیے انھوں نے جانوں، عصمتوں، اموال و املاک کی ایسی قربانیاں ہنستے مسکراتے پیش کیں جن کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔

آج کا یہ اجتماع ایک ایسے ملک میں منعقد ہو رہا ہے، جو جدید سائنس صنعتی علوم

Marfat.com

اور جملہ فنون کا منبع ہے اور مغربی تہذیب و ثقافت کا نمائندہ مرکز ہے۔ نیز اس اجتماع کے انعقاد کا اہتمام امت مسلمہ کے سوادِ اعظم اہلِ سنت نے کیا ہے، جو اسلام کے کسی ایک جزو کے ترجمان نہیں بلکہ کل اسلام کے علم بردار ہیں۔ عقائد، خواہ ان کا تعلق توحید باری تعالیٰ سے ہو یا نبوت و مقامِ مصطفےٰ سے ہو۔ ان کا تعلق عظمتِ اہلِ بیت سے ہو یا صحابہ کرام کی شانِ رفعت سے۔ ان جملہ عقائد کے ترجمان اہلِ سنت ہیں۔ اعمال فقہی ہوں یا اخلاقی، روحانی ہوں یا عسکری، ان سب کی افادیت پر یہ ایمان بھی رکھتے ہیں اور ان کے نگہبان بھی ہیں۔ جن کے مایۂ ناز اسلاف نے علم و حکمت کے خیابانوں میں تحقیق کے وہ پھول کھلائے ہیں جن کی مہک سے دنیا کی دانش گاہیں معطر ہیں۔ جن کے غازیوں نے مشرق و مغرب کے وہ قلعے مسخر کیے، جہاں کوئی فاتح اپنا پرچم نہ لہرا سکا۔

ان حالات کے پیش نظر بین الاقوامی سنی کانفرنس کا پلیٹ فارم موزوں ترین جگہ ہے، جہاں سے ان سوالات کا جواب دیا جانا چاہیئے۔

حاضرین کرام! میں پورے وثوق سے اعلان کرتا ہوں کہ اہلِ پاکستان نے نظامِ مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کے نفاذ کا نعرہ کسی اندھی عقیدت، وقتی جوش، بیجا تعصب، یا کسی نظریہ حیات سے جاہلانہ عداوت اور احمقانہ مخاصمت کی بنا پر نہیں لگایا تھا، بلکہ انھوں نے عصر حاضر کے نظریات کا منصفانہ تجزیہ کیا انسانیت کے لیے انھیں تباہ کن پایا اور بے جھجک انھیں مسترد کر دیا۔ وقت کی تنگ دامانی تفصیل میں جانے کی اجازت نہیں دیتی۔ اشارات پر ہی اکتفا کروں گا۔ داناؤں کے لیے اشارہ کافی ہوتا ہے۔

Marfat.com

آج کل جن نظریات کی شوکت وسطوت سے سارا عالم گونج رہا ہے۔ وہ سرمایہ داری اور اشتراکیت کے نظریات ہیں۔ بظاہر یہ دونوں نظام جدا جدا ہیں جو باہم متصادم بھی ہیں اور بسا اوقات متحارب بھی، لیکن اگر دقت نظر سے دیکھا جائے، تو ان کی حقیقت و ماہیت بھی ایک ہے اور ان کے مبداء و مال میں بھی چنداں تفاوت نہیں۔ دونوں کا سرچشمہ الحاد ہے، اور مطمع نظر مادی ترقی ہے۔ دونوں ایک خالق حکیم کے منکر ہیں اور زیادہ سے زیادہ مادی آسائشوں کے حصول کے لیے سرگرم عمل ہیں۔ زندگی ان کے نزدیک بس یہی دنیوی زندگی ہے۔ اُخروی زندگی کا ان کے ہاں کوئی تصور نہیں۔ ازراہ انصاف آپ خود ہی بتائیے کہ جن نظریات کا منبع شرک اور الحاد ہوگا، کیا وہاں اعتدال کہیں نظر آئے گا؟ افراط وتفریط کے جھکڑ کبھی بلندی پر اور کبھی پستی پر بٹخ رہے ہوں گے۔ لندن کا وہ گنبد (پلینٹیریم) جس میں مصنوعی سورج، چاند اور ستاروں کے طلوع وغروب کے مناظر دکھائے جاتے ہیں۔ لوگ اس کے بارے میں تو یہ کہتے ہیں کہ فلاں فلاں ماہر انجنیئر نے اس کی تعمیر وتکمیل میں حصہ لیا، لیکن زمین کے قرص زمردیں، اس کے فلک بوس پہاڑ، یہ نیلگوں بے کراں سمندر، آسمان کا یہ گنبد نیلوفری، اس میں حقیقی مہر و ماہ کا طلوع وغروب، اس میں فروزاں ان گنت ضیا بار قندیلیں، ان کی پختگی اور حیران کن باہمی نظم وضبط، کیا کسی خالق حکیم کے بغیر معرض وجود میں آسکتا ہے؟ جو عقل اس روشن حقیقت کا عرفان حاصل کرنے سے قاصر ہے زندگی کے پیچیدہ مسائل کو سلجھانے کے لیے اس پر کیوں کر کلیتہً انحصار کیا جاسکتا ہے۔

جو لوگ حیات اخروی کا انکار کرتے ہیں، وہ درحقیقت اس امر کا انکار کرتے ہیں کہ دنیا کا نظام عدل وانصاف پر مبنی ہے۔ ہمارے سامنے سینکڑوں نہیں

ہزاروں مثالیں ہیں کہ اسمگلر، چور بازاری کرنے والے، قمار باز، قزاق اور ظالم عیش و عشرت اور عزت و احترام کی زندگی بسر کرتے ہیں اور قوم و وطن کے مخلص خادم، علم اور ثقافت کے بے لوث خدمت گار، بنی نوع انسان کے سچے خیر خواہ، مفلسی، غربت، ذلت اور گمنامی کی زنجیروں میں جکڑے رہتے ہیں۔ اس سے بڑا ظلم بھی کوئی ہو سکتا ہے کہ زمانے کے نمرود و فرعون تو اورنگ شاہی پر بیٹھیں اور اپنے شبستانوں میں عمر بھر دادِ عیش دیتے رہیں اور خلیل و کلیم کے پیرو دھکے کھاتے رہیں اور اس ایک ایکٹ پر زندگی کے ڈرامے کا ڈراپ سین ہو جائے۔

اللہ تعالےٰ کی ذات اگرچہ اپنی روشن آیات اور واضح دلائل کے باعث اظہر من الشمس ہے پھر بھی حواس و عقل کی رسائی سے ماورا ہے۔ آیئے ذرا دیکھیں انسان نے خود اپنے بارے میں کیا کیا گلفشانیاں کی ہیں۔ اپنے بارے میں اس کے نظریات کے تضاد اور افکار کی بے اعتدالیوں کا کیا عالم ہے۔

ہم یونان اور روم کے عہد قدیم اور ان کے نظریات کو بیان کرنے میں اپنا وقت ضائع نہیں کریں گے۔ جب کہ انسان اپنے دیوتاؤں سے برسرِ پیکار رہتا تھا، ان کے اختیارات چھیننے، ان کو مسندِ اقتدار سے محروم کرنے کے لیے ہمیشہ سازشیں کرتا رہتا تھا۔ ہم عہدِ جدید کے مفکرین کی آراء کا اجمالی تذکرہ کریں گے۔ اس سے فکرِ انسانی کی بے اعتدالیوں کا آپ بہ آسانی اندازہ لگا سکیں گے۔

قسطنطین قیصرِ روم کے سہارے عیسائیت نے جب یورپ میں اپنے قدم جمائے تو اس نے انسان کو ایک پیدائشی گناہ گار کے روپ میں پیش کیا اور اس کی بخشش کے لیے خداوند کے اکلوتے بیٹے یسوع مسیح کو سولی پر چڑھا کر کفارہ کا

Marfat.com

عجیب وغریب نظریہ پیش کیا۔

اٹھارویں صدی کے آغاز میں جب عیسائیت کے خلاف شدید ردعمل رونما ہوا، تو ایک ایسے دَور کا آغاز ہوا، جسے یورپ کی تاریخ میں روشن دور کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس وقت کے فلسفیوں نے عقل کو کائنات اور زندگی کے تمام معاملات میں "حکم" تسلیم کیا، اس کے فیصلے کو قطعی اور آخری فیصلہ مانا گیا۔ ہر وہ چیز خواہ وہ خدا کی ذات کیوں نہ ہو، جو عقل کے ظرف میں سما نہیں سکتی ہیں اس کے وجود ہی کا انکار کر دیا۔ اس طرح مذہب کو زندگی سے خارج کر دیا گیا۔ اٹھارویں صدی کے خاتمہ سے یہ روشن دَور بھی اپنی انتہا کو پہنچا۔ انیسویں صدی کے اہل فکر نے عقل اور انسان دونوں کا قصہ پاک کر دیا۔ فلسفہ نے بتایا کہ مادہ ہی خدا ہے، مادہ ہی عقل کو پیدا کرتا ہے اب انسان کی الوہیت اور عقل انسانی کی حاکمیت کا دور ختم ہو گیا۔ نیچر خدا بن گئی اور انسان اس کا بندہ۔

اس کے بعد ڈارون آیا۔ اس نے انسان کے بارے میں ایک بالکل جدید نقطۂ نظر پیش کیا۔ اس نے اعلان کیا کہ انسان، حیوان ہے۔ اس کے درمیان اور دیگر بے خرد اور بے شعور حیوانات کے درمیان چند ارتقائی کڑیوں کا فرق ہے۔ اس طرح انسانی شرف وکرامت کی ساری خلعتیں تار تار ہو گئیں۔ انسان کے ارد گرد تقدس کا جو ہالہ تھا۔ وہ کافور ہو گیا۔ ڈارون کے اس نظریہ کو توقع سے زیادہ قبول عام نصیب ہوا۔ اس نظریہ کی مقبولیت کی وجہ یہ نہ تھی کہ اس کی کوئی علمی یا سائنسی بنیاد تھی، جس پر اس نظریہ کا محل تعمیر کیا گیا۔ ڈارون کے مدّاح بھی اس کی لغویت کو جانتے تھے۔ "جیولین ہیکسلے"، جو ڈارون کا پُرجوش مبلغ تھا، اس نے بھی ڈارون کے اس نظریہ کو جوں کا توں تسلیم کرنے سے

Marfat.com

انکار کر دیا، کیونکہ یہ ایک ثابت شدہ علمی حقیقت ہے کہ جن خلیوں سے انسان کا جسم مرتب ہے، وہ ان خلیوں سے یکسر مختلف ہیں جو دیگر حیوانات کے اجزائے ترکیبی ہیں محض کلیسا سے نفرت ڈاروِن کے نظریہ کی مقبولیت کا سبب بنی۔ لوگ کلیسا اور اس کے ناقابلِ فہم عقائد سے یوں دل برداشتہ تھے کہ وہ ہر اس نظریہ کو بے تابی سے خوش آمدید کہتے، جس سے کلیسا کا وقار مجروح ہو اور اس کے اقتدار کی گرفت ڈھیلی پڑے۔

انسان کے ساتھ یہ مذاق یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ یہودی، جو اپنے آپ کو خدا کی پسندیدہ قوم یقین کرتے اور باقی اقوامِ عالم کو گدھا تصور کرتے ہیں، اور ان کو دبوچ کر ان پر سواری کرنا اپنا حق جانتے ہیں۔ انھوں نے ڈاروِن کے نظریہ کو مزید مضحکہ خیز بنانے کے لیے اپنی دانش، قوتِ استدلال اور اہلِ یورپ کی مذہب سے بیزاری اور کلیسا سے برہمی کا فائدہ اٹھا کر انسان کو مزید ذلت کی پستیوں میں گرا دیا۔

اس سلسلہ میں تین یہودی علماء کی کاوشیں ساری انسانیت کو ذلیل کرنے میں اپنی نظیر نہیں رکھتیں۔ کارل مارکس نے کہا کہ انسان ذرائع پیداوار کے رحم و کرم پر ہے اسبابِ معیشت میں جب تبدیلی آتی ہے تو انسانی اخلاق و کردار میں بھی از خود تغیر رونما ہو جاتا ہے۔ جو اعمال پسندیدہ اور قابلِ ستائش ہوتے ہیں اس تبدیلی سے فرسودہ اور بیہودہ ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اخلاقی قدروں کو اٹل اور غیر متبدل سمجھنا جہالت اور نادانی ہے۔ اس کے اس نظریہ نے ان تمام اخلاقی اقدار کو خاک میں ملا دیا، جو انسان کی ابتدائے آفرینش سے اب تک مقدس اور محترم سمجھی جاتی تھیں۔

دوسرا یہودی عالم "سگمنڈ فرائیڈ" آگے بڑھا اور اس نے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات راسخ کرنے کے لیے اپنی ابلیسی ذہانت اور زورِ قلم صرف کر دیا کہ

Marfat.com

انسان کے جملہ اعمال کا سرچشمہ جنسی شہوات کی تسکین کا جذبہ ہے، اس ظالم نے ان جلیل القدر ہستیوں کے عظیم کارناموں کی ایسی بھونڈی تاویلیں کیں، جس سے انسان اس غلط فہمی میں بہ آسانی مبتلا ہو جاتا ہے کہ ان مقدس ہستیوں کے عظیم کارنامے بھی جنسی شہوات کی صدائے بازگشت ہیں۔ اس نے معصوم بچے کے دودھ پینے، انگوٹھا چوسنے، ماں سے لپٹ جانے جیسے اعمال کو بھی جنسی عشق کی تکمیل کا نام دیا ہے۔ یوں انسانیت کو اس کی مسندِ رفیع سے دھکا دے کر حیوانیت کے گہرے گڑھے میں پھینک دیا۔

اس کے بعد اجتماعیت کے مورچہ سے تیسرے یہودی عالم "ڈرکائم" نے گولہ باری شروع کی اور کہا کہ شادی کی رسم نہ صرف یہ کہ لغو ہے بلکہ انسانیت کے خلاف سنگین جرم اور گناہ ہے۔

وہی انسان جو کبھی حق کو سربلند کرنے کے لیے جان کی بازی لگاتا ہوا نظر آتا تھا انسانی فلاح و بہبود کے لیے اپنے مادی وسائل اور ذہنی صلاحیتیں وقف کر دیا کرتا تھا جس کی عفتِ قلب و نگاہ پر ملائکہ کا تقدس نثار تھا، گاؤ خر کی طرح اب صرف شکم اور نفس کی شہوتوں کا اسیر بن کر رہ گیا۔ اس کی تمام علمی اور سائنسی تگ و دو اسی ایک نقطہ کے گرد گردش کرنے لگی۔

ان تمام نظریات کے برعکس اسلام نے انسان کو نہ اپنے مقام سے بڑھا کر الوہیت کی مسند پر بٹھایا، نہ اسے گرا کر ذلیل حیوان بنایا، بلکہ بتایا کہ اللہ کی زمین پہ یہ اس کا خلیفہ ہے۔ اس کے سر پہ "لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ" کا تاج سجایا۔ اس کی بے پناہ صلاحیتوں اور خوبیوں سے یہ کہہ کر پردہ اٹھایا: لَقَدْ خَلَقْنَا

Marfat.com

الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ اس کا خمیر مٹی سے اٹھا۔ اسے فقط زندگی سے بہرہ ور نہیں کیا بلکہ ادراک، آگہی اور شعور کی دولت سے اس کا دامن بھر دیا۔ اس عالمِ رنگ و بو کو اس کی قوتوں کی جولان گاہ بنا دیا۔ ارشاد ہے:

اَللّٰهُ الَّذِیْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ	اللہ وہ ہے جس نے مسخر کر دیا ہے تمہارے
لِتَجْرِیَ الْفُلْكُ فِیْهِ بِاَمْرِهٖ	لیے سمندر کو تاکہ رواں رہیں اس میں
وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ	کشتیاں اس کے حکم سے اور تاکہ بحری
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۚ وَ	تجارت سے تلاش کرو اس کا فضل
سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی	اور تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو۔ اور اس
السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی	نے مسخر کر دیا ہے تمہارے لیے جو کچھ
الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ ؕ	آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے،
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ	"سب کا سب اپنے حکم سے"، بے شک
لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝	اس نظام میں نشانیاں ہیں، ان
(النحل، آیت نمبر ۱۲)	لوگوں کے لیے جو غور و فکر کیا
	کرتے ہیں۔

انسان کے رہوارِ شوق و تحقیق کو یہ کہہ کر ایسی مہمیز لگائی کہ وہ کہیں رکتا ہی نہیں ارشاد ہے:

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ	اور اللہ تعالےٰ نے مسخر کر دیا تمہارے
وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ	لیے رات دن، سورج اور چاند کو اور
وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ	تمہارے ستارے بھی اس کے حکم کے

Marfat.com

بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ	پابند ہیں۔ بے شک ان تمام چیزوں
لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۙ	میں قدرتِ الٰہی کی نشانیاں ہیں، اس
(النحل) آیت نمبر ۱۲	قوم کے لیے جو دانش مند ہو۔

اتنی بے انداز صلاحیتیں اور بے پناہ قوتیں دینے کے بعد انسان کو بے لگام نہیں چھوڑ دیا تاکہ اس کی بغاوتوں اور سرکشیوں سے زندگی جہنم نہ بن جائے، بلکہ یوم حساب کی آمد کی اطلاع دے کر اس میں ذمہ داری اور جواب دہی کی شمع روشن کر دی تاکہ ہر عمل سے پہلے، وہ اس پر مترتب ہونے والے نیک و بد نتائج کا اندازہ کرے اگر اس کائنات کو حادثہ اور اتفاق کی پیداوار قرار دیا جائے تو اس کا کوئی مقصد نہیں ہوگا۔ زندگی کا کارواں بغیر منزل کے وقت کے بیابان میں دھکے کھاتا رہے گا اور انسان پر اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس سے اس کی منزل چھین لی جائے اور اس کے اعمال کو نتائج سے بیگانہ کر دیا جائے۔

انسان کی تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی انسان کا رشتہ وحی الٰہی سے ٹوٹا، وہ افراط و تفریط کا شکار ہو گیا۔ جب حقیقتِ انسان کے بارے میں عقل کی ٹھوکروں کا یہ حال ہے تو دوسرے انسانی مسائل کے بارے میں اس کی لغزشیں بعید از قیاس نہیں۔

فرد اور معاشرہ کا باہمی تعلق کیا ہے؟

انسانی سوسائٹی میں عورت کا مقام کیا ہے؟

گناہ کیا ہے؟؟

خیر و شر کا کیا معیار ہے؟

حاکم اور رعایا میں تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟

Marfat.com

دولت کی آفرینش میں سرمایہ اور محنت کا کتنا کتنا حصہ ہے ؟

اسی طرح کے کئی دیگر مسائل ہیں۔ ہم یہاں صرف چند مسائل کے بارے میں بحث کریں گے۔

یورپ میں تحریکِ احیاءِ علوم سے پہلے وہاں کا عام شہری دوہری غلامی کے شکنجوں میں کراہ رہا تھا۔ ایک طرف کلیسا کی جابرانہ مذہبی بالادستی تھی، دوسری طرف جاگیردار کی معاشی برتری تھی۔ ہر شخص اربابِ کلیسا کو اپنی پیداوار کا ایک حصہ دیا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ اس بات کا بھی پابند تھا کہ وہ کلیسا کی زمینوں میں بطور بیگار کام کرے اور کلیسا کی جنگوں میں بطور رضا کار شریک ہو۔ جاگیردار کی گویا یہ زرخرید غلام تھا۔ دن رات بے زبان جانوروں کی طرح یہ اس کے کھیتوں میں جتا رہتا۔ ایک جاگیردار کی زمین چھوڑ کر وہ نہ کسی دوسرے جاگیردار کے پاس جا سکتا تھا، نہ کوئی دوسرا پیشہ اپنا سکتا تھا۔ جب کوئی جاگیردار زمین فروخت کرتا تو کسان بھی زمین کے ساتھ نئے مالک کے قبضہ میں منتقل ہو جاتا۔

نشاۃ ثانیہ نے کلیسا کی غلامی کی زنجیروں کو کاٹ دیا۔ صنعتی انقلاب نے جاگیرداروں کی بالادستی کا خاتمہ کر دیا۔ دوہری غلامی سے یہ آزادی یورپ کے عام شہری کو بڑی مشکل اور دیر کے بعد میسّر آئی تھی۔ اس لیے اس نے فرد کی آزادی کے گیت گانے شروع کر دیئے۔ وہاں کوئی ایسی قوت نہ تھی جو اس آزادی کو آئین کا پابند بنا کر راہِ راست پر گامزن کر دیتی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد ہو کر ہر شخص من مانی کرنے لگا۔ حکومت کو بھی اجازت نہ تھی کہ فرد کی آزادی میں مخل ہو۔ اس کا یہ فرض تھا کہ اگر کوئی شخص یا ادارہ فرد کی آزادی میں مخل ہو تو اس کو ایسا کرنے سے

Marfat.com

رو گے۔ آزادی کی اس لہر سے عوام کو صرف شراب پینے کی، جوا کھیلنے کی محفلِ رقص و سرود میں شرکت کرنے کی اور ہر طرح کی بدکاری کی آزادی ملی، لیکن سرمایہ دار نے عوام کی اس غفلت سے خوب فائدہ اٹھایا۔ معاشی لوٹ کھسوٹ کی آزادی حاصل کر کے اس نے انھیں دونوں ہاتھوں سے لوٹنا شروع کر دیا۔ اسے سود لینے کی اور حسب منشا اس کی شرح مقرر کرنے کی آزادی تھی۔ اسے دلکش اور نظر فریب قمار خانے تعمیر کرنے اور اس میں سادہ لوح عوام کو جوا کھیلنے کے رنگ برنگے مواقع فراہم کر کے انھیں لوٹنے کی آزادی تھی، مزدور کا استحصال کرنے کی آزادی تھی۔

اس نے سینما بنائے اور ان میں عریاں اور انتہائی اشتعال انگیز فلمیں دکھا کر لوگوں کے اخلاق کو برباد کرنا شروع کر دیا۔ سب اسی آزادی کی دیوی کے قصیدے گا رہے تھے۔ ادیب اپنے افسانوں، ڈراموں اور ناولوں میں اس کی تقدیس بیان کر رہے تھے۔ غرض انفرادیت پرستی کا ایک ایسا جھکڑ چلنے لگا، جس نے معاشرہ کی تمام اخلاقی قدریں پامال کر دیں، لیکن کسی کو اف کرنے کی مجال نہ تھی۔

قوم کا سرمایہ چند حریص اور عیّار سرمایہ داروں کے قبضہ میں آ رہا تھا۔ عوام اور مزدور شراب میں مست ہو کر رات رات بھر رقص کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ یہودی ساہوکار ان کے خون کا آخری قطرہ نچوڑ رہا تھا۔ معاشرہ غریب اور امیر میں تیزی سے بٹنے لگا۔ فرد کی یہ مادر پدر آزادی اپنے جلو میں بربادیوں، محرومیوں اور مایوسیوں کا لشکرِ جرار لے کر تباہی مچا رہی تھی، یہاں تک کہ صبر و ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ فضا آہوں اور سسکیوں سے بھر گئی، اب اس کا رد عمل شروع ہوا۔ سود خوروں سٹہ بازوں اور صنعتی اجارہ داروں کے خلاف نفرت اور عداوت کا ایک طوفان

Marfat.com

امڈ آیا۔ کارل مارکس یہودی نے آگے بڑھ کر اسے فلسفیانہ بنیاد اور دلائل و براہین کا انبار مہیا کر دیا۔ یوں کمیونزم نے اجتماعیت کا پرچم لہرایا اور اس کی قربان گاہ پر فرد کو اس کی تمام عزیز اقدار سمیت بھینٹ چڑھا دیا گیا۔

فرد کو ہر قسم کی ملکیت کے حق سے محروم کر دیا گیا۔ اظہارِ خیال، تقریر و تحریر کی آزادی سلب کر لی گئی۔ یوں فرد کی وہ ساری انانیت اور نخرے خاک میں مل گئے۔ وہ معاشرے کا بندۂ بے دام بن کے رہ گیا۔ ان بدلے ہوئے حالات میں فرد کا مفاد پیشِ نظر نہیں ہو گا بلکہ معاشرہ کا مفاد پیشِ نظر ہو گا۔ اب فرد کی مرضی نہیں چلے گی، معاشرہ کی مرضی چلے گی۔ درحقیقت معاشرہ کا لفظ تو محض ایک دھوکا اور فریب تھا۔ جس کے پردے میں پرولتاری آمریت اپنے بے پایاں اختیارات کے ساتھ فرد کی بیخ کنی میں سرگرمِ عمل تھی۔ جہاں بھی اشتراکیت کے سبز قدم پہنچے، انسانی خون کے دریا بہہ گئے۔ سائبیریا کے برفانی جنگل دانشوروں، پروفیسروں، انجینئروں، سائنس دانوں، قانون دانوں اور عوام کے جمِ غفیر سے بھر گئے۔ جہاں موسم کی چیرہ دستیوں کے ساتھ ساتھ نامناسب غذا طبی سہولتوں کے فقدان، کیمپوں کے افسران کی سنگدلیوں کے باعث ہزاروں نہیں لاکھوں قیمتی افراد لقمۂ اجل بن گئے۔

حاضرینِ کرام! کاروانِ انسانیت کی قیادت کا رشتہ جب بھی وحی الٰہی سے چھوٹا اور عقل زیاں اندیش نے اس کی زمام اپنے ہاتھ میں لی، افراط و تفریط کی۔ ان بھول بھلیوں میں ہی وہ ٹھوکریں کھاتا رہا۔ کبھی ذاتی مفادات کے خارزاروں میں الجھ کر رہ گیا اور کبھی اجتماعی مفاد کی تند لہریں اسے خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے گئیں۔

اسلام نے جہاں خود انسان کے بارے میں ایک متوازن نظریہ پیش کیا جو عین

Marfat.com

حقیقت تھا۔ اسی طرح فرد اور معاشرہ میں ایسا ربط باہم قائم کیا کہ نہ افراد کی چیرہ دستیاں معاشرہ کے مفادات کو پامال کرسکتی ہیں اور نہ معاشرہ کا عفریت فرد کی فطری صلاحیتوں کی نشوونما میں حائل ہوسکتا ہے۔ اسلام نے فرد کا احترام کیا، اس کو اپنی مرضی کے مطابق پروان چڑھنے کی اجازت دی۔ اس کو کمانے اور کھانے کی آزادی مرحمت کی، لیکن یہ آزادی مادر پدر آزادی نہیں، بلکہ اس کے لیے حدود مقرر کیں۔ وسائل معیشت میں حلال و حرام کا امتیاز قائم کیا ہے تاکہ کوئی کسی کی مجبوری، ناواقفی اور سادہ لوحی سے ناجائز فائدہ نہ اٹھا سکے۔ سود، جوا، بے جا نفع خوری، چور بازاری، اسمگلنگ ذخیرہ اندوزی نیز ایسی صنعتیں جن کا مقصد ہی انسان کے شہوانی جذبات کو برانگیختہ کرنا ہے، ان سب کو ممنوع قرار دیا۔ یہاں تک فرد کی اپنی ذاتی صلاحیتوں کے بروئے کار لانے کا تعلق ہے وہ آزاد ہے۔ اس کی آزاد محنت سے کمائے ہوئے سرمائے کے حقوق ہیں۔ جن کی حفاظت اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ کسی فرد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کوئی ایسا کام کرے جس سے اس کے بھائی کے جائز حقوق پر زد پڑتی ہو یا معاشرہ کا مفاد مجروح ہوتا ہو۔

ایک اور پیچیدہ مسئلہ مرد و زن کا باہمی تعلق ہے۔ یہاں بھی ہمیں عقل انسانی قلابازیاں کھاتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ عورت کے بارے میں اہل خرد کے نظریات کا اتار چڑھاؤ بڑا ہی کرب انگیز ہے۔ کبھی اسے مرد کے غلام کی حیثیت دی گئی۔ مرد کی خدمت اور آسائش اس کا مقصد حیات تھا۔ یونان کے فلسفی تو برسوں اس مسئلہ پر بحث کرتے رہے کہ عورت ذی روح بھی ہے یا نہیں۔ اسے گناہ اور برائی کی دعوت دینے والی یعنی شیطان مردود قرار دیا گیا۔

رومی اپنے ابتدائی دور میں اسے اپنے خاوند کی غلام تصور کرتے۔ بعض حالات میں خاوند کو اجازت تھی کہ وہ اپنی بیوی کو قتل کر دے۔ آہستہ آہستہ عورت کی حیثیت بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ سارا رومی معاشرہ اس کے اشارۂ ابرو پر رقص کرنے لگا۔ نکاح کی اہمیت ختم ہوتی گئی۔ بات بات پر طلاق دینے کا عام رواج ہو گیا۔ عورتیں بار بار شادی کرنے کو سرمایۂ افتخار سمجھنے لگیں۔ "سینٹ جردم" ایک باکمال عورت کا ذکر کرتا ہے، جس نے آخری بار تیسویں شادی کی اور اپنے شوہر کی اکیسویں بیوی تھی۔ نکاح کے بغیر ازدواجی تعلقات قائم کرنا معیوب نہ رہا۔ فسق و فجور کا سیلاب اُمڈ کر آ گیا۔ شاہی خاندانوں میں بھی ایسے حکمران گزرے، جنہوں نے اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو اپنے شبستانِ عشرت کی زینت بنا لیا تھا۔ قحبہ گری کا پیشہ معیوب نہ رہا۔ رومیوں میں فلورا نامی کھیل از حد مقبول تھا، کیونکہ اس میں ننگی دوشیزائیں دوڑ میں شریک ہوتی تھیں۔ مالدار بیویاں اپنے شوہروں کو بھاری شرحِ سود پر قرضہ دیا کرتی تھیں۔

اس بے راہروی کے دور میں قسطنطین کی سرپرستی میں عیسائیت نے یورپ میں قدم رکھا اور ایک نئے ردِّ عمل کا آغاز ہوا۔ اس نے اعلان کیا کہ عورت گناہ کی ماں اور بدی کی جڑ ہے۔ اس کا عورت ہونا ہی شرمناک ہے اس کو اپنے حسن و جمال پر اترانا نہیں، شرمانا چاہیئے۔ "طرطولیاں" جو ابتدائی دور کے ائمہ مسیحیت میں سے تھا کہتا ہے:

> عورت شیطان کے آنے کا دروازہ ہے، وہ شجرِ ممنوعہ کی طرف پہنچانے والی، خدا کے قانون توڑنے والی اور خدا کی تصویر، مرد کو غارت کرنے والی ہے۔"

Marfat.com

کرائی سوسٹم جو مسیحیت کے اولیاء کبار میں شمار ہوتا ہے، عورت کے حق میں کہتا ہے:

"ایک ناگزیر برائی، ایک پیدائشی وسوسہ، ایک مرغوب آفت، ایک غارت گر دلربائی، ایک آراستہ مصیبت"

یہی نہیں، بلکہ مرد و عورت کا صنفی تعلق خواہ نکاح سے ہو، بجائے خود ایک نجاست اور قابل اعتراض چیز بن گیا۔ مذہبی زندگی کے لیے ضروری ہو گیا کہ انسان نکاح نہ کرے۔ اگر نکاح کر لیا ہو تو قرابت سے باز رہے۔ مذہبی انجمنوں نے یہ قانون پاس کیا کہ چرچ کے عہدہ دار تخلیہ میں اپنی بیویوں سے بھی نہ ملیں۔ چرچ کے تہوار میں وہ مرد اور عورت شریک نہیں ہو سکتے تھے، جنھوں نے پہلی رات ایک ساتھ گزاری ہو۔ اس راہبانہ تصور نے خاندانی تعلق حتیٰ کہ ماں اور بیٹے کے تعلق میں تلخی گھول دی۔

صدیوں عورت نفرت اور حقارت کی نگاہوں سے دیکھی جاتی رہی۔ وہ نہ اپنے باپ کی وارث ہو سکتی تھی، نہ اپنے خاوند کی، نہ اپنے بیٹے کی۔ اسے یہ حق ہی نہ تھا کہ کسی جائیداد کی مالک بن سکے۔ کلیسا نے فطرتِ انسانی کے جبلّی تقاضوں کے سامنے بند باندھنے کی جو کوشش کی تھی، اس میں اسے بُری طرح ناکامی ہوئی۔ لٹے ہوئے جذبات سیلاب بن کر اُمڈے اور ان خانقاہوں کے تقدس کو بھی خار و خس کی طرح بہا کر لے گئے، جہاں مقدس راہب اور مقدس راہبات اس نجاست سے دامن بچانے کے لیے گوشہ نشین ہو گئے تھے، راہبوں کی خانقاہیں جنسی آلودگیوں میں یوں مبتلا ہو گئیں۔

Marfat.com

کہ ان کی سرانڈ سے دماغ پھٹنے لگے۔ آخر جب نشاۃ ثانیہ سے کلیسا کی گرفت ڈھیلی پڑی تو ان غیر فطری پابندیوں کے خلاف بڑی شدت سے ردعمل رونما ہوا۔

انیسویں صدی میں ڈارون نے انسان کو حیوان ثابت کر کے پرانی اخلاقی قدروں کو روند ڈالا۔ لذت گیری اور شہوت رانی زندگی کا مقصدِ اعلیٰ بن گئی۔ فرائیڈ نے یہودیوں کو عالمی سازش کے تحت انسان کو جنسی شہوات کا صیدِ زبوں ثابت کیا۔

انسانی تخلیق کا مقدس فریضہ بھی مرد و زن کی آزاد خواہشات کی راہ میں حائل ہوا تو اسے بھی اٹھا کر پرے پھینک دیا۔ ضبطِ تولید کے نت نئے طریقے ایجاد کیے جانے لگے، لائق فائق ڈاکٹروں کی ٹیمیں سارے کام چھوڑ کر ایسی مؤثر دوائیں بنانے میں منہمک ہو گئیں جن کے استعمال سے پیدائش اطفال کے عمل کو مؤثر طور پر روکا جا سکے، جہاں یہ سارے حربے ناکام ثابت ہوئے وہاں کنواری ماؤں کو اسقاطِ حمل کی قانونی اجازت دے دی گئی، اور ہسپتالوں میں ایسے شعبے کھولے گئے جو صرف اس کام کے لیے ہی مخصوص ہیں۔ اس کام کے کم و کیف کی تفصیلات ہوشربا ہیں۔ صرف ایک مثال بطور نمونہ سماعت فرمائیے۔

۲۷ مارچ ۱۹۷۳ء کی صبح سوا چھ بجے بی بی سی لندن نے یہ خبر سنائی،

"آج برطانیہ کے شہر "نوٹنگھم" میں پچاس ہزار افراد نے حمل گرانے کے خلاف زبردست مظاہرہ کیا۔ ہسپتالوں سے جمع کردہ اعداد بتاتے ہیں کہ ۱۹۷۲ء میں ایک لاکھ انسٹھ ہزار دو صد پچاس حمل گرائے گئے

تھے۔ یہ سب کنواری لڑکیوں کے تھے۔ روزانہ اوسط چار صد پچاس بنتی ہے یہ ان بچوں کے علاوہ تھے جنھیں یا تو دوشیزہ ماؤں نے خود رکھ لیا تھا یا سرکاری پرورش گاہوں میں بھجوا دیا تھا۔"

مغرب کے علماء اس جنسی عمل کو عین حیاتیاتی عمل بتاتے ہیں۔ جب خواہش پیدا ہو، اسے پورا کر لینا چاہیئے، ورنہ طرح طرح کی نفسیاتی الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں، یہ عمل بعینہٖ اس طرح ہے جس طرح کسی کو پیاس لگے، وہ پانی کا گلاس پی لے۔ یا بھوک لگے تو کھانا کھا لے۔ وہ ہم پر خفا ہوتے ہیں کہ تم لوگوں نے اس سادہ سے حیاتیاتی عمل میں اخلاق کو گھسیڑ دیا ہے اور اس کو پیچیدہ بنا دیا ہے۔ یہ ابلہی اور حماقت کیونکہ اہل مغرب سے سرزد ہوئی ہے، اس لیے اسے ابلہی اور حماقت کہنے کی جرأت کون کر سکتا ہے۔

بے شک یہ دانائی اور خردمندی ہے۔ صرف اس میں مرد کی خود غرضی کا زہر ملا ہوا ہے۔ مرد عورت کی سادہ لوحی کا پہلے بھی استحصال کرتا رہا، اب جب کہ اس کی خودی بیدار ہو رہی ہے۔ اسے اچھے کپڑے پہنا کر، وسائل زینت سے آراستہ کر کے نائٹ کلبوں میں شب بھر گھومنے کی آزادی دے کر، رقص گاہوں میں اسے مصروف رقص رہنے کی اجازت دے کر مرد آج بھی اس مسکینہ کے بھولے پن سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ مانا کہ بے مروّت مرد تو اس حیاتیاتی عمل سے فارغ ہو کر، دامن جھاڑ کر چلا گیا، لیکن کبھی کسی نے اس صنفِ نازک کا بھی خیال کیا کہ اس عمل سے اس کی زندگی کن کن خطرات میں گھر جاتی ہے۔ ضبطِ تولید کی دوائیں اگر مؤثر بھی ثابت ہوں، تو ان کا خطرناک ردّ عمل بجائے خود ایک حقیقت ہے۔ اس سے اس مظلومہ کو کون بچائے گا۔ باوجود کوشش کے اگر حمل ٹھہر گیا تو اسقاطِ حمل کا مرحلہ کتنا جانگسل ہوتا ہے۔ اگر

Marfat.com

یہ تدبیر کارگر ثابت نہ ہوئی اور بچے نے جنم لے لیا تو اس کو شفقتِ پدری اور آغوشِ مادری کون مہیا کرے گا۔ سرکاری پرورش گاہیں مانا، سب سہولتیں فراہم کرتی ہے۔ لیکن ماں کا پیار تو نہیں دے سکتیں۔ نیز اس تہذیب کے اثرات تو ان ملکوں میں بھی تیزی سے پھیل رہے ہیں، جہاں لوگوں کو بنیادی ضرورتیں بھی میسّر نہیں، چہ جائیکہ ان سہولتوں کے بارے میں سوچا جائے۔

کوریا اور ویت نام میں امریکہ کے فوجی آوارہ بچوں کے جو لشکر ہائے جرار چھوڑ کر آئے ہیں۔ ان کی حالتِ زار پر کبھی آپ کی آنکھ نمناک ہوئی ؟ کیا یہ مسئلہ اتنا سادہ ہے جتنا پیاسے کے لیے ایک گلاس پانی یا بھوکے کے لیے ایک ڈبل روٹی۔ سنگدلی اور کند ذہنی کی بھی کوئی حد ہونی چاہیئے۔

اسلام نے اس نازک اور پیچیدہ مسئلہ کو جس عمدگی اور فطری سادگی سے حل کیا ہے، یہ اس کے دینِ فطرت ہونے کی ناقابل تردید دلیل ہے۔ اسلام نے عورت کی فطرت کے متعلق بحث کی ہے۔ اسے انسانیّت کے لحاظ سے مرد کا ہم پایہ قرار دیا ہے۔ مرد اور عورت کے مجموعہ کو اسلام ایک وحدت سمجھتا ہے جس سے انسانی معاشرہ کا قصرِ رفیع تعمیر ہوتا ہے۔ یوں ان تمام نظریات کو باطل قرار دے دیا، جو عورت کو مرد سے انسانی نقطۂ نظر سے فروتر سمجھتے ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے :

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ	اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے، جس
الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ	نے پیدا فرمایا تمھیں ایک جان سے اور
وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا	پیدا فرمایا اس سے جوڑا اس کا۔ اور پھیلا
وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا	دیئے ان دونوں سے مرد کثیر تعداد میں

Marfat.com

وَّنِسَاءً ۚ (النساء: ۱) اور عورتیں (کثیر تعداد میں)

اس بات کا بھی اعلان کر دیا کہ اپنے خالق اور پروردگار سے مرد اور عورت کا تعلق یکساں نوعیت کا ہے۔ عورت بھی اپنے اعمالِ صالحہ کے لیے اس کی بارگاہ سے اس اجر اور انعام کی مستحق ہے جس کا حق مرد کو پہنچتا ہے۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ — تو قبول فرمالی ان کی التجا، ان کے پروردگار

اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ — نے (اور فرمایا) میں ضائع نہیں کرتا عمل

مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى — کسی عمل کرنے والے کا تم سے۔ خواہ مرد

بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ — ہو یا عورت۔ بعض تمہارا اجز ہے بعض

(آل عمران: ۱۹۵) کی۔

پھر اس حقیقت کو بھی آشکارا کر دیا کہ مرد اور عورت دونوں ایک دوسرے کے لیے ناگزیر ہیں۔ ایک صنف دوسری صنف کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ بعینہٖ وہی فائدہ دوسری صنف پہلی صنف سے حاصل کرتی ہے۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ — عورتیں تمہارے لیے لباس ہیں اور تم

لِبَاسٌ لَّهُنَّ ط (البقرہ: ۱۸۷) — ان کے لیے لباس ہو۔

اس لحاظ سے دونوں کے حقوق و فرائض مساوی ہیں۔ پھر لباس کی تعبیر کتنی معنی خیز ہے۔ مختصر الفاظ میں لباس پردہ ہے۔ ہر عیب کو چھپاتا ہے۔ زینت ہے حسن و جمال کو نکھارتا ہے۔ راحت ہے، سردی اور گرمی سے بچاتا ہے، کیا ایک اچھی بیوی اپنے خاوند کے لیے اور ایک اچھا خاوند اپنی بیوی کے لیے پردہ زینت اور راحت نہیں۔ یقیناً ہے۔ جس ملت کے ہر گھر میں زوجیت کا یہ بلند تصوّر اور اعلیٰ معیار ہو۔

Marfat.com

اس کے لیے یہ دنیا جنت نہیں تو اور کیا ہے۔ (ضیاء القرآن)

ایک دوسری آیت میں مرد اور عورت کے تعلقات کو یوں بیان فرمایا ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ	اور اس کی قدرت کی ایک نشانی یہ ہے
مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا	کہ اس نے پیدا فرمائیں تمھارے لیے
لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَ جَعَلَ	تمھاری جنس سے بیویاں تاکہ تم سکون
بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ	حاصل کرو ان سے۔ اور پیدا فرمائے
رَحْمَةً ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ	تمھارے درمیان محبت اور رحمت کے
لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ	جذبات۔ بے شک اس میں بہت
(الروم: ۲۱)	نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

اور جب سے ہم نے آیات الٰہی میں غور و فکر کا رویہ ترک کر دیا ہے۔ ہماری زندگی کے گلشن میں کھلنے والے پھول، رنگ اور مہک دونوں سے محروم ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

عورت کے لیے کسب معاش کا حق تسلیم کیا۔ فرمایا:

لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا	مردوں کے لیے حصہ اس سے جو انھوں
اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِیْبٌ	نے کمایا اور عورتوں کے لیے حصہ اس
مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ (النساء: ۳۲)	سے جو انھوں نے کمایا۔

اس کے لیے حق ملکیت ثابت کیا ہے اور اس کو اپنے باپ، خاوند اور دیگر قریبی رشتہ داروں کا مردوں کی طرح وارث بنایا۔ ارشاد گرامی ہے:

Marfat.com

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ	مردوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے
الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ	جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قریبی رشتہ دار
وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا	اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس میں سے
تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَ	جو چھوڑ گئے ماں باپ یا رشتہ دار
الْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ	اس ترکہ میں سے جو تھوڑا ہو یا زیادہ۔
مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا	یہ حصہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے
مَفْرُوضًا۔	(النساء)

انسانی زندگی کے چند گوشے اور وہ بھی بڑے اختصار کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش کیے۔ عقل انسانی نے ان مسائل کو حل کرنے میں جو ٹھوکریں کھائی ہیں، ان کا بھی آپ نے مشاہدہ فرمایا۔ اس کی فکری بے راہروی سے کس طرح انسان انسانیت کے منصب جلیل سے گر کر حیوان کی جنسی آلودگی کی دلدل میں پھنس کر رہ گیا۔ اس کی زندگی سے وابستہ مسائل بڑی بے دردی سے افراط و تفریط کی قربان گاہ پہ ذبح کیے جاتے رہے ہر بار انسان نے اس ظلم کو ہی حق و عدل سمجھا اور اس کو بروئے کار لانے کے لیے اپنے تمام وسائل اثر و رسوخ اور قوت و جبروت کو بڑے شرح صدر سے استعمال کیا کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ خون کے دریا بہا دیئے۔ آبادیوں کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ یہ بربریت، یہ چنگیزیت انسان کی مشکلات کو حل کرنے کے نیک جذبہ کے تحت روا رکھی گئی۔ اس کے باوجود کوئی گرہ کھلی نہیں، بلکہ اس میں مزید پیچیدگیاں پیدا ہوتی گئیں۔

اس کے برعکس اسلام نے انسان کے بارے میں جو نقطہ نظر بیان کیا، اس کے پیچیدہ مسائل کو جس سادگی اور آسانی سے حل کیا، اس کو بھی آپ ملاحظہ فرما چکے۔

Marfat.com

یہاں آپ کو افراط و تفریط کا کہیں نشان بھی نہیں ملے گا۔ ایک ظلم کو مٹانے کے لیے اس سے بھی زیادہ ظلم کو جائز نہیں رکھا گیا۔ ایک کو حق دلانے کے لیے دوسرے کی حق تلفی نہیں کی گئی۔ پھر اس دینِ حق کے نبی کریم رؤف رحیم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے طفیل آپ کو "امین" بنایا گیا۔ زیبِ عنوان آیت میں اللہ تعالےٰ نے ہمیں اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا

اے غلامانِ مصطفےٰ! ہم نے تمھیں ایک ایسی امت بنایا، جو راہِ اعتدال پر گامزن ہے، جس کا دامن افراط و تفریط کے بدنما داغوں سے آلودہ نہیں۔ جس کے نظامِ حیات میں عقل کی قلابازیوں کے المناک مناظر دیکھنے میں نہیں آتے اور اس کے ساتھ ہی اس امر کی بھی صراحت کر دی کہ اب یہ تمھاری ذمہ داری ہے کہ اس نظامِ حیات کے مطابق ایسا معاشرہ وجود میں لاؤ، جس میں ایسے پاکیزہ نفوس آباد ہوں، جن کے دلوں میں اللہ تعالےٰ اور اس کے پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت کی شمع فروزاں ہو۔ اللہ تعالےٰ کی مخلوق کے لیے خلوص اور ہمدردی کے جذبات موجزن ہوں۔ جس معاشرہ کے افراد روشن دماغ بھی ہوں اور روشن ضمیر بھی۔ عدل اور مساوات کے جاں پرور، روح افروز مناظر قدم قدم پر دامنِ نگاہ کو اپنی طرف کھینچ رہے ہوں۔ جہاں نہ کوئی مظلوم ہو نہ ظالم۔ مادی ترقی بھی اپنے عروج پر ہو، اور دنیائے روحانیت میں بھی بہار کا سماں ہو۔ وہاں بسنے والے دولت مند سخی اور کریم ہوں! ور فقرا خوددار اور بے نیاز ہوں۔ تب ہی تمھاری گواہی قابلِ قبول ہوگی اور اسی قسم کی گواہی ادا کرنے کی ذمہ داری ہم پر عائد کی گئی ہے۔ لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ

Marfat.com

میں یہی حقیقت بیان کی گئی ہے۔

اسی مقصد کے لیے لاکھوں نوجوانوں نے پاکستان کے حصول کے لیے سروں کے نذرانے پیش کئے تھے۔ اپنے معصوم بچوں کو دشمنوں کی تلواروں کی دھار پر کٹتے دیکھا تھا اور وہ خوش تھے کہ انھوں نے بندگی کا حق ادا کر دیا۔ ان کے اس خلوص نے ہمیں پاکستان جیسا عظیم ملک دیا۔ اس کو اس نہج پر آباد کرنا ہماری ذمہ داری ہے اس لیے ہم اہلِ سنت نظامِ مصطفےٰ علیہ التحیہ والثنا کے نفاذ کے لیے کوشاں ہیں اور جب تک اس منزل تک رسائی حاصل نہ کرلیں۔ اس وقت تک آرام کا سانس لینا ہمارے لیے جائز نہیں۔

وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا فرما کر بتا دیا کہ میرے اس دین کی حقانیت کا سب سے بڑا گواہ میرا محبوب اور برگزیدہ بندہ محمد مصطفےٰ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ہے۔ جن کو میں نے اولین و آخرین کا رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے، جس طرح حضور کے دین کی حقانیت اور سچائی کے گواہ ہیں، اسی طرح قیامت کے روز اپنی امت کے اعمالِ حسنہ کی بھی گواہی دیں گے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گواہی پر ہی امت کی نجات اور بخشش کا دار و مدار ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ان کلمات کی کیا بصیرت افروز تفسیر فرمائی ہے۔ اپنی تفسیر "فتح العزیز" میں لکھتے ہیں:

"باشد رسولِ شما برشما گواہ زیراں	تمھارا رسول تم پر گواہی دے گا کیونکہ
کہ او مطلع است بنور نبوت بر رتبۂ	وہ جانتے ہیں اپنی نبوت کے نور سے
ہر متدین بدینِ خود، کہ در کدام	اپنے دین کے ہر ماننے والے کے رتبہ

Marfat.com

درجہ در دینِ من رسیدہ و	کو میرے دین میں اس کا کیا درجہ ہے اور
حقیقت ایمانِ او چیست و	اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور وہ
حجابے کہ براں از ترقی محجوب	کون سا پردہ ہے جس سے اس کی ترقی
ماندہ است کدام است، پس	رکی ہوئی ہے۔ پس وہ تمہارے گناہوں
اُو می شناسد گناہاں شمارا، و	کو بھی پہنچانتے ہیں۔ تمہارے ایمان کے
درجاتِ ایمانِ شمارا و اعمال	درجات کو بھی، تمہارے نیک و بد سارے
نیک و بد شمارا و اخلاص و	اعمال کو، تمہارے اخلاص اور نفاق کو
نفاق شمارا۔	بھی خوب پہچانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریاں حسن و خوبی سے انجام دیں، تاکہ اسلام کے بارے میں دشمنانِ اسلام کی پھیلائی ہوئی طرح طرح کی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو جائے اور لوگ اس چشمۂ فیض سے فیضیاب ہو سکیں اور قیامت کے دن بھی ہم اللہ کی جناب میں سرخروئی حاصل کر سکیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

Marfat.com

عدل و انصاف

قرآن کی روشنی میں

ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ ایم اے (الازہر) نے یہ مقالہ ۵ / جون کو شامِ ہمدرد کے ایک بارونق اور پُر وقار اجتماع میں سنایا۔ ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل لاہور میں منعقد ہونے والے اس اجتماع کا اہتمام محترم حکیم محمد سعید دہلوی (ستارۂ امتیاز) نے کیا۔ اور صدارت جسٹس بدیع الزمان کیکاؤس نے کی۔

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَحْمَۃٍ لِّلْعٰلَمِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط

عدل وانصاف زندگی کی بوقلموں رعنائیوں اور دلآویزیوں کی جان ہے۔ اگر عدل وانصاف کے سوتے خشک ہو جائیں تو سارا گلشنِ ہستی اجڑ کر رہ جائے۔ یہ ایک عالمگیر صداقت ہے، جو ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے اور جسے ہر کوئی تسلیم کرتا ہے، حتی کہ وہ ظالم اور سفاک لوگ جن کی بربریت اور ستم رانیوں نے شرف انسانیت کی دھجیاں اڑا دیں، وہ بھی یہ نہیں کہہ سکے کہ عدل وانصاف سے ظلم و عدوان بہتر ہے، بلکہ جہاں تک ان سے بن پڑا، وہ اپنی چیرہ دستیوں کو بھی عدل وانصاف کا لباس پہنا کر پیش کرتے رہے۔

محترم جناب حکیم محمد سعید صاحب مدظلہ العالی نے مجھے ارشاد فرمایا ہے کہ میں اس باوقار محفل میں قرآنِ کریم کی روشنی میں عدل وانصاف کے موضوع پر اظہارِ خیال

Marfat.com

کروں۔ اس عزت افزائی کے لیے میں ان کا ازحد ممنون ہوں۔ خدا کرے میں ان کے حسن ظن پر پورا اتر سکوں۔

جب ہم اقوام عالم کے دساتیر اور قوانین پر تنقیدی نگاہ ڈالتے ہیں تو بجز حیرت و حسرت کے ہمیں کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ حیرت اس لیے کہ انسانی عقل نے انھیں قبول کیونکر کیا اور حسرت اس بات پر کہ بے کس انسانیت پر عدل کے نام پر کتنے ظلم ہوتے رہے۔ ہر معاشرہ میں ہمیں جھوٹے امتیازات اور ظالمانہ مراعات کے صنم کدے آباد نظر آتے ہیں۔ اور لوگ ہیں کہ فرطِ عقیدت سے ان کے گرد مصروفِ طواف ہیں جہاں یہ حالت ہو، وہاں عدل و انصاف کا فرضی وجود تو ہو سکتا ہے، لیکن اس کا حقیقی وجود نہیں پایا جا سکتا۔ جو خیرات و برکات کا سرچشمہ ہے، جس کے گھنے اور خنک سائے میں ستم رسیدہ انسانوں کو سکون نصیب ہوتا ہے۔

تین سو سال قبل مسیح بھارت میں برہمنی تہذیب اپنے شباب پر تھی۔ اسی زمانہ میں ہندی معاشرہ کے لیے ایک دستور مرتب کیا گیا، جس میں سیاسی، تمدنی اور اخلاقی قواعد و ضوابط کی وضاحت کر دی گئی۔ ملک بھر کے دانشوروں نے اسے بہ نظرِ استحسان دیکھا اور اسے ایک قانونی دستاویز کی حیثیت سے قبول کر لیا۔ اس وقت سے لے کر آج تک ہندو دھرم کے پرستار اپنے تمام معاملات میں اس سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

اس دستور کے مصنف ہیں منوجی اور انہی کے نام پر اس کتاب کو منو شاستر کہا جاتا ہے، اس متفقہ طور پر منظور شدہ قانونی اور آئینی دستاویز نے اہالیانِ ہند کو چار طبقوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ برہمن، کھشتری، ویش اور شودر۔

Marfat.com

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار کے عنوان میں رقمطراز

ہے:

"منوجی کے مرتب کردہ صحیفہ قانون کو ایک

آسمانی تقدس حاصل ہو گیا۔ اس کے قوانین ہر شک وشبہ سے بالاتر اور تنقید سے ماوراء تھے۔ منوشاستر میں تمام طبقات کی درجہ بندی کر دی گئی اور تفصیل سے ہر طبقہ کے فرائض بیان کر دیئے گئے اور اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کے لیے سزائیں بھی مقرر کر دی گئیں۔ مقالہ نگار کے یہ جملے آپ کی خصوصی توجہ کے مستحق ہیں:

یعنی جرائم کا ارتکاب اگر برہمن کریں تو ان کی سزاؤں میں غیر معمولی نرمی ملحوظ رکھی گئی ہے۔ اگر نچلے طبقہ کا کوئی فرد اعلیٰ طبقہ کے حقوق کو پامال کرے تو اس کے لیے بڑی وحشیانہ اور غیر انسانی سزائیں مقرر ہیں۔ معاشرہ میں مجرم کا درجہ جتنا گھٹیا ہو، اتنی ہی سزا اسے سخت دی جاتی ہے۔

اس کتاب کے دوسرے صفحہ پر مقالہ نگار نے یہ بھی لکھا ہے کہ منو کے آئین

Marfat.com

کے مطابق شودروں کو مذہبی تعلیم حاصل کرنے کا بھی حق حاصل نہیں۔ ایسا اجتماع جس میں نیچ قوم کا کوئی فرد موجود ہو، وہاں برہمن کو بھی اجازت نہیں کہ وہ مقدس کتابوں کی تلاوت کرے۔

ایک ہی قوم کے افراد میں قانون کی یہ ناہمواری عدل و انصاف کے تصور کو ہی ختم کر دیتی ہے۔ ابوریحان البیرونی نے اپنی زندگی کے پندرہ قیمتی سال ہندو معاشرہ کے مطالعہ میں صرف کئے۔ پھر بڑی دیانت اور ثقاہت کے ساتھ اپنی تصنیف 'کتاب الہند' میں اپنے مشاہدات کو قلمبند کر دیا۔ اس کی نگارشات کو ہندو فضلا بھی تسلیم کرتے ہیں۔ ایسے ثقہ مؤرخ کا یہ اقتباس آپ کے لیے یقیناً مفید ہو گا۔ شودر کے بارے میں لکھتے ہیں:

"شودر کی حیثیت برہمن کے غلام کی ہے۔ اس کو برہمن کے کام میں مصروف رہنا اور اس کی خدمت کرنا چاہیئے۔ ہر وہ کام جو برہمن ہی کے واسطے مخصوص ہے، مثلاً مالا جپنا، وید پڑھنا اور آگ کی قربانی شودر کے لیے منع ہے۔ اگر شودر یا ویش کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے وید پڑھا ہے تو برہمن اس کی اطلاع حاکم کو دے اور حاکم اس کی زبان کاٹ دے"

اسی طرح البیرونی تیسویں باب میں سزاؤں اور کفاروں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جرم کی یہ حالت ہے کہ اگر قاتل برہمن ہے مقتول دوسرے طبقہ کا تو قاتل پر کفارہ کے سوا کوئی سزا لازم نہیں ہے۔"

جناب عبدالمجید سالک اپنی کتاب 'مسلم ثقافت' میں لکھتے ہیں:

Marfat.com

"اگر کوئی برہمن کسی دوسری ذات کے آدمی کو قتل کر دیتا تو اس کو صرف برت ، پرارتھنا اور دان پن کرنا پڑتا۔ اس کے سوا اسے کوئی سزا نہ دی جاتی، دوسرے جرائم یہ تھے۔ گاؤ ہتھیا، شراب خوری، زنا کاری، خاص کر اپنے باپ کی بیوی یا گورو کی استری کے ساتھ، لیکن کوئی راجہ ان جرائم کی وجہ سے کسی برہمن یا کھشتری کو سزائے موت نہ دیتا تھا، بلکہ اس کی جائیداد ضبط کر کے اسے ملک بدر کر دیتا" صفحہ ۳۴

سالک صاحب منوسمرتی، باب اول منتر نمبر ۹۲ تا ۱۰۱ کے حوالہ سے برہمن کی برتری کے بارے میں لکھتے ہیں :

"منوجی نے صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ دنیا میں برہمن سے زیادہ برتر کوئی نہیں ہے۔ وہ دھرم کی مورت، نجات کا حقدار اور دھرم کے خزانے کا محافظ ہے۔ دنیا میں جو کچھ ہے سب برہمن کے لیے ہے"

منوسمرتی کے آٹھویں باب منتر ۳۶۴ میں مذکور ہے :

"زنا بالجبر کی سزا قطع عضوِ تناسل ہے۔ لیکن برہمن کو یہ سزا کبھی نہ دی جائے کیونکہ اس کو سزائے جسمانی دینا قطعاً ممنوع ہے"

مختلف طبقات میں جو ظالمانہ امتیازات موجود تھے ان کا مختصر سا خاکہ آپ نے ملاحظہ فرمایا، لیکن ایک طبقہ کے مرد و زن کے حقوق بھی یکساں نہ تھے۔ یہاں بھی بیّن تفاوت تھا اور اسے قانون کی پشت پناہی حاصل تھی۔ عورت خاوند کے تابع مہمل کی حیثیت رکھتی تھی۔ خاوند اسے جوئے میں داؤ پر لگا سکتا تھا اور جوا ہارنے والے کی عورت جیتنے والے کے تصرف میں چلی جاتی تھی اور قانون کو اس ظالمانہ

Marfat.com

طریقہ کار پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ عورت جائیداد کی کامل مالک نہیں ہو سکتی تھی اگر کوئی عورت عنفوان شباب میں ہی بیوہ ہو جاتی تو اسے دوبارہ شادی کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اسے بیوگی کی بے آبرومندانہ زندگی بسر کرنا پڑتی یا اپنے جوان سینے میں اپنی جواں امنگوں کو دبائے اس الاؤ میں کودجانا پڑتا جس میں اس کے خاوند کی لاش جل رہی ہوتی۔

حقوق و فرائض میں اس ظالمانہ تفاوت کو اہل ہند نے صدق دل سے تسلیم کرلیا تھا۔ کیا ایسے معاشرہ میں عدل وانصاف کی بالادستی قائم کی جاسکتی ہے اگر اسی ظلم وعدوان کو کوئی عدل وانصاف کہنے پر مصر ہو تو ہم اس کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔

ایران ہزاروں سال تک مشرقی دنیا کی مسند قیادت پر متمکن رہا۔ طبقاتی تقسیم جس کی چیرہ دستیوں کی المناک داستان ابھی آپ سن آئے ہیں، ایران میں بھی پوری قوت اور شدت کے ساتھ موجود تھی۔ ہندوستان میں برہمن کے ہاتھ صرف اقتدار تھا۔ کاروبار سلطنت اور تاج وتخت کے مالک راجے مہاراجے ہوا کرتے تھے۔ یہاں مذہبی اور سیاسی دونوں اقتدار بیک وقت ساسانی خاندان میں مرکوز تھے اہل ایران کا یہ عقیدہ تھا کہ ساسانی فرماں روا اس شاہانہ شان وشوکت کے نمائندے ہیں۔ جو انہیں ہرمز (خدا) نے عطا کی ہے۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۷ صفحہ ۵۶۴ پر مرقوم ہے:

"اہل ایران کی روایات میں ہے کہ یہ آسمانی حکومت ایران میں صرف اسی خاندان کو عطا ہوئی ہے۔ کوئی دوسرا ایرانی اس شرف میں ان کا

Marfat.com

مسا ہم نہیں ہو سکتا۔ ان کے تراشے ہوئے مجسموں میں یہ دکھایا گیا ہے کہ اردشیر اول یا شاپور اول ہرمز کے ساتھ ایک گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہیں۔ اور یہ خدا بادشاہ کو شہنشاہی کی انگوٹھی پہنا رہا ہے۔ اسی وجہ سے ایرانیوں کے نزدیک بادشاہی اس خاندان کا موروثی حق ہے کیونکہ ہرمز نے فقط اسی خاندان کو شہنشاہی کی انگوٹھی پہنائی ہے اور صرف اسی خاندان کو اپنی خدائی طاقتوں سے سرفراز کیا ہے۔

علامہ ابن جریر طبری نے بھی ایرانیوں کے اس نظریہ کو بیان کیا ہے اور اس کے بعد لکھا ہے:

"ایرانی اپنے بادشاہوں کو ہر قانون سے بالاتر اور ہر تنقید سے ماورا خیال کرتے تھے"

اب ذرا یونان کی اس سرزمین کی طرف عنانِ توجہ مبذول فرمائیے جہاں فلسفہ پیدا ہوا اور جس کی فضاؤں میں پروان چڑھا اور اپنے نامور فرزندوں کی عظیم کوششوں کے باعث یونانی فلسفہ کی روشنی سے نہ صرف یورپ بلکہ ایشیا اور شمالی افریقہ کے دور افتادہ ممالک کے در و دیوار بھی جگمگانے لگے۔ یونان کو بجا طور پر ناز ہے کہ اس نے سقراط، افلاطون اور ارسطو جیسے نابغۂ روزگار فلاسفر پیدا کئے جن کی عبقریت اور غیر معمولی ذہانت کو دنیا بھر کے دانشور خراج پیش کرتے رہے ہیں اور پیش کر رہے ہیں۔ لیکن جب ہم دقت نظر سے ان عظیم دانشوروں کی تعلیمات کا غیر جانب دارانہ مطالعہ کرتے ہیں، تو ان کی اچھی باتوں کے ساتھ ساتھ ہمیں ایسے خرافات بھی ملتے ہیں جنھیں پڑھ کر عقلِ انسانی کی نارسائی کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

ابو نصر فارابی جو یونانی فلسفہ کا بہترین ترجمان اور قابلِ اعتماد مفسر ہے، اس نے

اپنے رسالہ میں افلاطون اور ارسطو کی آراء و نظریات میں تضاد دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس رسالہ کا نام کتاب "الجمع بین رای الحکیمین" ہے۔ میرے پاس اس کا وہ نسخہ ہے جو مطبع کاتولیکیہ بیروت نے بڑی تحقیق اور اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے اس کا مقدمہ لبنان یونیورسٹی کے دکتور البیر نصری نادر نے لکھا ہے جو وہاں فلسفہ کے پروفیسر ہیں۔ پروفیسر مذکور اس کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"افلاطون سے جب پوچھا گیا کہ ہم اپنے شہر کا نظم و نسق کس طرح چلائیں تاکہ وہ آبادی اور خوشحالی میں بامِ عروج تک پہنچ جائے اور اس میں عدل و انصاف کے تمام قواعد پر عمل ہو سکے۔

اس کے جواب میں افلاطون کہتا ہے کہ اس کے لیے اس شہر کے باشندوں کو تین طبقوں میں تقسیم کرنا چاہیئے۔ حکّام، لشکر اور عوام الناس۔ پہلے دو طبقے اس مثالی شہر کے نگہبان ہیں۔ داخلی انتشار اور بیرونی حملوں سے بچانا ان کی ذمہ داری ہے۔ اس لیے ان دو طبقوں کی طرف خصوصی توجّہ دی جائے اور ان کی خصوصی تربیت کا اہتمام کیا جائے۔ افلاطون پھر تاکید کرتا ہے کہ ان طبقوں کو ہر قسم کی مالی پریشانیوں سے بچانا حکومت کا فرض ہے۔ اس طرح حکومت پر لازم ہے۔ ان کے دلوں سے خاندانی جذبات کی بیخ کنی کر دے اور انھیں اپنا علیحدہ خاندان بنانے سے قانونی طور پر روک دے۔ حکومت کو خوشگوار اوقات میں ایسے مذہبی تہوار منعقد کرنے چاہئیں، جن میں یہ چُنے ہوئے مرد صحت و جمال میں ہر طرح ممتاز عورتوں کے ساتھ وقتی طور پر رشتۂ ازدواج قائم کر سکیں اور اس کا مقصد

Marfat.com

صرف حکومت کے لیے بہترین بچوں کا پیدا کرنا ہو۔ جب وہ عورتیں بچے جنیں تو ان بچوں کو ان سے لے لیا جائے اور تمام بچوں کو ایک مکان میں رکھا جائے۔ وہ عورتیں آکر انھیں دودھ پلائیں اور کوئی عورت یہ امتیاز نہ کرے کہ یہ کس کا بچہ ہے اور نہ ان کو پہچان سکے۔ اس طرح اس طبقہ میں کوئی مخصوص رشتہ داری نہیں پائی جائے گی۔ وہ سب ایک خاندان کے افراد شمار ہوں گے۔ سب کے ساتھ یکساں نوعیت کی قرابت ہوگی۔

آخر میں افلاطون جیسا فیلسوف کہتا ہے کہ یہ آزادانہ اختلاط کرنے والے مرد اور عورتیں ممتاز صلاحیتوں کے مالک ہوں گے اور ان کی اولاد بھی یقیناً دوسرے لوگوں سے برتر اور اعلیٰ ہوگی۔

(کتاب الجمع صفحہ ۱۸،۱۷)

افلاطون جیسے فلسفی کے یہ خیالات پڑھ کر سر چکرانے لگتا ہے، کیا یہ وہ شخص ہے جس کی علمیت اور حکمت کا ڈنکا چار دانگِ عالم میں بج رہا ہے؟ کیا یہ وہ شخص ہے جسے دنیا حکیم اور فیلسوف کہتی ہے؟ کیا انسانی نفسیات سے اس کی بیخبری کا یہ عالم ہے؟

ذرا آگے بڑھیے۔ افلاطون کے فلسفہ کے ایک گوشہ سے نقاب اُلٹیے۔ وہاں افلاطون حکیم کی بجائے آپ کو ایک جلاد نظر آئے گا۔ جس کا دل رحمت و شفقت کے جذبات سے یکسر عاری ہے، جس کے سامنے عدل و انصاف کی بات کرنا بھی ان الفاظ کی توہین ہے۔ پروفیسر مذکور ہی کے الفاظ میں افلاطون کے اس نظریہ کو

Marfat.com

ملاحظہ فرمائیے:

فَاِنْ وُلِدَ لِلشَّعْبِ وَلِلْحُرَّاسِ
اَطْفَالٌ فِیْ غَیْرِ زَمَنِ
الْمُحَدَّدِ اُعْدِمُوْا وَ
کَذٰلِكَ یُعْدَمُ الطِّفْلُ
نَاقِصُ التَّکْوِیْنِ وَالْوَلَدُ
فَاسِدُ الْاَخْلَاقِ وَالرَّجُلُ
الضَّعِیْفُ عَدِیْمُ النَّفْعِ
وَالْمَرِیْضُ الَّذِیْ لَا یُرْجٰی
لَهٗ شِفَاءٌ لِاَنَّ الْغَایَةَ
هِیَ اَنْ یَظَلَّ عَدَدُ السُّکَّانِ
فِی الْمُسْتَوَی الَّذِیْ یَکْفُلُ
سَعَادَةَ الْمَدِیْنَةِ۔

(کتاب الجمع صـ ۱۸)

اگر عوام الناس اور اہل لشکر کے بچوں کی تعداد میں اضافہ ہو جائے اور مقررہ وقت میں وہ پیدا نہ ہوں تو انھیں قتل کر دیا جائے۔ اسی طرح وہ بچہ جو جسمانی طور پر ناقص ہے، وہ لڑکا جس کے اخلاق بگڑے ہوئے ہوں وہ کمزور مرد جس سے کوئی نفع نہیں، وہ بیمار جس کے تندرست ہونے کی کوئی امید نہیں (ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے) کیونکہ مقصد تو یہ ہے کہ اس مثالی شہر کے باشندوں کی تعداد اس سطح سے اوپر نہ ہو جن کی سعادت مندی کی ذمہ داری اٹھائی جا سکتی ہے۔

جو فلسفی بے گناہ بچوں کے قتل، بیماروں، لاچاروں اور کمزوروں کو تہ تیغ کرنے کی یوں کھلی اجازت دے رہا ہے اور اپنے مثالی شہر میں عدل وانصاف کے قیام کی اولین بنیاد قرار دیتا ہے، اس سے عدل وانصاف کی توقع سادہ لوحی کی انتہا ہے۔

Marfat.com

افلاطون کے بعد اس کا شاگرد ارسطو یونان کے افق پر حکمت و فلسفہ کا آفتاب بن کر طلوع ہوتا ہے اور اپنے استاد کے ان نظریات کی پرزور تردید کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

فَقَدْ ظَنَّ اَفْلَاطُوْنُ اَنَّ	افلاطون نے بچوں کو ان کے والدین
شُيُوْعِيَّةَ الْاَطْفَالِ تُوَسِّعُ	سے منسوب کرنے کی مخالفت کی ہے
دَائِرَةَ التَّعَاطُفِ لٰكِنَّهَا	اور انھیں مشترکہ ماں باپ کی اولاد
فِي الْحَقِيْقَةِ تُؤَدِّيْ	قرار دیا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ اس
اِلٰى اِنْتِفَاءِ الْمَحَبَّةِ	طرح باہمی محبت و پیار کا دائرہ وسیع
وَاِحْتِرَامِ ذَاتِ	ہوگا۔ درحقیقت یہ سراپا افترا و بہتان
الطِّفْلِ الَّذِيْ هُوَ	ہے۔ اس طرح تو محبت و احترام کے
اِبْنُ الْجَمِيْعِ لَيْسَ	سارے جذبات نیست و نابود ہو جائیں
اِبْنَ اَحَدٍ۔	گے، کیونکہ جو بچہ سب کا ہوتا ہے وہ
(کتاب الجمع ص۳۵)	کسی کا بھی نہیں ہوتا۔

ارسطو کے اپنے نظریات بھی کم تعجب انگیز نہیں۔ وہ اپنی کتاب "السیاسۃ" میں نوعِ انسانی کی یوں تقسیم کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"بعض لوگ ایسے ہیں جو طبعاً احرار (آزاد) ہوتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں جو طبعاً غلام ہوتے ہیں۔ شمالی یورپ کے لوگ بہادر ضرور ہیں لیکن ذہانت اور سیاسی سوجھ بوجھ سے بے بہرہ ہیں۔ مشرقی ممالک کے لوگ ذکی اور ماہر تو ہیں، لیکن ان میں شجاعت کا

Marfat.com

جوہر مفقود ہے ، لیکن یونانی (ارسطو کی اپنی قوم) ان دونوں خصوصیتوں کے مالک ہیں۔ یہ بہادر بھی ہیں اور ذکی اور فطین بھی۔ اس کے بعد ارسطو یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے :"

اِذًا فالْیُونَانِیُّ سَیِّدٌ حُرٌّ	یعنی مندرجہ بالا تشریح سے یہ ثابت
وَالْاَجْنَبِیُّ عَبْدٌ لَہٗ وَلَا	ہوگیا کہ اہلِ یونان سردار ہیں۔ آزاد
یَسْتَعْبِدُ الْیُونَانِیُّ اَخَاہُ	ہیں اور باقی سب ملکوں کے باشندے
بِاَیِّ حَالٍ ۔ ھٰذِہٖ فِکْرَۃُ	ان کے غلام ہیں۔ کوئی یونانی
الشَّعْبِ الْمُخْتَارِ ظَنَّھَا	یونانی بھائی کو غلام نہیں بنا سکتا۔ یہی
اَرِسْطُوْ اَوَّلِیَّۃً کُلِّیَّۃً	وہ شعبِ مختار (برگزیدہ قوم) کا نظریہ
ضَرُوْرِیَّۃً ۔	ہے۔ جسے ارسطو اولین ضرورت قرار
(کتاب الجمع صفحہ ۳۸، ۳۹)	دیتا ہے۔ جس کی کلیت مسلم ہے ۔

جب ارسطو کے نزدیک یونانی سردار ہیں ، آزاد ہیں اور باقی ساری قومیں ان کی غلام ہیں تو انسانی مساوات کا تصوّر کہاں سے آئے گا۔ مالک اور غلام میں ، آزاد اور اسیر میں عدل و انصاف کا برقرار رکھنا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے: اپنی قومی برتری کا یہی جنون مختلف طالع آزما لوگوں کو مختلف اوقات میں برانگیختہ کرتا رہا۔ اور وہ اپنی سیادت و برتری کا سکہ جمانے کے خبط میں انسانیت کو مصیبتوں اور ہلاکتوں کے شعلوں میں بھونتے رہے۔ ہٹلر کے دماغ میں جرمن قوم کی برتری کا خبط سمایا ہوا تھا ، جس کے باعث اس نے ساری دنیا کو دوسری عالمگیر جنگ میں جھونک دیا۔ اموال و املاک کے نقصان کا تو اندازہ ہی نہیں لگایا جا سکتا۔ مرنے والوں

Marfat.com

کی تعداد کروڑوں سے زیادہ ہے۔ صرف روس کے پچھتر لاکھ افراد ہلاک ہوئے اور ۲۸½ لاکھ جرمن لقمۂ اجل بنے۔ کسی قوم کی برتری کا نظریہ جو ارسطو نے بڑے فلسفیانہ آب و تاب سے پیش کیا۔ اب تک سینکڑوں فتنوں کا باعث بنا معلوم نہیں کتنے سر پھرے اسی قومی عصبیّت اور برتری کا علم بلند کر کے انسانیت کو مصائب و آلام کے جہنم میں جھونکتے رہیں گے۔

یہ تو ہوا ارسطو کا سیاسی نظریہ۔ اب ذرا قانون کے بارے میں اس کی رائے ملاحظہ فرمائیے۔ ارسطو کی مشہور کتاب "السیاسۃ" کا ترجمہ پروفیسر احمد لطفی السیّد نے عربی میں کیا ہے، جو مصر میں شائع ہوا ہے۔ اس کے آٹھویں باب میں ارسطو لکھتا ہے:

اِنَّ الْقَانُوْنَ لَا یَنْبَغِیْ	یعنی قانون تمام اہل ملک کے لیے
ضَرُوْرَۃً اَنْ یُطْبَقَ اِلَّا	یکساں نہیں ہوتا بلکہ اس کا مساویانہ
عَلٰی اَفْرَادٍ مُتَسَاوِیِیْنَ	انطباق صرف ان افراد پر ہوگا، جو نسب
بِالْمَوْلِدِ وَ بِالْمَلَکَاتِ	اور قابلیت کے لحاظ سے مساوی ہیں
غَیْرَ اَنَّ الْقَانُوْنَ لَمْ	رہا حکمران طبقہ، تو ان لوگوں کے لیے
یُشْرَعْ قَطُّ لِھٰؤُلَاءِ النَّاسِ	قانون نہیں بنایا جاتا۔ بلکہ یہ لوگ بذاتِ
اِلَّا فَذَا اِذْ اَنَّھُمْ ھُمْ	خود قانون ہیں۔ اور یہ کھلا مذاق ہے
اَنْفُسُھُمُ الْقَانُوْنُ وَ	کہ ان اکابر کو دستور کی پابندی پر
مِنَ السُّخْرِیَّۃِ اَنْ یُجَادَلَ	مجبور کیا جائے۔
اَخْضَاعُھُمْ لِلدُّسْتُوْرِ۔	(السیاسۃ ص ۲۱۷)

Marfat.com

ارسطو نے اپنے نظریہ کو ثابت کرنے کے لیے ایک حکایت بیان کی ہے:

خرگوشوں کا ایک جلسۂ عام ہوا۔ جس میں ایک قرارداد منظور کی گئی کہ تمام حیوانات میں مساوات کا قاعدہ جاری ہونا چاہیئے ۔جب شیروں نے یہ ریزولیشن سنا، تو انھوں نے کہا، پہلے ہمارے جیسے طاقت ور پنجے اور تیز دانت لاؤ۔ پھر ہمارے ساتھ مساوات کا مطالبہ کرو۔

انسانی مساوات کے نظریے کے متعلق اس سے بڑا مذاق اور کیا ہو سکتا ہے اور جب یہ مذاق کرنے والا ارسطو ہو تو اس مذاق کی سنگینی کا اندازہ کون لگا سکتا ہے۔ اسی کتاب کے صفحہ ۲۳۴ پر ارسطو امرا طبقہ کے تفوق کو قانونی تحفظ دیتا ہے۔ اس کی عبارت سنئے:

فَلَيْسَ مِنَ الْعَدْلِ قَتْلُ	یہ عدل کے خلاف ہے کہ ایسے سردار
مِثْلِ هٰذَا السَّرِيّ وَ لَا	کو کسی عامی کے بدلے میں قتل کیا جائے
اِهْدَارُ حَقِّهٖ بِالتَّغْرِيْبِ	یا اسے جلاوطن کر دیا جائے اور اسے
وَ لَا اَخْضَاعُهٗ لِمُسْتَوَى	عام لوگوں کی سطح پر اترنے پر مجبور کیا
الْعَامَّةِ ۔	جائے ۔

ہندوستان میں برہمنوں کو جو قانونی امتیازات حاصل تھے، ان کے بارے میں آپ سن چکے ہیں۔ یورپ کے پادریوں کو جو خصوصی مراعات حاصل تھیں، اب ان کے بارے میں پروفیسر کینی کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔ پروفیسر مذکور نے کتاب

کے

Marfat.com

صفحہ ۷۵ پر لکھتے ہیں :

قسیسوں اور کلیسا کے پادریوں کو بے حد و قید خصوصی امتیازات حقوق حاصل تھے۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ عام عدالتوں کو ان کے محاسبہ کا اختیار نہ تھا۔ خواہ ان کے جرم کی نوعیت کتنی ہی سنگین ہو، ان کے لیے خاص عدالتیں تھیں جن کا صدر ایک پادری ہوا کرتا تھا مجرم پادری کو بری ثابت کرنے کے لیے خاص وسائل سے کام لیا جاتا۔ اور اگر اس کو بری کرنا کسی صورت میں ممکن نہ ہوتا، تو انھیں صرف یہ سزا دی جاتی کہ انھیں اپنے منصب سے گرا دیا جاتا۔ زیادہ سے زیادہ کچھ عرصہ کے لیے اسے قید کر دیا جاتا۔ کوئی حاکم خواہ اس کا بڑا عہدہ ہو، اس بات کا مجاز نہ تھا کہ ایسے پادری کو پھانسی کی سزا دے، جس نے ایک بے گناہ شخص کو دانستہ قتل کیا ہے۔

اب آئیے، ہادیٔ برحق نبی الانبیا علیہ التحیۃ والثنا نے تمام دنیائے انسانیت کے لیے عدل و انصاف کا جو نظام پیش کیا، قرآن کریم کی روشنی میں اس کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ کس طرح ان بتوں کو پاش پاش کر دیا گیا جو سچے انصاف کے قیام میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے۔ نیز کس طرح اس قوم کی ذہنی تربیت کی گئی جس نے اقامتِ عدل کا فریضہ ادا کرنا تھا۔ انسانی نفسیات کا کس طرح حقیقت پسندانہ محاسبہ کیا گیا ہے۔ تعلیم و تربیت اور تنفیذِ نظامِ عدل کے سارے مرحلوں کو جس عمدگی سے بیان کیا گیا ہے، اسے دیکھ کر یہ یقین آ جاتا ہے کہ قرآنِ کریم واقعی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ وہ اللہ جو عالم الغیب والشہادۃ ہے، جو علیم بذات الصدور ہے

Marfat.com

جو انك انت العزيز الحكيم کی شان کا مالک ہے۔

سب سے پہلے میں سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۱۳ ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں:

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ

(الحجرات)

اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔ اور تمھیں مختلف خاندان بنا دیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہر چیز سے باخبر ہے۔

دورِ جاہلیت کے عرب دیگر گوناگوں خرابیوں کے ساتھ تفاخر کی بیماری میں بُری طرح مبتلا تھے۔ وہ اپنے آپ کو سب سے برتر، اشرف اور اعلیٰ خیال کرتے۔ ان سب میں قریش کے فخر و مباہات کی شان ہی نرالی تھی۔ جب مکہ فتح ہوا اور اس کی فضاؤں میں پرچمِ اسلام لہرا دیا گیا تو نبیٔ رحمت صلے اللہ تعالے علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ کعبہ کی چھت پر چڑھ جاؤ اور آذان دو۔ جب انھوں نے آذان دینی شروع کی، تو شرفا قریش پر کوہِ الم ٹوٹ پڑا۔ ان کے دلی حزن و ملال کا اندازہ اس مکالمہ سے لگائیے جو ان کے چند اکابر کے درمیان ہوا۔

عتاب بن ارسید بولا: "اللہ کا شکر ہے کہ میرا باپ یہ روح فرسا منظر دیکھنے سے پہلے مر گیا۔"

Marfat.com

حارث بن ہشام کہنے لگا کہ اس کالے کوّے کے بغیر محمدّ (فداہ ابی وامّی) کو اور کوئی مؤذن نہیں ملا۔

سہیل بن عمرو نے بڑی بےلبسی سے کہا، "جیسے اللہ کی مرضی"۔

اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور ان کے اس زعمِ باطل کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا۔

وطنیت، قومیت، رنگ ونسل اور زبان کے بتوں کی پوجا آج بھی بڑے زور و شور سے ہو رہی ہے۔ اس مختصر سی آیت میں ان تمام بنیادوں کو منہدم کر کے رکھ دیا۔ صرف پرہیزگاری اور تقویٰ کو وجہِ عزّت وافتخار مانا گیا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ تقویٰ کی بنیاد پر جو معزّز اور محترم ہوگا۔ وہ فخر وغرور سے یکسر پاک ہوگا۔ ایسے شخص کا وجود نہ صرف اپنی قوم کے لیے بلکہ ساری نوعِ انسانی کے لیے بھی خیر وبرکت کا باعث ہوگا۔ حضورِ اکرم رحمتِ عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر بڑے اثر انگیز انداز میں انسانی مساوات کا درس دیا۔ فتح مکہ کے دن حضور نے اپنی اونٹنی قصوی پر سوار ہو کر طواف کیا۔ مطاف اور مسجد لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ اس وقت ارشاد فرمایا:

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ	اے لوگو! آج اللہ تعالےٰ نے تم سے
تَعَالٰى قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ	عہد جاہلیت کی نخوت اور اپنے باپ
عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَ	دادا پر فخر کرنے کی عادت دور کر دی
تَعَظُّمَهَا بِاٰبَائِهَا. فَالنَّاسُ	ہے۔ اب لوگوں کی صرف دو قسمیں ہیں
رَجُلَانِ۔ رَجُلٌ بَرٌّ تَقِيٌّ	ایک وہ جو نیکوکار ہے، پرہیزگار ہے

Marfat.com

كَرِيْمٌ عَلَى اللهِ تَعَالٰى	اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معزز و مکرم
وَ رَجُلٌ فَاجِرٌ شَقِيٌّ	ہے۔ دوسرا وہ شخص جو فاسق ہے،
هَيِّنٌ عَلَى اللهِ تَعَالٰى.	بدبخت ہے اور اللہ تعالیٰ کی جناب
النَّاسُ كُلُّهُمْ بَنُوْ آدَمَ	میں حقیر و ذلیل ہے۔ (سن لو) سارے
وَخَلَقَ اللهُ آدَمَ مِنْ	انسان آدم کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ
تُرَابٍ.	نے آدم کو مٹی سے پیدا فرمایا ہے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر حضور نبی اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا یہ خطبہ بڑی تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ ذرا صاحب جوامع الکلم کی فصاحت و بلاغت اور تقریر کی دلربائی و دلپذیری کی شان ملاحظہ فرمائیے، ارشاد ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَلَا إِنَّ	اے لوگو! خوب سن لو! تمہارا پروردگار
رَبَّكُمْ وَاحِدٌ لَا فَضْلَ	ایک ہے۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی
لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ وَ لَا	فضیلت نہیں، اور نہ کسی عجمی کو کسی
لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَ لَا	عربی پر برتری حاصل ہے، نہ کوئی
لِأَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ وَ لَا	کالا کسی سرخ سے، اور نہ کوئی سُرخ
لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ إِلَّا	کسی کالے سے افضل ہے مگر تقویٰ
بِالتَّقْوٰى إِنَّ أَكْرَمَكُمْ	کے ساتھ۔ اللہ تعالےٰ کے نزدیک
عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ. أَلَا هَلْ	تم میں سے زیادہ معزز وہ ہے جو
بَلَّغْتُ قَالُوْا بَلٰى	زیادہ پرہیزگار ہے۔ کیا تم کو میں نے
يَا رَسُوْلَ اللهِ! قَالَ	پیغام پہنچا دیا۔ سب نے جواب دیا

Marfat.com

فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ ۔

بے شک ۔ ارشاد فرمایا کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں ۔ وہ ان تک یہ پیغام پہنچا دیں ۔ جو یہاں حاضر نہیں ۔

اس طرح ان تمام رکاوٹوں کو دور کر دیا گیا ، جن کے باعث بہترین کوششوں کے باوجود نوعِ انسانی عدل و انصاف کی برکتوں سے بہرہ ور نہ ہو سکی ۔ اب راستہ صاف ہے ۔ ساری چٹانیں پاش پاش ہو چکی ہیں عدل و انصاف کا گلستان آباد کرنے کے لیے زمین بالکل تیار ہے ۔ فرمانِ الٰہی نازل ہوتا ہے :

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ ۔
(الاعراف : ۲۹)

اے محبوب ! آپ اعلان کر دیجئے کہ میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں انصاف کروں ۔

یہ حکم کسی معمولی ہستی کا نہیں بلکہ میرے رب کا حکم ہے ۔ یہ حکم کسی ایسے شخص کو نہیں دیا جا رہا جو امتثالِ امر میں سستی اور کاہلی روا رکھتا ہو ۔ یہ حکم مجھے دیا جا رہا ہے جسے اپنے خالق کا بندہ ہونے پر ناز ہے اور جو ہر قیمت پر اس کے فرمان کی تعمیل کرنے کے لیے تیار ہے ، اس لیے کوئی شخص اس غلط فہمی میں مُبتلا نہ رہے کہ میں عدل و انصاف کی تنفیذ میں کسی قسم کی کمزوری یا کوتاہی روا رکھوں گا ۔ یا کسی کے پاسِ خاطر کے لیے اپنے رب کے فرمان سے سرتابی کروں گا ۔

اس کے بعد قرآنِ کریم کی یہ جامع آیت تلاوت فرمایئے :

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ

بے شک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ

وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ط (النحل: ۹۰)	(ہر معاملہ) میں انصاف کرو اور ہر ایک کے ساتھ بھلائی کرو۔ اور اچھا سلوک کرو۔ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اور منع فرماتا ہے بے حیائی سے بُرے کاموں سے اور سرکشی سے۔ اللہ تعالیٰ تمھیں نصیحت کرتا ہے، تاکہ تم نصیحت قبول کرو۔

یہ آیت جب نازل ہوئی، تو اسلام کے کئی کینہ پرور دشمن اس کے اعجاز اور جامعیت کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ حضور نے یہ آیت ولید بن مغیرہ کو پڑھ کر سنائی، تو اس نے کہا: یَا ابْنَ اَخِیْ! اَعِدْ، (میرے بھتیجے! ایک بار پھر پڑھو) حضور نے اسے پھر پڑھا، تو وہ دشمن اسلام اور منکر قرآن یہ کہنے پر مجبور ہوگیا۔

وَاللّٰہِ! اِنَّ لَہٗ لَحَلَاوَۃً وَاِنَّ عَلَیْہِ لَطَلَاوَۃً وَاِنَّ اَصْلَہٗ لَمُوْرِقٌ وَاَعْلَاہُ لَمُثْمِرٌ وَمَا ھُوَ بِقَوْلِ بَشَرٍ	بخدا! یہ تو بڑا شیریں کلام ہے۔ اس کا ظاہر بڑا رنگیں ہے۔ اس کا تنا پتوں والا ہے۔ اور اس کی شاخیں پھلوں سے لدی ہیں۔ بخدا یہ کسی بشر کا کلام نہیں۔

حضرت ابن مسعود نے اسے قرآنِ کریم کی جامع ترین آیت قرار دیا ہے۔

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے:

"العدل الانصاف، والاحسان التفضل"

Marfat.com

یعنی عدل سے مراد انصاف کرنا، اور احسان سے مراد فضل و کرم ہے اور حقیقت یہ ہے کہ کسی معاشرہ کا صحت مند بنیادوں پر قائم ہونا انھی دو چیزوں پر موقوف ہے کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ قانون کے سامنے شاہ و گدا سب برابر ہوں۔ لیکن تنہا یہی کافی نہیں، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ ہر فرد اپنے دوسرے ساتھی کے ساتھ برتاؤ کرنے میں احسان کو بھی پیشِ نظر رکھے۔ اگر کسی سے کوئی کوتاہی سرزد ہو جائے تو عفو و درگزر سے بھی کام لے۔ اس طرح اس معاشرہ سے صرف یہ نہیں کہ حسد و عناد کے شعلے بھڑکنے نہ پائیں گے، بلکہ انس و محبت کی نسیم بھی ان کے غنچہ ہائے دل کو تبسّم آشنا کرتی رہے گی۔

مندرجہ ذیل آیت میں مخاطب عوام نہیں، بلکہ خواص ہیں۔ جنھوں نے صدق دل سے اسلام کو قبول کیا ہے اور قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے پر انھیں یقینِ محکم ہے، اس لیے اس کا اسلوب بیان ہی نرالا ہے، اس کا ہر کلمہ جلال و جمالِ خداوندی کا آئینہ دار ہے۔ اپنے پڑھنے والے کو یہ آیت مجبور کر دیتی ہے کہ ہر حالت میں وہ عدل و انصاف کے دامن کو مضبوطی سے قائم رہے۔ ارشاد گرامی ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے
كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ	قائم رہنے والے انصاف پر، گواہی
شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى	دینے والے محض اللہ تعالیٰ کے لیے
اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ	چاہے گواہی دینا پڑے تمھیں اپنے
وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ	نفسوں کے خلاف یا اپنے والدین اور

Marfat.com

يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا	قریبی رشتہ داروں کے خلاف (جس کے
فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا	خلاف گواہی دی جارہی ہے) وہ
تَتَّبِعُوا الْهَوٰى اَنْ	دولت مند ہو یا فقیر، پس اللہ تعالیٰ زیادہ
تَعْدِلُوْا۔ وَاِنْ تَلْوٗا	خیرخواہ ہے، دونوں کا۔ نہ پیروی کرو
اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ	خواہش نفس کی، انصاف کرنے میں،
كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ	اور اگر تم نے ہیر پھیر کر دیا منہ موڑو تو
خَبِيْرًا ط	بے شک اللہ تعالےٰ جو کچھ تم کرتے ہو
(النساء: ۱۳۶)	(اس سے) اچھی طرح باخبر ہے۔

اہل ایمان کو پہلے شرف تخاطب سے نوازا۔ اس کے بعد انھیں یہ اہم حکم دیا۔ اس فرمانِ خداوندی کے پہلے دو لفظوں میں جو شکوہ اور سطوت ہے اس پر بھی غور فرمائیے ارشاد ہے: كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ۔ (اے میرے بندو! پوری قوت اور طاقت کے ساتھ انصاف کو قائم کرنے والے بن جاؤ) کسی قسم کے ضعف اور کمزوری کا مظاہرہ مت کرو۔ یاد رکھو تمھاری یہ گواہی کسی انسان کے لیے نہیں، اللہ تعالےٰ کے لیے ہے۔ رحمت خداوندی نے اسی فرمان پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان تمام کمزوریوں کی نشان دہی بھی کر دی، جن کی وجہ سے انسان حق کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر رہتا ہے۔ وہ تمام محاذ جن سے شیطان کی یلغار کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ان تمام سے مومن کو خبردار کیا جا رہا ہے اور اسے تاکید کی جا رہی ہے کہ وہ ابلیس کی لشکر کشی سے ہوشیار رہے۔ سب سے پہلا اور خطرناک محاذ انسان کی ذاتی مصلحت اور عزت ہے۔ انسان اپنے فائدے کے لیے عام

Marfat.com

حالات میں بڑی سے بڑی بے انصافی کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ اپنی عزت کو بچانے کے لیے وہ جھوٹی گواہی دینے میں بھی جھجک محسوس نہیں کرتا۔ اس لیے تاکیدی حکم فرمایا کہ خبردار! تمھیں ہر قیمت پر عدل و انصاف کا علم بلند کرنا ہے۔ ہر حالت میں سچی گواہی دینا ہے، خواہ اس کی زد تمھاری اپنی ذات ہی پر کیوں نہ پڑے، اپنی ذات کے بعد والدین کا مقام ہے، وہ اس کے نزدیک محترم و مکرم بھی ہیں عزیز اور محبوب بھی نیز ان کے نفع و نقصان میں یہ برابر کا شریک ہے، ایسے موقع پر انسان کے ہاتھ سے عدل و انصاف کے دامن کا چھوٹ جانا بعید از امکان نہیں، اس لیے جھڑک دیا کہ خبردار کسی حالت میں بھی یہ اجازت نہیں دی جا سکتی کہ تم ظلم و عدوان کی راہ اختیار کرو، خواہ معاملہ تمھارے والدین کا ہی کیوں نہ ہو۔ قریبی رشتہ داروں کے بارے میں بھی اسی قسم کی صورت حال رونما ہوتی ہے فرما دیا، کوئی قرابت، کوئی رشتہ انصاف کے قیام میں مت حائل ہونے پائے۔

مندرجہ بالا موانع کے علاوہ کبھی یہ خیال انسان کو اظہارِ حق سے روک دیتا ہے کہ جس کے خلاف میں گواہی دے رہا ہوں، وہ امیر کبیر ہے اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ کسی غریب کی مسکنت اور غربت کا احساس انسان کے دل میں رحمت و شفقت کے جذبات ابھار دیتا ہے۔ اور اس غریب کے خلاف سچی بات کہنے سے اس لیے ہچکچاہٹ ہوتی ہے کہ کہیں اس غریب کو نقصان نہ پہنچے، انسانی نفسیات کا کتنا دقیق محاسبہ ہے، ہدایت فرمائی، عدالت میں کھڑے ہو کر ان احساسات کو بالکل دل سے نکال دو۔ کسی کے نفع و نقصان کی پروا کیے بغیر

Marfat.com

پہ سچی بات کہو اور عدل و انصاف قائم کرو۔ فاللہ اولیٰ بہما۔ کتنا پیارا جملہ ہے۔ یعنی تم کسی کی خیر خواہی بھلا کیا کرو گے۔ تم اپنا فرض ادا کرو اپنے رب کا حکم مانو، تم سے زیادہ اللہ تعالیٰ خود ان دونوں (غریب و امیر) کا خیر خواہ ہے۔

آیتِ کریمہ کا یہ پُرشکوہ اور دلفریب انداز کیا بندۂ مومن میں یہ جرأت پیدا نہیں کر دیتا کہ وہ تمام امتیازات کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے تمام تعلقات کو نظر انداز کرتے ہوئے عدل و انصاف کی بالادستی کو قائم کرے اور کسی قیمت پر ایسی بات زبان پر نہ آئے جو انصاف کے قیام میں رکاوٹ بن جائے۔

کفارِ عرب کی قوت دم توڑ رہی ہے، اسلام کی روز افزوں ترقی اور مقبولیت نے ان کو بالکل کھوکھلا کر دیا ہے۔ اب ان میں اپنے دفاع کی ہمت بھی نہیں رہی، کفر و گمراہی کی طویل رات سحر آشنا ہونے والی ہے۔ وہ صبحِ سعید طلوع ہونے والی ہے، جب اللہ تعالیٰ کا محبوب اور اس کی مخلوق کا ہادی اپنے جانفروش مجاہدین کے ساتھ فاتحانہ انداز میں مکہ داخل ہو گا۔ مسلمانوں کے مکمل غلبہ کے قرائن اب ہر شخص کو نظر آ رہے ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ یہ آیت نازل فرماتا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	اے ایمان والو! ہو جاؤ مضبوطی سے
كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ	قائم رہنے والے اللہ تعالیٰ کے لیے
شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَ لَا	گواہی دینے والے، انصاف کے
يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ	ساتھ اور ہرگز نہ اکسائے تمہیں کسی
عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا	قوم کی عداوت اس بات پر کہ تم
هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ط وَ	عدل کیا کرو، یہی تقویٰ سے زیادہ

Marfat.com

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ	قریب ہے اور ڈرتے رہا کرو۔ اللہ تعالیٰ
خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ؕ	سے بے شک اللہ تعالیٰ خوب خبردار
(المائدہ: ۸)	ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

اس آیت میں پہلے ہی تنبیہ فرمادی کہ قوت واقتدار اہلِ ایمان کو عطا ہونے والا ہے۔ اس لیے نہایت وضاحت سے انھیں حکم دیا کہ خبردار کسی قیمت پر انصاف کا دامن تمہارے ہاتھ سے چھوٹنے نہ پاتے جب تم اپنے دشمن سے بھی معاملہ کرو، تو پھر بھی عدل وانصاف کے اصولوں کی پابندی کرو۔ اللہ تعالےٰ اسلامی مملکت کے بانیوں کو یہ تلقین فرمارہا ہے کہ جب وہ کرسئ صدارت پر بیٹھیں تو دوست اور دشمن کی تمیز کیے بغیر عدل وانصاف کو قائم کریں۔ یہی تقویٰ کی روح ہے اسی مفہوم کی ایک اور آیت بھی سماعت فرمائیے۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ	قبول کرنے والے ہیں جھوٹ کو۔ بڑے
اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ فَاِنْ	حرام خور ہیں۔ تو اگر وہ (کوئی مقدمہ
جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ	لے کر) آپ کے پاس آئیں تو چاہیے
بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ	فیصلہ فرمائیے ان کے درمیان یا ان سے
وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ	منہ پھیر لیں، آپ کو اختیار ہے۔ اور
فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا	آپ اگر ان سے منہ پھیر لیں تو وہ آپ
وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ	کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔
بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ	اور اگر آپ فیصلہ کریں تو فیصلہ فرمائیے
اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ؁	ان کے درمیان انصاف سے۔ بے شک

Marfat.com

(المائدہ: ۴۲) اللہ تعالےٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

یہ ارشاد یہود کے بارے میں ہے جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اذیت پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ جن کی عہد شکنی اور خیانت کے باعث مسلمانوں کو بڑے جاں گسل حالات سے دوچار ہونا پڑا، فرمادیا کہ اگر ایسے سفلہ مزاج دشمنوں کے درمیان کبھی کسی متنازعہ کا فیصلہ فرمائیں تو میزان عدل کا پلڑا ہرگز جھکنے نہ پائے۔ اگر کفار مکہ اور یہودیوں جیسے دشمنوں کی حق تلفی کی قرآن کریم اجازت نہیں دیتا، تو پھر اور کون سا ایسا دشمن ہے جس کی دشمنی کے باعث ایک مومن انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے میں تساہل سے کام لے۔

قرآن کریم کے نزدیک عدل و انصاف کا دائرہ فقط ان معاملات تک ہی محدود نہیں، جو معاملات عدالت میں پیش ہوتے ہیں یا کسی بین الاقوامی کونسل میں زیر بحث آنے والے ہوں۔ قرآن کریم ان بظاہر غیر اہم معاملات میں بھی عدل و انصاف برپا کرنے کا حکم دیتا ہے، جن کا تعلق ہماری خانگی یا خاندانی یا کاروباری زندگی سے ہے، جن کے بارے میں کسی عدالت میں رجوع کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ فرمان الٰہی ملاحظہ ہو:

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ	اور مت قریب جاؤ یتیم کے مال کے،
اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ	مگر اس طریقہ سے جو بہت اچھا ہو۔
حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَ	یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے
اَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ	اور پورا کرو ناپ اور تول انصاف کے

Marfat.com

بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا	ساتھ ہم کسی کو تکلیف نہیں دیتے مگر
اِلَّا وُسْعَهَا وَ اِذَا قُلْتُمْ	جتنی اس کی طاقت ہے اور جب کوئی
فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ	بات کہو تو انصاف کی کہو، اگرچہ کسی
ذَا قُرْبٰى وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ	رشتہ دار کا معاملہ ہو، اور اللہ تعالیٰ سے
اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ	کئے ہوئے وعدہ کو پورا کرو۔ یہ ہیں وہ
بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ؕ	باتیں جن کا اللہ تعالے نے حکم دیا ہے تاکہ
(الانعام : ۱۵۲)	تم نصیحت قبول کرو۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ ان امور میں بھی عدل و انصاف کا حکم دیا جا رہا ہے جو بظاہر بالکل معمولی اور غیر اہم دکھائی دیتے ہیں، کیونکہ قرآن کریم اسلامی معاشرہ کے کسی گوشہ میں بھی ظلم و عدوان کو برداشت نہیں کرتا۔ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا کے کلمات میں غور فرمائیے۔ یاد دلایا جا رہا ہے کہ اسلام قبول کرتے وقت تم نے میرے احکام کی تعمیل کا پختہ وعدہ کیا تھا۔ ہوشیار، اس پر آنچ نہ آنے پاتے، ہر قیمت پر اس وعدہ کو پورا کرو۔

کسی معاشرہ میں عدل و انصاف کا قیام خلفاء اور امراء کی اوّلین ذمہ داری ہوتی ہے۔ اس لیے ان کو خصوصی تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے میں تساہل سے کام نہ لیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو حکم دیا جا رہا ہے۔

اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین میں
خلیفہ بنایا ہے۔ پس آپ لوگوں کے
درمیان حق اور انصاف سے فیصلہ کیا

Marfat.com

بِالْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى	کریں اور خواہش کی پیروی ہرگز نہ کریں
فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ط	ورنہ یہ تمھیں راہِ خدا سے بہکا دے گی۔

(ص : ۲۶)

جب ایک صاحبِ کتاب رسول کو عدل و انصاف سے حکومت کرنے کا حتمی حکم دیا جا رہا ہے، جب اسے ہوائے نفس کی پیروی سے روکا جا رہا ہے تو اور کون ہے، جسے ظلم کرنے کی اجازت ہو، جس کی ذاتی خواہشات اور شخصی مفادات پر عدل و انصاف کو قربان کیا جا سکے۔

خلفاءِ اسلام، مملکتِ اسلامیہ کے حکام، قضاۃ اور قائدین کو حکم دیا جا رہا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ	بے شک اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتا ہے
تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى	کہ امانتوں کو ان لوگوں کے سپرد کرو
اَهْلِهَا وَ اِذَا حَكَمْتُمْ	جو ان کے اہل ہیں اور جب بھی لوگوں
بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا	کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل و انصاف
بِالْعَدْلِ، اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا	سے فیصلہ کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ
يَعِظُكُمْ بِهٖ اِنَّ اللّٰهَ	تمھیں بہت ہی اچھی بات کی نصیحت
كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝	کرتا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سب کچھ
(النساء : ۵۸)	سننے والا ہر چیز دیکھنے والا ہے۔

ادائے امانت کا مفہوم یہاں بہت وسیع ہے، اپنی ذمہ داریوں کو محنت اور دیانت سے ادا کرنا، حکومت کے عہدوں پر تقرر کے لیے کنبہ پروری اور

Marfat.com

دوست نوازی کے بجائے صرف اہلیت وقابلیت کومعیار قرار دینابھی اس حکم کی تعمیل میں داخل ہے۔ اس کے ساتھ ہی فرمایا کہ جب تم عدالت کی کرسی پر بیٹھو اور لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرنے لگو، تو عدل وانصاف کے اصولوں کو قطعاً نظر انداز نہ کرو۔" اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ"۔ میں اپنے بندوں کی جس طرح دلنوازی فرمائی گئی ہے، کون ہے جو اس نکتہ کو سمجھے اور جھوم نہ اٹھے۔ فرمایا' تمہارے ربِ کریم نے یہ نصیحتیں جو تمہیں کی ہیں۔ یہ تمہارے لئے ازلبس مفید اور باعثِ برکت ہیں جب تک تم ان ہدایات پر کاربند رہوگے، تمھارا آفتابِ اقبال نصف النہار پر چمکتا رہے گا۔

جی تو چاہتا ہے بوستانِ نبوت کے رنگین اور مہکتے ہوئے پھولوں کے گلدستے بھی پیش کردوں، لیکن وقت کی تنگ دامانی اس کی اجازت نہیں دیتی صرف دو ارشاداتِ رسالت پر اکتفا کرتا ہوں شاید کسی غافل کی آنکھ کھل جائے۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالٰے عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے پیارے رسول صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔

مَا مِنْ عَبْدٍ یَسْتَرْعِیْہِ	یعنی وہ بندہ جس کو اللہ تعالٰے کسی
اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ رَعِیَّۃً	رعیت کا والی بناتا ہے اور وہ اس
یَمُوْتُ یَوْمَ یَمُوْتُ وَ	حالت میں مرتا ہے کہ وہ اپنی رعیت
ھُوَ غَاشٌّ رَعِیَّتَہٗ اِلَّا	کے ساتھ دھوکہ اور فریب کررہا ہے،
حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ	تو اللہ تعالٰی اس پر جنت حرام کردیتا
الْجَنَّۃَ۔	ہے۔

Marfat.com

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صِنْفَانِ مِنْ اُمَّتِیْ لَنْ تَنَالَھُمَا شَفَاعَتِیْ اِمَامٌ ظَلُوْمٌ غَشُوْمٌ وَ کُلُّ غَالٍ مَارِقٍ۔	یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری امت کے دو ایسے گروہ ہیں جن کو میری شفاعت نصیب نہیں ہوگی۔ وہ فرمانروا جو ظالم اور خائن ہو اور وہ شخص جو دھوکہ کرنے والا اور دین کی حدوں کو توڑنے والا ہو۔

کثیر آیات اور صدہا احادیث سے صرف چند چیزیں آپ کے سامنے گئی ہیں، ہر حق شناس پر یہ بات اظہر من الشمس ہوگئی ہوگی کہ عدل کا جو جامع نظریہ اسلام نے پیش کیا ہے، اس کی نظیر دنیا کے قدیم و جدید وساتیر اور مجموعہ ہائے قوانین پیش نہیں کر سکتے۔ صرف اسلامی نظامِ عدل کی برتری گذشتہ زمانوں تک محدود نہیں بلکہ انسانیت کا کارواں چودہ سو سال بعد بھی اس مقام پر نہیں پہنچ سکا جس پر نبی امی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیضِ نگاہ اور حسن تربیت سے عرب کے اکھڑ مزاج جاہل بدو پہنچ گئے تھے۔

یہ تو ہوا اس مسئلہ کا نظری پہلو، اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ جو قوم قرآن کی آغوش میں پروان چڑھی، جس کے قلب و نگاہ کو آفتابِ نبوت نے روشن کیا، ان کی عملی زندگی کیسی تھی۔ عدل و انصاف کے قرآنی نظام کو انھوں نے کس طرح اپنے معاشرہ میں نافذ کیا۔

بڑے اختصار کے ساتھ تاریخِ اسلام کے صرف چند ورق آپ کے سامنے

Marfat.com

کھول کر رکھتا ہوں، حجۃ الوداع کے موقع پر حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم زمانہ جاہلیت کی تمام قبیح رسوم کا قلع قمع کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

وَاِنَّ رِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعَةٌ وَاِنَّ اَوَّلَ رِبًا اَبْدَءُ بِهٖ رِبَا عَمِّي الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَاِنَّ دِمَاءَ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعَةٌ وَاِنَّ اَوَّلَ دَمٍ اَبْدَءُ بِهٖ دَمُ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ۔

میں جاہلیت کے تمام سود کو کالعدم قرار دیتا ہوں اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس کے سود کو کالعدم قرار دیتا ہوں نیز عہد جاہلیت میں جو خونریزیاں ہوئیں میں ان کو بھی کالعدم قرار دیتا ہوں اور سب سے پہلے میں اپنے چچازاد ربیعہ بن حارث کے بیٹے عامر کا خون کالعدم قرار دیتا ہوں۔

اس سے بھی زیادہ ایمان افروز اور روح پرور منظر اس وقت دکھائی دیتا ہے جب اللہ تعالے کا پیارا رسول اس دار فانی سے رخصت ہونے والا ہے، رفیقِ اعلیٰ سے ملنے کا وقت آگیا ہے۔ مسجد نبوی میں مسلمانوں کا ہجوم ہے، حضور بیماری کی حالت میں تشریف لاتے ہیں۔

اَيُّهَا النَّاسُ مَنْ كُنْتُ جَلَدْتُ لَهٗ ظَهْرًا فَهٰذَا ظَهْرِيْ فَلْيَسْتَقِدْ مِنْهُ وَمَنْ كُنْتُ شَتَمْتُ لَهٗ

اے لوگو! اگر میں نے کسی کی پیٹھ پر کبھی کوئی درّہ مارا ہے تو یہ میری پیٹھ حاضر ہے۔ وہ مجھ سے بدلہ لے سکتا ہے۔ اگر میں نے کسی کو برا بھلا کہا ہے تو میری

عِوَضًا فَهٰذَا عِرْضِی	آبرو حاضر ہے، وہ اس سے انتقام
فَلْیَسْتَقِدْ مِنِّیْ وَمَنْ	لے سکتا ہے۔ اگر میں نے کسی کا مال چھینا
اَخَذْتُ لَہٗ مَالًا فَہٰذَا	ہے تو میرا مال حاضر ہے، وہ اس سے
مَالِیْ فَلْیَأْخُذْ مِنْہُ	اپنا حق لے سکتا ہے، اور تم میں سے
وَلَا یَخْشٰی الشَّحْنَاءَ	کوئی یہ اندیشہ نہ کرے کہ اگر کسی نے
فَہِیَ لَیْسَتْ مِنْ	انتقام لیا تو میں اس سے ناراض ہوں
شَأْنِیْ۔	گا، میری یہ شان نہیں ہے۔

آپ خود سوچیئے کہ حبیب اللہ تعالیٰ کا پیارا حبیب اور اہلِ ایمان کے ایمان کی جان محمد مصطفےٰ علیہ اطیب التحیۃ واجمل الثناء اپنی ذاتِ اقدس کو اپنے خاندان کو اور اپنے اقربار کو قانونِ شرعی سے بالاتر نہیں سمجھتا تو قیامت تک آنے والا کوئی کلمہ گو خواہ اس کا سیاسی یا ادبی مقام کتنا ہی اونچا ہو، اپنے آپ کو قانون سے بالاتر سمجھنے کی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔

عہدِ رسالت میں متعدد ایسے واقعات ہوئے کہ معزز اور طاقت ور قبیلہ کے کسی فرد نے کسی کمزور پر دستِ تعدی دراز کیا، لیکن جب عدل کا وقت آیا، تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان امتیازات کو پرِ کاہ کی وقعت بھی نہ دی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نضر کی بیٹی ربیع نے ایک لڑکی کے دانت توڑ دیئے۔ ربیع کے گھر والوں نے اس لڑکی سے عفو و درگذر کی درخواست کی۔ لیکن اس کے گھر والوں نے معاف کرنے سے انکار کر دیا، انھوں نے معاوضہ دے کر صلح کرنا چاہی، لیکن یہ کوشش بھی کامیاب نہ ہوئی۔ بارگاہِ رسالت میں

Marfat.com

آکر انھوں نے فریاد کی اور عرض کیا کہ ہم تو ربیع سے اپنی بچی کا قصاص ہی لیں گے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ربیع، اس کے باپ اور اس کے خاندان کی وجاہت و وقار کو نظر انداز کرتے ہوئے فیصلہ فرمایا کہ ربیع سے قصاص لیا جائے۔ حضرت انس کہتے ہیں، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! کیا ربیع جیسی شریف زادی کے دانت توڑ دیئے جائیں گے؟ حضور نے جواب دیا: کِتَابُ اللّٰہِ الْقِصَاصُ۔ (اے انس! قصاص لینا اللہ کا حکم ہے) اس میں ہیر پھیر ممکن نہیں۔ چنانچہ جب اس عورت کے خاندان والوں نے عدل و انصاف کی اس بالادستی کو دیکھا، تو ان کا غصہ فرو ہو گیا اور انھوں نے خوش دلی سے ربیع کی خطا معاف کر دی۔

اسی طرح عہد رسالت کا ایک مشہور واقعہ ہے، جسے آپ بارہا سن چکے ہوں گے۔ بنی مخزوم کی ایک عورت نے کسی کا زیور چرا لیا۔ حضور نے اس پر چوری کی حد قائم کرنے کا حکم دیا۔ مہاجرین نے حضرت اسامہ کو سفارشی بنا کر بھیجا اسامہ کی بات سن کر فرطِ غضب سے حضور کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ فرمایا:

> اے اسامہ! کیا تو اللہ تعالےٰ کی حد کے قائم کرنے کے بارے میں سفارش کرتا ہے۔ تم سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان قوموں کو ہلاک کر دیا جن میں اگر کوئی شریف زادہ چوری کرتا تو اس کو معاف کر دیتے اور اگر کوئی ضعیف یا کمزور شخص چوری کا ارتکاب کرتا تو اس پر حد قائم کی جاتی۔

اقلیم عدل و انصاف اور کشورِ فضل و احسان کے فرمانروا نے فرمایا:

وَاللّٰہِ لَوْاَنَّ فَاطِمَۃَ	خدا کی قسم! بالفرضِ محال اگر میری اپنی
بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ	لختِ جگر فاطمہ بھی اس جرم کی مرتکب

لَقَطَعْتُ يَدَ هَا۔ ہوتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی اٰلِہٖ اَفْضَلَ الصَّلٰوۃِ وَ اَجْمَلَ التَّسْلِیْمَاتِ۔

عہدِ فاروقی میں حضرت عمرو بن عاص مصر فتح کرتے ہیں، حضرت فاروق اعظم نے انھیں وہاں کا گورنر مقرر کر دیا۔ ان کا ایک لڑکا جس کا نام محمد تھا۔ اسے گھڑ دوڑ کا بڑا شوق تھا۔ ایک مصری نے ان کے ساتھ گھوڑا دوڑایا اور جیت گیا۔ مصر کے فاتح اور گورنر کے بیٹے کو بڑا غصہ آیا اور اسے کئی بید رسید کیے اور کہا: خُذْهَا وَ اَنَا اِبْنُ الْاَكْرَمِيْنَ۔ (کہ اور بید کھاؤ۔ تم مجھے نہیں پہچانتے میں بڑے معزز و محترم آباؤ اجداد کا چشم و چراغ ہوں۔) مصری مار کھانے کے بعد دادرسی کے لیے مدینہ طیبہ پہنچتا ہے، اور عدالتِ فاروقی کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ اس کی فریاد سن کر حضرت فاروق اعظم اپنا قاصد مصر روانہ کرتے ہیں، تاکہ وہ عمرو بن عاص اور ان کے بیٹے محمدؐ کو ساتھ لے کر فوراً حاضر ہو۔ چند روز کے بعد دونوں مدینہ طیبہ پہنچ گئے اور عدالتِ فاروقی میں پیش کیے گئے محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کا شاگردِ رشید اور جانشین، حضرت عمر فاروق فاتحِ مصر کے بیٹے اور ایک عام مصری کے مقدمہ کی سماعت کر رہا ہے۔ آپ نے بلند آواز سے کہا: این المصری؟ (وہ فریاد کرنے والا مصری کہاں ہے؟) وہ حاضر ہوتا ہے اور اس کے ہاتھ میں اپنا درّہ دیتے ہیں اور حکم دیتے ہیں کہ فَاضْرِبْ بِهَا اِبْنَ الْاَكْرَمِيْنَ، کہ معزز و محترم آباؤ اجداد کے اس چشم و چراغ کو کوڑے لگاؤ، جس طرح اس نے تجھے کوڑے لگائے تھے، وہ کوڑے لگا رہا ہے۔ عمرو بن عاص اپنے بیٹے کو پٹتے ہوئے دیکھ رہے ہیں، لیکن کسی کو مجالِ دم زدن نہیں۔ فاروق اعظم

Marfat.com

فرماتے جاتے ہیں "اے مصری! اور مار، اور مار"۔ جب مصری اپنے دل کی بھڑاس نکال چکا، تو آپ نے کہا:

اب ذرا فاتح مصر کی بھی خبر لو۔ ان کے بیٹے نے تجھے مارنے کی جرأت اس لیے کی کہ وہ اپنے آپ کو مصر کے فاتح اور گورنر کا بیٹا سمجھتا تھا۔

مصری عدل وانصاف کے اس نرالے منظر کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ عرض کرنے لگا۔

اے امیرالمومنین! جس نے مجھے مارا ہے میں نے اس سے بدلہ لے لیا۔ اس میں عمرو بن عاص کا کوئی قصور نہیں۔

حضرت فاروقِ اعظم غصہ سے عمرو بن عاص کی طرف دیکھتے ہیں اور ایک جملہ ان کی زبان سے نکلتا ہے جس میں اسلامی فتوحات کا فلسفہ اور روح سمٹ کر آ گئی ہے:

یَاعَمْرُو! مَتٰی تَعَبَّدْتُمُ	اے عمرو! جن لوگوں کو ان کی ماؤں
النَّاسَ وَقَدْ وَلَدَتْهُمْ	نے آزاد جنا ہے ان کو تم نے کب سے
اُمَّهَاتُهُمْ اَحْرَارًا۔	اپنا غلام سمجھ لیا ہے۔

اسی طرح کا ایک اور تاریخ ساز واقعہ عہد فاروقی میں وقوع پذیر ہوتا ہے۔ غسّان کا آخری بادشاہ جبلہ بن ایہم اسلام قبول کرتا ہے اور فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے مکہ مکرّمہ آتا ہے۔ وہ بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے۔ اس کی قیمتی چادر پر ایک بدّو اپنا پاؤں رکھ دیتا ہے۔ جبلہ مڑ کر دیکھتا ہے، غصہ سے بے قابو

ہو جاتا ہے اور اس بدّو کو زور سے طمانچہ رسید کرتا ہے، جس سے اس کی ناک، زخمی ہوتی ہے اور اس کے اگلے دو دانت ٹوٹ جاتے ہیں، وہ بدو امیر المومنین کے پاس حاضر ہو کر فریاد کرتا ہے۔ آپ جبلہ کو بلاتے ہیں اور اسے کہتے ہیں کہ یا تو اس بدو سے معافی مانگ لو اور اسے راضی کر لو، ورنہ قصاص کے لیے تیار ہو جاؤ۔

جبلہ یہ بات سن کر حیران ہو جاتا ہے اور فرطِ حیرت سے پوچھتا ہے کہ کیا اس معمولی بدّو کے لیے مجھ بادشاہ سے قصاص لیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا: "اسلام قبول کر لینے کے بعد اب تم دونوں یکساں ہو گئے ہو۔ اب برتری کا معیار صرف تقویٰ ہے۔"

جبلہ کہنے لگا کہ میں نے تو اسلام اس خیال سے قبول کیا تھا کہ مجھے پہلے سے بھی زیادہ وقار نصیب ہو گا۔ آپ نے فرمایا: "جبلہ یہ نادانوں کی سی باتیں چھوڑ دو۔" اس نے جب دیکھا کہ امیر المومنین اس سے قصاص لینے پر مصر ہیں، تو اس نے عرض کیا، مجھے آج رات سوچنے کی مہلت دیجیے۔ رات کو ہی وہ اپنے ساز و سامان اور ہمراہیوں سمیت وہاں سے بھاگ کر قسطنطنیہ چلا گیا اور عیسائی بن گیا۔

حضرت فاروقِ اعظم نے ایک بادشاہ کا مرتد ہونا گوارا کر لیا، لیکن قرآن کریم کی تعلیمات پر حرف نہ آنے دیا اور یہ ثابت کر دیا کہ جس قرآن کی روشنی سے ہمارا عرصۂ حیات منور ہے، وہاں شاہ و گدا میں کوئی فرق نہیں۔ اگر اسلام کو قوت و عظمت کا راز کسی بادشاہ یا بادشاہ زادے کے مسلمان ہونے میں مضمر نہیں بلکہ اس کے ابدی اور ازلی قواعد میں مضمر ہے، جہاں عدل و انصاف کے راستے میں

Marfat.com

حائل ہونے والی ہر رکاوٹ کو ریزہ ریزہ کر دیا جاتا ہے۔

خلافتِ راشدہ کے عہدِ ہمایوں کے بعد بھی مسلمان خلفاء اور قاضیوں میں ایسی برگزیدہ ہستیاں بکثرت ملتی ہیں، جن کا وجود ظلمت کدہ عالم میں بھی ہدایت کا روشن مینارہ ہے۔

عباسی خلافت کا آفتاب اپنے شباب پر ہے۔ قاضی کوفہ شریح کی عدالت میں ایک غریب عورت حاضر ہوئی اور اس نے فریاد کی مجھ پر ظلم کیا گیا۔ دادرسی فرمایئے۔ قاضی نے پوچھا: تم پر کس نے ظلم کیا ہے؟ اس خاتون نے کہا کہ امیرالمومنین کے عم زاد موسیٰ بن عیسیٰ نے مجھ پر زیادتی کی ہے۔ فرات کے کنارے میرا ایک کھجوروں کا باغ تھا جو مجھے اپنے باپ سے ورثہ میں ملا تھا۔ میں نے اور میرے بھائیوں نے اسے آپس میں تقسیم کر لیا۔ میں نے اپنی حد پر ایک دیوار تعمیر کر لی۔ شہزادہ موسیٰ نے میرے بھائیوں سے ان کا حصہ خرید لیا اور میرا حصہ بھی خریدنا چاہا۔ میں رضامند نہ ہوئی۔ رات کے وقت اس نے اپنے نوکر بھیج کر اس دیوار کو مسمار کرا دیا۔ اب مجھے معلوم نہیں کہ میرا کونسا حصہ ہے۔ قاضی شریح نے اسی وقت اپنے ایک خادم کو حکم دیا کہ فوراً جاؤ اور امیرالمومنین کے عم زاد موسیٰ کو عدالت میں حاضر کرو۔ وہ خادم گیا، قاضی کا حکم سنایا۔ موسیٰ غصہ سے پیچ و تاب کھانے لگا اور حکم دیا کہ پولیس افسر کو میرے پاس لاؤ، جب وہ آیا تو اسے کہا کہ فوراً قاضی شریح کے پاس جاؤ اور کہو کہ تم نے ایک عورت کی بات سن کر میرے خلاف وارنٹ جاری کر دیئے۔ یہ کسی طرح درست نہیں۔ پولیس افسر نے جانے سے معذرت کی۔ موسیٰ کے مجبور کرنے پر اسے جانا پڑا۔ جب وہ قاضی کے پاس گیا، اور موسیٰ کا پیغام سنایا تو

Marfat.com

قاضی نے حکم سنایا کہ پولیس افسر اور اس کے سپاہیوں کو گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا جائے۔ حکم کی فوراً تعمیل کی گئی۔ موسیٰ کو جب پتہ چلا تو وہ غصہ سے بے قابو ہو گیا۔ خود جیل میں گیا اور دروازہ کھول کر ان سب کو رہا کر دیا۔ جیل کے داروغہ نے شریح کو صورت حال سے مطلع کیا۔ قاضی نے اپنے خادم کو کہا کہ اٹھو ہم بغداد جاتے ہیں۔ بخدا ہم نے خلیفہ سے درخواست نہیں کی تھی کہ وہ ہمیں قاضی بنائے، بلکہ خلیفہ نے مجبور کیا تھا، اور اس کی ضمانت دی تھی کہ اگر ہم اس کی پیشکش قبول کر لیں، تو ہماری عزت و وقار کا وہ خود ضامن ہو گا۔

قاضی جب عازم بغداد ہوا۔ امیر موسیٰ کو اطلاع ملی تو اس کے ہوش اڑ گئے۔ دوڑا دوڑا پیچھے گیا۔ اور قاضی شریح کی منتیں سماجتیں کرنے لگا۔ قاضی نے کہا کہ جب تک تم میرے حکم کی تعمیل نہیں کرو گے، میں واپس نہیں جاؤں گا۔ اس نے یقین دلایا کہ وہ ان کے ہر حکم کی تعمیل کرے گا۔ چنانچہ آپ واپس کوفہ آئے، اس عورت کو بلایا اور کہا کہ یہ تیرا مجرم موسیٰ تیرے سامنے کھڑا ہے۔ اب تم اپنا دعویٰ پیش کرو اس نے اپنی داستان سنائی۔ موسیٰ نے اس کی تصدیق کی۔ قاضی نے حکم دیا کہ جو تم نے اس سے چھینا ہے وہ واپس کرو اور اس کی دیوار از سرِ نو تعمیر کر دو۔ موسیٰ نے تعمیلِ حکم کا وعدہ کیا۔ پھر قاضی نے عورت سے پوچھا۔ کیا تیرا کوئی اور مطالبہ ہے، عورت نے سراپا تشکر و امتنان بن کر کہا: میرا اور کوئی مطالبہ نہیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کو برکت دے اور آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ قاضی نے کہا، اب تم جا سکتی ہو۔ جب وہ عورت واپس چلی گئی، اس وقت اپنی نشست سے اٹھے۔ شہزادے کا ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے پاس بٹھایا اور کہا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا

الامیر، کوئی حکم ہو تو ارشاد فرمائیے۔

شہزادہ ہنس دیا اور کہا: میں آپ کو کیا حکم دے سکتا ہوں، قاضی نے کہا:

اے شہزادے! مظلوم کی فریاد رسی اللہ تعالٰی کا حکم ہے۔ اس میں میں سرِ مو کوتاہی نہیں کر سکتا۔ شہزادہ سراپا ادب بن کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ بے شک جو اللہ تعالٰی کے حکم کی تعمیل کرتا ہے بڑے بڑے جابر اور طاقتور لوگ بھی اس کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں۔

گبن اپنی تاریخ کی مشہور کتاب (رومن امپائر) کی چھٹی جلد میں لکھتا ہے کہ ایک دن سلطان محمود غزنوی اپنے دیوان میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی رعایا کا ایک غریب آدمی اس کے تخت کے سامنے مؤدب ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اور شکایت کی کہ ایک ترکی سپاہی نے اس کو اس کے گھر سے نکال دیا ہے۔ اور اس کی بیوی پر قبضہ کر لیا ہے۔ محمود نے اس کی شکایت سن کر کہا، اب صبر سے کام لو، رونا چلّانا چھوڑ دو، جب دوبارہ وہ آئے تو مجھے اطلاع دو۔ میں بہ نفسِ نفیس وہاں پہنچ کر تیری داد رسی کروں گا۔ تین روز بعد مجرم دوبارہ رات کو اس کے گھر میں داخل ہوا تو وہ بھاگا ہوا سلطان محمود غزنوی کے پاس آیا۔ سلطان چند سپاہیوں کو ہمراہ لے کر اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ وہاں پہنچ کر مکان کے اردگرد پہریدار متعین کر دیئے۔ تمام روشنیاں بجھا دی گئیں اور اعلان کر دیا کہ یہ نابکار گردن زدنی ہے، کیونکہ یہ موقع پر بدکاری کرتا ہوا پکڑا گیا ہے۔ جب اسے کیفرِ کردار تک پہنچا دیا تو پھر چراغ روشن کر دیئے گئے۔ مقتول کو دیکھ کر محمود نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد اس نے کہا کہ اگر گھر میں کھانے کے لیے کچھ ہے تو پیش کرو۔ اس غریب آدمی نے روکھی

Marfat.com

سوکھی روٹی لاکر اس کے سامنے رکھ دی جس کو سلطان نے بڑی رغبت سے کھایا پھر محمود سے اس حیرت انگیز طریقہ کار کے بارے میں پوچھا گیا، تو سلطان نے جواب دیا: "مجھے خیال گزرا مبادا میرے کسی بیٹے نے ایسی جرأت کی ہو۔ میں نے چراغ گل کرنے کا حکم دیا تاکہ اگر اس حرام کاری کا مرتکب میرا کوئی بیٹا ہو تو شفقتِ پدری قیامِ عدل میں رکاوٹ نہ بنے۔ میرے انصاف کو نابینا اور بے رحم ہونا چاہیئے۔ جب سے اس شخص نے اپنی داستانِ غم مجھے سنائی، مجھے اتنا دکھ ہوا کہ میں نے تین دن سے کوئی چیز نہیں کھائی۔

آخر میں اسلامی ہند کی تاریخ کا ایک ورق آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ یہ واقعہ علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے اپنے مخصوص انداز میں "اسرار و رموز" میں لکھا ہے کہ

"سلطان مراد نے اقلیم خجند سے ایک ماہر معمار بلوایا اور اسے مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ جب مسجد تعمیر ہو چکی تو سلطان مراد اسے دیکھنے کے لیے آیا۔ بادشاہ کو مسجد کی عمارت پسند نہ آئی۔ اس نے غصہ میں آکر معمار کا ہاتھ کاٹ دیا۔ حضرت علامہ کے رقت انگیز الفاظ میں یہ قصہ سنیئے:

جوئے خون از ساعدِ معمار رفت

پیشِ قاضی ناتواں و زار رفت

(یعنی معمار کے بازو سے خون کی ندی جاری ہوگئی اور اس بے چارگی اور خستگی کی حالت میں وہ قاضی کے سامنے پیش ہوا۔)

گفت اے پیغامِ حق گفتارِ تو

حفظِ آئینِ محمد کارِ تو

Marfat.com

(معمار نے کہا: اے قاضی! تیری گفتگو اللہ تعالےٰ کا پیغام ہے اور تیرا فرضِ منصبی آئین مصطفےٰ علیہ التحیۃ والثناء کی حفاظت کرنا ہے۔)

سفتہ گوشِ سطوت شاہاں نیم
قطع کن از روئے قرآں دعویم

(میں بادشاہوں کی عظمت کا غلام نہیں ہوں۔ میرے دعویٰ کا فیصلہ قرآن کی رُو سے کرو۔)

قاضی نے اسی وقت ورانٹ جاری کیئے اور بادشاہ کو اپنی عدالت میں طلب کیا۔

رنگِ شاہ از ہیبتِ قرآں پرید
پیش قاضی چوں خطاکاراں رسید

(قرآن کی ہیبت وجلال سے بادشاہ کا رنگ فق ہوگیا اور خطاکاروں کی طرح قاضی کی عدالت میں حاضر ہوا۔)

علامہ فرماتے ہیں: اس وقت ایک عجیب مسحور کن منظر تھا۔

یک طرف فریادی دعوےٰ گرے
یک طرف شاہنشہ گردوں فرے

(ایک طرف فریادی کھڑا ہے اور دوسری طرف صاحبِ شوکت وجبروت بادشاہ ہے۔)

بادشاہ نے اپنے جرم کا اعتراف کرلیا۔ اور اپنی ندامت وخجالت کا اظہار کیا۔

Marfat.com

گفت قاضی فی القصاص آمد حیات
زندگی گیرد بایں قانون ثبات

(قاضی نے کہا کہ اب تم سے قصاص لیا جائے گا۔ اور اس قانون پر عمل کرنے سے ہی زندگی کو استحکام نصیب ہوتا ہے۔)

عبد مسلم کمتر از احرار نیست
خونِ شہ رنگیں تر از معمار نیست

(عدالت کے سامنے غلام اور آزاد دونوں یکساں ہیں معمار کے بازو سے بہنے والا خون اتنا ہی سُرخ ہے جتنا بادشاہ کا خون سُرخ ہے۔)

چوں مراد ایں آیۂ محکم شنید
دستِ خویش از آستیں بیروں کشید

(بادشاہ مراد نے قرآنِ کریم کی جب یہ آیت سنی تو سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے اپنا ہاتھ اپنی آستین سے باہر نکالا تاکہ اس کو کاٹ دیا جائے۔)

مدعی را تاب خاموشی نماند
آیۂ بالعدل و الاحسان خواند

(یہ منظر دیکھ کر مدعی کو یارائے ضبط نہ رہا۔ فوراً اس نے یہ آیت پڑھی۔ اِنَّ اللّٰہَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الآیۃ)

گفت از بہر خدا بخشیدمش
از برائے مصطفٰے بخشیدمش

(معمار کہنے لگا، میں نے اللہ تعالٰی کے لیے اس کو بخش دیا، میں نے محمد مصطفٰے

Marfat.com

کے صدقے اس کو معاف کر دیا۔)

اس واقعہ کو ختم کرتے ہوئے علامہ فرماتے ہیں:

یافت مورے بر سلیمانے ظفر

سطوتِ آئینِ پیغمبر نگر

(خاتم النبیین رحمۃ للعالمین کے آئین کی سطوت و ہیبت کا اندازہ لگاؤ کہ چیونٹی نے سلیمان پر کامیابی حاصل کر لی۔)

پیشِ قرآں بندہ و مولے یکے ست

بوریا و مسندِ دیبا یکے ست

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ط

Marfat.com

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معاشی انقلاب

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انسان نہ صرف روح کا نام ہے نہ فقط جسم کا بلکہ دونوں کے مجموعے کو انسان کہا جاتا ہے، اس لیے نوعِ انسانی کا عالمگیر اور ابدی دین وہی ہو سکتا ہے جو روح اور جسم دونوں کے تقاضوں کو پورا کرے۔ جو دونوں کی نشو و نما اور بالیدگی کا ضامن ہو۔ دونوں میں باہمی کش مکش اور محاذ آرائی کو ختم کرے اور ان میں ایسی ہم آہنگی پیدا کر دے کہ دونوں ایک ہی راہ پر ایک ہی منزل کی طرف رواں دواں رہیں۔ مذہب کے نام پر نظامہائے حیات اس وقت موجود ہیں وہ مادی نظامہائے فکر سے مات کھا چکے ہیں ماننے والوں سے تقاضا نہیں کر سکتے کہ وہ بے راہروی کو چھوڑ دیں، ان کا مطالبہ صرف اتنا ہے کہ اس مذہب کا لیبل اپنے اوپر چسپاں کئے رکھیں اس کے بعد جو جی میں آئے کریں، شراب پیئیں، جوا کھیلیں، قمار بازی کے لیے بے شک عالیشان کازینو تعمیر کریں، شبینہ کلبوں میں دادِ عیش دیں، ننگے ناچ ناچیں حیوانی جذبات کی تسکین کے لیے بے شک وہ غیر حیوانی طریقے اختیار کریں حتّٰی کہ مرد، مرد کے ساتھ برملا شادیاں رچائیں، انھیں قانونی جواز اور عدالتی تحفظ میسر آجائے، وہ سودی کاروبار کریں، جس طرح جی میں آئے ضرورتمندوں کا خون

Marfat.com

چوستے رہیں، مذہب کوئی مزاحمت نہ کرے گا مغربی یورپ اور امریکہ وغیرہ میں عیسائیت کی بے بسی اور مجبوری کو دیکھ کر باشعور انسان کی آنکھوں سے خون کے آنسو ٹپکنے لگتے ہیں۔

رہے موجودہ دور کے مادی نظام، تو ان کے علم برداروں کے نزدیک انسان کے انسانی پہلو کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ انھوں نے اس کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے۔ رہا انسان کا حیوانی پہلو، تو اس میں بھی سرمایہ داری اور اشتراکیت کے نظاموں میں جو خوفناک تصادم برپا ہے اس نے انسانیت کا حلیہ بگاڑ دیا ہے بلکہ اس کی ہڈیاں پیس کر رکھ دی ہیں۔ دونوں فریق ایک دوسرے کو تہس نہس کرنے کے لیے اپنے جنگی ذخائر میں ہر آن مہلک ترین اسلحہ کا اضافہ کرتے جا رہے ہیں۔ جب بھی کسی نے بٹن دبایا، تو دنیا بھر میں ایک ایسا کہرام مچے گا جو مشرق و مغرب دونوں کو تباہ و برباد کر دے گا۔

نظامِ سرمایہ داری اگر انسان کی محنت اور عرق ریزی کو کوئی وقعت نہیں دیتا تو اشتراکی کیمپ انسان کی حرّیت ضمیر اور آزادیٔ فکر کو برداشت نہیں کرتا اور اسے آہنی زنجیروں میں جکڑ دینے کے درپے ہے۔

اس ہنگامۂ دار و گیر میں کہیں امید کی کرن نظر آتی ہے تو وہ سیدِ کائنات فخرِ موجودات حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین فطرت ہے جسے ہم اسلام کے نام سے پہچانتے ہیں۔ میں یہاں بڑے انحصار کے ساتھ ان خطوط کا اجمالی تذکرہ کروں گا جو اس دینِ حنیف نے انسانی زندگی کو متوازن خوشحال، پاکیزہ اور بابرکت بنانے کے لیے پیش کئے ہیں۔

Marfat.com

دیگر مذاہب کی طرح اسلام نے انسان کی جسمانی زندگی، اس کے تقاضوں اور اس کی مادی ضرورتوں کو ہرگز نظر انداز نہیں کیا۔ یہ نہیں کہا کہ آخرت کی زندگی کو کامیاب بنانے کے لیے ترکِ دنیا ناگزیر ہے۔ اپنے ماننے والوں کو جنگلوں، پہاڑوں، ویران جزیروں میں بھاگ جانے کی ہرگز اجازت نہیں دی۔ اسلام کے نزدیک انسان میں مستور ممکنہ قوتیں فقط اسی وقت بیدار ہوتی ہیں جب وہ کش مکشِ حیات میں بھرپور حصہ لیتا ہے۔ اس کی توانائیوں کی آزمائش کے لیے حادثات سے ٹکرانا ضروری ہے زندگی کی گراں باریوں سے نجات حاصل کر کے کسی گوشۂ عافیت میں پناہ لینا مومن کے لیے جائز نہیں، اس کے ہادی برحق نے وضاحت سے فرما دیا: "لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ"۔ اس لئے قرآن کریم اور احادیث نبوی میں بڑے شوق آفریں انداز میں کسبِ مال اکتسابِ دولت اور حصولِ منفعت کی دعوت دی گئی ہے۔

ارشاد گرامی ہے:

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ	یعنی جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو
فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ	زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالےٰ کے
وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ	فضل کو تلاش کرو۔

چنانچہ اس آیت میں مال کو فضلِ الٰہی فرما کر اس کی عزت افزائی کی گئی ہے۔

اسی طرح سورۃ فاطر میں ارشاد ہے:

وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ	یعنی تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ وہ پانی
مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ	کو چیر کر جا رہی ہیں تاکہ تم اس کا
فَضْلِهٖ لَعَلَّكُمْ	فضل تلاش کرو اور تاکہ تم اس کا شکر

Marfat.com

تَشْکُرُوْنَ ط   ادا کر سکو۔

یہاں بھی مال کو اپنا فضل فرمایا ہے۔ سورہ نساء میں مال کو زندگی کا سہارا کہا گیا، اور ہدایت کی گئی ہے کہ اپنے اموال احمقوں اور نادانوں کے سپرد نہ کر دو تاکہ وہ سوئے تصرف سے تمھیں زندگی کے اس سہارے سے محروم نہ کر دیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَ لَا تُؤْتُوا السُّفَهَاۗءَ اَمْوَالَكُمُ	تم اپنے اموال نادانوں کو نہ دو جسے
الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ	اللہ تعالےٰ نے تمھارے لیے سہارا
قِيَامًا۔	بنایا ہے۔

احادیثِ طیبہ میں بھی مسلمانوں کو کسبِ حلال کی رغبت دلائی گئی ہے۔ حضور کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

طَلَبُ الْحَلَالِ وَاجِبٌ عَلٰی	رزق حلال کی تلاش ہر مسلمان پر
كُلِّ مُسْلِمٍ ط	فرض ہے۔

ایک اور مقام پر رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

طُوْبٰی لِمَنْ طَابَ كَسْبُهٗ	یعنی وہ انسان بڑا فیروز بخت اور ارجمند
وَصَلُحَتْ سَرِيْرَتُهٗ وَ	ہے جس نے پاکیزہ مال کمایا، جس کا
كَرُمَتْ عَلَانِيَّتُهٗ وَعَزَّلَ	باطن نیک اور جس کا ظاہر محترم ہے
عَنِ النَّاسِ شَرَّهٗ ۔	اور اس نے لوگوں کو اپنی شرانگیزی
	سے محفوظ کر دیا۔

ایک صحابی کے ہاتھ کو دیکھا کہ وہ محنت مزدوری کرنے سے سوج گیا ہے۔

Marfat.com

ارشاد فرمایا:

تِلْكَ يَدٌ يُحِبُّهَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ۔

یعنی کسب رزق میں مزدوری کرنے سے سوج جانے والا ہاتھ وہ ہاتھ ہے جسے اللہ تعالٰے اور اس کا رسول پسند فرماتا ہے۔

ان آیات اور احادیث سے واضح ہو گیا کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو کسبِ مال سے روکتا نہیں ہے بلکہ رغبت دلاتا ہے اور ان کی جد وجہد کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتا ہے، لیکن اس کے باوجود وہ مال کمانے کی کھلی اجازت نہیں دے دیتا، بلکہ اکتسابِ مال کے بعض ذرائع کو جائز قرار دیتا ہے، اور بعض کو ناجائز۔ وسائلِ معاش میں جائز اور ناجائز، حلال اور حرام کی اساس یہ ہے کہ تمام وہ ذرائع جن میں وہ دوسرے شخص کی ضرورت، مجبوری سادہ لوحی یا ناتجربہ کاری سے ناجائز فائدہ اٹھایا گیا ہو یا دھوکہ دہی یا جبر سے کسی کا مال ہتھیا لیا گیا ہو، وہ تمام وسائل شریعت میں ممنوع اور خلافِ قانون ہیں، سود، جُوا، ذخیرہ اندوزی، رشوت، بلیک مارکیٹنگ اور دیگر ہر قسم کی دھاندلیاں اسلام کے نزدیک حرام ہیں۔ ان ذرائع سے کمایا ہوا، روپیہ اگر خدا کی راہ میں بھی خرچ کر دیا جائے تو اس کی پذیرائی نہیں ہوتی۔ ایسے رزق سے جسم میں جو قطرہ خون بنتا ہے اور جو گوشت پوست کی صورت اختیار کرتا ہے، ارشادِ مصطفوی کے مطابق وہ جہنم میں جلایا جائے گا۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

Marfat.com

لَا یَغْبِطَنَّ جَامِعُ الْمَالِ مِنْ غَیْرِ حِلِّہٖ اَوْ قَالَ مِنْ غَیْرِ حَقِّہٖ فَاِنَّہٗ اِنْ تَصَدَّقَ بِہٖ لَمْ یُقْبَلْ مِنْہُ وَمَا بَقِیَ کَانَ زَادُہٗ اِلَی النَّارِ۔	وہ آدمی جو حرام ذریعہ سے مال جمع کرتا ہے وہ خوش نہ ہو، اگر وہ اس سے خیرات بھی کرے گا تو وہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی اور جو باقی رہے گا وہ جہنم کے لیے زادِ راہ ثابت ہوگا۔
یَا کَعْبَ بْنَ عَجْرَۃَ اِنَّہٗ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ ط	اے کعب بن عجرہ، وہ گوشت جو حرام رزق سے پیدا ہوا ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

دولت کی کثرت اور فراوانی قلب و ذہن میں بسا اوقات بڑے ناخوشگوار تاثرات پیدا کر دیتی ہے کم ظرف انسان دولت کو ہی شرفِ انسانی کا معیار سمجھنے لگتے ہیں۔ ہر وہ شخص جو دولت میں ان سے فروتر ہو، ان کی نگاہوں میں گھٹیا اور حقیر دکھائی دینے لگتا ہے۔ دولت کی حرص تیز تر ہو جاتی ہے، وہ دولت آفرین ہاتھوں کو صحیح معاوضہ دینا بھی گوارا نہیں کرتا۔ وہ اپنی دولت کے بل بوتے پر معصوم عصمتوں کو داغدار اور محترم حقوق کو زک پہنچانے سے باز نہیں آتا۔ وہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ زیرک اور دانشور شمار کرنے لگتا ہے، اس کے ذہن میں یہ فتور بھی پیدا ہو جاتا ہے کہ خدا کے نزدیک وہی برگزیدہ خلائق ہے اور وہ جو کچھ بھی کرتا ہے بارگاہِ الٰہی سے اسے سندِ جواز حاصل ہے۔ وہ ملکی دولت کے سارے سوتوں کا رُخ زور و جبر سے یا مکر و فریب سے اپنی طرف پھیرنے میں سرگرم ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

اس کی آتش جوع ہر دم بھڑکتی رہتی ہے، اس کی تشنہ لبی میں ثروت کی بے پناہ کثرت کے باوجود کوئی کمی نہیں ہوتی۔ اسلام ایسے انسان کو اپنے معاشرہ میں ہرگز گوارا نہیں کرتا۔ وہ اپنے ماننے والوں کی ابتداء سے ہی ایسی تربیت کرتا ہے۔ اور ان کو ایسی راہ پر گامزن کرتا ہے کہ اس کی زندگی میں ایسا کوئی مرحلہ نہ آئے جب وہ دوسرے انسانوں کی شرافت اور احترام کو صرف دولت کے معیار پر پرکھنے کا خوگر ہو جائے۔ وہ تمام وسائل جن کی وجہ سے دولت کا بہاؤ کسی فردِ واحد یا معاشرہ کے ایک مخصوص طبقہ کی طرف مڑ جاتا ہے، اسلام نے ان کو ہمیشہ کے لیے بند کر دیا ہے۔ وہ ممالک جہاں سرمایہ داری کا عفریت اپنے ہم وطنوں کا خون چوس رہا ہے اور ضرورت مندوں کی ہڈیوں کو چبا رہا ہے، اگر ان کے حالات کو آپ بنظرِ غائر دیکھیں گے تو آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ دولت کی اس غیر متوازن بلکہ ظالمانہ تقسیم میں ان وسائل معاش کا ہی عمل دخل ہے جنھیں اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ جو قوم یا ملک کے باشندے اسلامی وسائل معاش کی اس تقسیم پر ایمان رکھتے ہیں اور حرام ذرائع سے ایک پائی کمانا بھی جرم تصوّر کرتے ہیں، وہاں کے معاشرہ میں دولت کی یہ ظالمانہ تقسیم آپ کو نظر نہیں آئے گی۔

دوسرے ازموں کے برعکس اسلام کا اندازِ اصلاح یہ نہیں کہ پہلے غلاظت کے ڈھیروں کو جمع ہونے کی کھلی چھٹی دی اور جب اس کی عفونت سے دماغ پھٹنے لگے تو ان غلاظت کے ڈھیروں کو دور کرنے کی مجنونانہ مہم میں تخریب کاری کو روا رکھنا شروع کر دیا۔ ابتداء میں مرض کا سدِ باب نہ کیا جب جسم کے ہر حصے کو وہ متاثر کر چکیں تو پھر اس کے علاج کے لیے قطع و برید کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اسلام ان

Marfat.com

راستوں کو ہی بند کر دیتا ہے اور ان دروازوں کو ہی مسدود قرار دیتا ہے جہاں سے اس قسم کی خرابیاں معاشرے میں داخل ہوتی ہیں اگر ایک سود کو کسی ملک میں حتمی طور پر بند کر دیا جائے، تو وہاں چند دنوں میں سرمایہ داری کا ظالمانہ نظام دم توڑ دے گا۔ اگر رشوت، جوا بازی، ذخیرہ اندوزی کی لعنتوں سے کوئی قوم اپنا دامن بچالے تو معاشی ناہمواریاں اور خوفناک نشیب و فراز کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہے گا۔ اسلام نے وہ تمام راہیں بند کر دیں جن کے ذریعے سرمایہ داری کو غذا پہنچتی ہے اور اس کا دیو انسانی شرافت کے مقدس اور نورانی میناروں کو پامال کرنے کی تدبیریں سوچنے لگتا ہے۔

پاکستان میں بھٹو حکومت کے برسرِ اقتدار آنے سے پہلے بائیس خاندانوں کے خلاف بڑا شور مچایا گیا۔ ان کو وطن کا غدار، غریبوں کے حق غصب کرنے والا محنت کش طبقہ کا خون چوسنے والا اور معلوم نہیں کن کن القابات و خطابات سے نوازا گیا لیکن اس تحریک کے علمبرداروں کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ ان اسباب و عوامل کا تجزیہ کریں، جن کی وجہ سے بائیس خاندان معرضِ وجود میں آئے۔ تیس سال سے زیادہ عرصہ گذرنے کے باوجود پاکستان کی معاشی حالت زبوں سے زبوں تر ہوتی چلی گئی پہلے صرف بائیس خاندان تھے اب کئی سو بلکہ کئی ہزار اس قسم کے مگرمچھ پیدا ہو گئے ہیں جو عوام کی ہڈیوں کو چبانا اپنا پیدائشی حق تصور کرنے لگے ہیں۔ جب تک حکومت ایسے بالغ نظر اور تعلیماتِ اسلامی پر یقینِ محکم رکھنے والوں کے ہاتھوں میں نہیں آئے گی اصلاح احوال کی کوئی صورت ممکن نہیں۔

Marfat.com

حضور سرورِ عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم پر جو کتابِ مقدس نازل ہوئی تھی۔ اس میں بار بار سرمایہ دارانہ ذہن کی سفاکیوں، فتنہ انگیزیوں اور مفسدہ پردازیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً	اور جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ ہلاک کر دیں کسی بستی کو (اس
اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا	کے گناہ ہونے کے باعث، تو پہلے) ہم (نبیوں کے ذریعہ)
فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ	وہاں کے رئیسوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں مگر وہ (الٹا) نافرمانی کرنے لگتے
فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ؕ	ہیں اس میں پس واجب ہو جاتا ہے ان پر (عذاب کا) فرمان
	پھر ہم اس بستی کو جڑ سے اکھیڑ کر رکھ دیتے ہیں۔

سورہ سبا میں ہے کہ دولت کی فراوانی کے باعث ان کے امرا و اغنیار کے ذہن اتنے بانجھ ہو گئے تھے کہ جو انبیاء اپنی صداقت کی روشن نشانیاں لے کر مبعوث کئے گئے تھے اور جن کی آمد کا مقصد صرف یہ تھا کہ انھیں ان بدکاریوں کے ہولناک انجام سے بروقت متنبہ کریں۔ انھوں نے ان کی دعوت کو ٹھکرا دیا اور اپنی غلط فہمی کا برملا اظہار کر دیا کہ ان کے پاس دولت کی فراوانی ہے، ان کے بیٹوں کی تعداد کافی ہے، کوئی طاقت انھیں سزا نہیں دے سکتی۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ	یعنی جب ہم کسی بستی میں کوئی ڈرانے
مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ	والا بھیجتے ہیں۔ تو وہاں کا دولت مند
مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ	طبقہ برملا کہہ دیتا ہے کہ اے رسولو!
اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ	ہم تمھاری دعوت قبول کرنے سے انکار
وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ	کرتے ہیں۔ ہمارے پاس دولت کے

Marfat.com

اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا وَّ مَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ؕ — انبار ہیں اور اولاد کثیر ہے ہمیں کوئی عذاب نہیں دیا جاسکتا۔

اس لیے اسلامی معاشرے میں سرمایہ داروں کے پنپنے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ انسانی فطرت کے ساتھ برسرِ پیکار ہونے کی جو حماقت اشتراکیت نے کی ہے، اسلام کا دامن اس سے بھی یکسر منزّہ ہے۔ روس میں اشتراکی انقلاب کو برپا ہوئے پچاس سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔ انفرادی ملکیت کو ختم کرنے کے لیے بڑے ہی پاپڑ بیلے گئے ہیں اور مظالم کی انتہا کردی گئی ہے۔ صرف روس میں نجی جائیداد کو اپنے قبضے میں کرنے کے لیے کروڑوں روسیوں کا خون بہایا گیا ہے۔ لیکن انسانی فطرت کو مسخ کرنے یا بدلنے کی مہم میں انھیں کامیابی نہیں ہوئی۔ اسلام جس طرح عقیدہ، تقریر اور تحریر کی آزادی کی ضمانت دیتا ہے۔ بلکہ اس کو عزت اور احترام کی نظر سے دیکھتا ہے، اسی طرح وہ انسان کی حریتِ عملی پر بھی بے جا پابندیاں لگانے کا قائل نہیں جب تک کوئی شخص اسلام کی وضع کردہ حدود کو پامال نہیں کرتا، وہ اپنی تخلیقی، تعمیری قوتوں کو بروئے کار لانے میں بالکل آزاد ہے، اور اسلام اس کو اس آزادی کی ضمانت دیتا ہے۔ اور وہ اپنے عمل سے جو جائز ثمرات حاصل کرے گا۔ اس کی حفاظت کا اس سے عہد کرتا ہے۔ اگر مملکت اسلامیہ کا کوئی شہری قواعد وضوابط کی پابندی کرتے ہوئے جائز اور حلال ذرائع سے دولت کماتا ہے، تو اسلام ایسے شخص کو معاشرہ کا بہترین فرد شمار کرتا ہے۔ لیکن اس طرح کی کمائی ہوئی دولت کو بھی ایسے حکیمانہ انداز سے ایک ہاتھ سے لے کر متعدد اشخاص میں بانٹ دیتا ہے کہ دولت کی فراوانی سے جن بُرے نتائج کے ظہور کا خطرہ ہوتا ہے،

Marfat.com

ان کا سد باب بھی ہو جاتا ہے اور کسی کی دل شکنی اور دل آزاری بھی نہیں ہوتی اور کسی کے جوش عمل میں بھی کوئی ضعف پیدا نہیں ہوتا اسلام کا نظامِ وراثت و وصیت وہ ہے جس میں متوفی کی متروکہ، منقولہ اور غیر منقولہ دولت اس کے بیٹوں، اس کی بیٹیوں، اس کی بیوی، اس کے ماں باپ اور بعض حالتوں میں کئی دوسرے قریبی رشتہ داروں میں بٹ جاتی ہے۔ وصیت کے ذریعے وہ اپنی دولت متروکہ کا ایک تہائی حصہ غیر وارثوں کو بھی دے سکتا ہے۔ اسلام ہرگز یہ اجازت نہیں دیتا کہ صرف بڑا بیٹا جدی جائیداد کا وارث ہو، اور باقی اولاد کو محروم کر دیا جائے یا صرف بیٹوں کو وراثت میں حصہ ملے اور بیٹیوں کو محروم کر دیا جائے یا کوئی شخص کسی ترنگ میں آکر اپنے وارثوں کو محروم کر دے اور غیر وارث کو ساری جائیداد کا مالک بنا دے۔ جس طرح یورپ کے "مہذب و شائستہ" لوگ ساری جائیداد اپنے کتوں اور بلیوں کے نام وصیت کر جاتے ہیں اور اپنے وارثوں کو محروم کر دیتے ہیں۔

ہر ملک میں خواہ معاشی طور پر ترقی یافتہ ہی کیوں نہ ہو، ایک طبقہ ایسا ضرور ہوتا ہے، جو بعض ناگزیر وجوہات کے باعث افلاس و تنگدستی کا شکار ہوتا ہے، ایسے لوگوں کی کفالت کی ذمہ داری اللہ تعالے نے صاحبِ حیثیت لوگوں پر ڈالی ہے۔ جہاں اپنی عبادت کا ذکر کیا ہے، وہاں حاجت مند کی اعانت کرنے کا حکم بھی دیا ہے اور متعدد مقامات پر اس کی تصریح کی ہے کہ اسلام کی نظر میں صرف رسومِ عبادت کو بجا لانا ہی نیکی نہیں ہے بلکہ صدق دل سے ایمان لانا اور اللہ تعالے کی محبت کے لیے اپنے رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں میں

Marfat.com

مال تقسیم کرنا حقیقی نیکی ہے۔

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ	نیکی بس یہی نہیں کہ نماز میں تم اپنا
قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ	رُخ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو
وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ	بلکہ نیکی کا کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ	ایمان لائے اللہ تعالےٰ پر اور روز
وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَ	قیامت پر اور فرشتوں پر اور کتاب
اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي	پر اور سب نبیوں پر اور اپنا مال اللہ تعالےٰ
الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ	کی محبت کے باعث رشتہ داروں،
وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ	یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مانگنے
وَفِي الرِّقَابِ۔	والوں کو دے اور غلاموں کو آزاد کرائے

سورہ مدثر میں بڑے مؤثر پیرائے میں اس حقیقت کو ایک نئے انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ اہلِ جنت اہلِ جہنم سے پوچھیں گے: "مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ" "تمھیں کون سا جرم دوزخ میں لے گیا۔ تو وہ جواب دیں گے: "قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ وَلَمْ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ" کہ ہم اس جرم کی پاداش میں دوزخ کا ایندھن بنا دیئے گئے کہ ہم اپنے پروردگار کی جناب میں سجدہ نہیں کیا کرتے تھے گویا قرآن کریم کی نظر میں نماز ادا نہ کرنا اور کسی غریب کی ضروریاتِ زندگی کو بہم نہ پہنچانا دونوں یکساں نوعیت کے گناہ ہیں۔

بلکہ سورہ ماعون میں بڑی وضاحت سے بتا دیا کہ جو شخص یتیموں کو توہین کرتا ہے۔ ان کو اپنے ہاں سے دھکے دے کر نکال دیتا ہے اور مساکین و غربا کی بنیادی

Marfat.com

ضرورتوں کو بہم پہنچانے کی ترغیب نہیں دلاتا، وہ قیامت پر یقین ہی نہیں رکھتا ۔

أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ۔

جو لوگ اللہ تعالٰی کے دیئے ہوئے رزق سے غریبوں کی امداد نہیں کرتے اور ان کی ضرورت کی بہم رسانی میں اپنا فرض ادا نہیں کرتے، ان کے بارے میں قرآنِ حکیم کے دل دہلا دینے والے ارشادات سماعت فرمائیے، ارشاد ہے :

خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ۔

اس (نابکار) کو پکڑ لو۔ اس کی گردن میں طوق ڈال دو، پھر اسے بھڑکتی ہوئی آگ میں پھینک دو پھر اسے ستر گز لمبے زنجیر میں جکڑ دو۔ یہ (بدبخت، خدا وند عظیم پر ایمان نہیں تھا۔ اور نہ ہی وہ غریبوں کو خوراک مہیا کرنے کی ترغیب دیا کرتا تھا۔

ان آیات میں جو رعب اور جلال ہے اس سے دل کانپ اٹھتا ہے اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایک منصف مزاج انسان پر یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ اسلام نے انسان کی مادی ضروریات کو انتہائی اہمیت دی ہے اور جو شخص اپنے ضرورت مند بھائیوں کی امداد کی طرف متوجہ نہیں ہوتا وہ قیامت کا منکر ہے اور اللہ تعالٰی کی توحید پر ایمان نہیں رکھتا، اور اس کا ان برکتوں میں کوئی حصہ نہیں جو اسلام کے زیرِ سایہ انسان کو نصیب ہوتی ہیں۔ اسلام نے صرف پند

Marfat.com

موعظت پر ہی اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ قانونی طور پر ضرورت مند لوگوں کی کفالت کو اسلامی معاشرہ پر لازم قرار دے دیا ہے۔ جس کی ادائیگی ہر شخص پر حسبِ حیثیت لازم ہے۔ اس کے علاوہ مختلف اسالیب سے ضرورت مند لوگوں کی امداد کا دلوں میں شوق پیدا کر دیا۔ کہیں فرمایا کہ ان لوگوں کو امداد کے لیے جو تم خرچ کرتے ہو، وہ گویا تم اپنے پروردگار کو قرض دے رہے ہو۔ جو تمھیں یقیناً واپس ملے گا۔ کہیں فرمایا کہ تم اگر اپنے ضرورت مند بھائیوں کی امداد کے لیے ایک روپیہ خرچ کرو گے، تو اللہ تعالے اس کے عوض کم از کم دس گناہ تمھیں عنایت فرمائے گا اور زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ ذرا اس آیت کو بھی گوشِ ہوش سے سماعت فرمائیے۔ اس آیت کو سننے کے بعد اور اس کو سمجھ لینے کے بعد دل میں ایسا ولولہ اٹھتا ہے کہ ہر چیز اپنے ضرورت مند بھائیوں کی امداد کے لیے لٹا دینے کو جی چاہتا ہے۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ	یعنی ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال اللہ
اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ایسی ہے
كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ	جیسے ایک دانہ ہو جو اُگے اور اس میں
سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ	سات خوشے لگیں اور ہر خوشہ میں سو
سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَ	دانے ہوں۔ اور اللہ تعالے اس سے
اللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ	بھی زیادہ کر دیتا ہے جس کے لیے چاہتا
اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۔	ہے۔

یہی وہ پاکیزہ تعلیمات تھیں، یہی وہ صحیح تربیت تھی، یہی وہ قرآن کا اعجاز تھا اور یہی وہ اسلام کا روح پرور نظام تھا جس نے ان قوموں کی کایا پلٹ دی

Marfat.com

جنھوں نے اس کو قبول کیا اور ان ملکوں کو جنت نظیر بنا دیا جہاں اس کا برکتوں والا پرچم لہرایا۔

قرآنِ کریم کی اعجاز آفرینی آج بھی اپنے شباب پر ہے۔ اسلام کی برکتوں اور سعادتوں کا چشمۂ شیریں آج بھی ابل رہا ہے۔ حضور نبیٔ کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ادائے رحمۃ للعالمینی اتنی وسیع ہے کہ ستم رسیدہ، افلاس گزیدہ انسانیت کو اس کے ظلِ عاطفت میں پناہ مل سکتی ہے بشرطیکہ ہم منافقت کو ترک کر دیں۔ شک و ارتیاب کی دلدل سے اپنے آپ کو نکال لیں۔ ایمانِ صادق اور یقینِ محکم سے ان تعلیمات کو اپنا لیں جو اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوبِ کریم، رحمت للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہمارے لیے بلکہ ساری دنیائے انسانیت کے لیے نازل فرمائی ہیں۔ جس مبارک ہستی کا ہم یوم میلاد منا رہے ہیں اس کے ساتھ محبت اور عقیدت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کے لائے ہوئے دین پر خود عمل پیرا ہوں اور دوسروں کے لیے راہِ حق پر گامزن ہونے کا دلکش نمونہ پیش کریں۔ اس محسنِ انسانیت کو یہ دین اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھا۔ اس کے احکام کی تبلیغ کے لیے کون سا ستم ہے، جو محبوبِ رب العالمین نے برداشت نہیں کیا، کونسی مصیبت ہے جسے گوارا نہیں کیا۔ حضور کے مقدس پاؤں میں کانٹے چبھے، حضور کو شہید کرنے کے لیے کفار نے انگنت منصوبے بنائے، اپنے وطن سے نکالا۔ بارہا مدینہ طیبہ پر چڑھائی کی۔ ان جنگوں میں نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے پیارے صحابہ اور عزیز رشتہ دار شہید ہوئے۔ ان تمام مصائب و آلام کو اس رحمتِ عالمیان نے بخوشی گوارا کیا تاکہ اللہ تعالےٰ کا نام اونچا ہو اور اس کا دین پھیلے تاکہ

Marfat.com

انسانیت کی نکبت اور زبوں حالی کا دور ختم ہو اور صبحِ سعادت طلوع ہو۔ اگر ہم اللہ تعالےٰ کے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دم بھرتے ہیں، حضور کی غلامی کے رشتہ پر ناز کرتے ہیں تو ہمارا یہ فرضِ اولین ہے کہ ہم سب راعی اور رعایا، حضور کے اس یوم میلاد کو اس عزم کے ساتھ منائیں کہ ہم دینِ حق کی جو شمع اس سہانی گھڑی فروزاں کی گئی تھی، اس سے اپنی تاریک دنیا کو بھی منور کریں گے، ظلم، جہالت، گمراہی کا اندھیرا جہاں جہاں خیمہ زن ہے، اس کا قلع قمع کر دیں گے۔ آج کی مادیت گزیدہ انسانیت کو اسلام کے تریاق کی اشد ضرورت ہے لیکن یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک پاکستان اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور ہو کر اخلاقی بلندی، روحانی بالیدگی اور معاشی خوشحالی کا مرقعٔ زیبا نہ بن جائے۔

Marfat.com

اسلام کا سیاسی نظریہ

اور

بیعتِ صدیقؓ

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آفتابِ نبوت کے طلوع ہونے سے پہلے جہاں کہیں کوئی حکومت قائم تھی وہاں ملوکیت کا نظام اپنی جملہ خرابیوں کے ساتھ نافذ تھا۔ بعض ممالک میں فوجی قوت اور مادی طاقت بادشاہوں کا سہارا تھی اور بعض ممالک میں بادشاہ نے اپنے بارے میں اپنی رعایا کے قلوب و اذہان پر تصور قائم کر رکھا تھا کہ ان کے بادشاہ، ان کے معبودوں کی اولاد ہیں اور ان کے احکام کا بجا لانا اپنے خداوں کے احکام بجا لانے کی طرح ان پر لازم ہے۔ ایران، چین، جاپان اور کئی دیگر ممالک میں رعایا اپنے حکمرانوں کو صرف خراج ہی ادا نہیں کرتی تھی، بلکہ ان کی بندگی اور پرستش کو بھی اپنے لیے اخروی نجات کا ذریعہ یقین کرتی تھی۔

مقصد یہ تھا کہ ان کی رعایا صبر اور سکون کے ساتھ ان کے جور و ستم کو برداشت کرتی رہے، ان کی لوٹ کھسوٹ کے سامنے دم تک نہ مارے، ان کے شبستانِ عیش و نشاط کی رونقوں میں اضافہ کرنے کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہ کرے۔ ان بادشاہوں کے صرف حقوق تھے، جن کی ادائیگی ان کی رعایا پر ضروری تھی۔ ان پر اپنے عوام کی طرف سے کوئی فرائض عائد نہ ہوتے تھے، جن کے بارے میں وہ ان سے

Marfat.com

باز پرس کرسکیں۔ رعایا تنگ آکر ایک ظالم اور ستم شعار بادشاہ کے خلاف تو بغاوت کرسکتی ہے لیکن اپنے معبود کے خلاف سرکشی کا تصور کسی پرستار کے ذہن میں پیدا نہیں ہوسکتا۔

شرق و غرب میں جتنی شہنشاہیاں قائم تھیں۔ ان میں تین چیزیں قدرِ مشترک ہیں:

۱ - بادشاہ کے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات ایک قانون ہے، جس کی خلاف ورزی جرم ہے۔

۲ - بادشاہ ہر قسم کے قانونی مؤاخذہ سے بالاتر ہے۔ وہ بیگناہوں کے کشتوں کے پشتے لگا دے، وہ لوگوں کے مال و دولت پر ڈاکے ڈالتا رہے، وہ لوگوں کی عصمتوں کو برباد کرتا رہے۔ اس سے کوئی بھی باز پرس نہیں کرسکتا۔

۳ - بادشاہ کا جانشین اس کا بیٹا یا اس کا قریبی وارث ہی ہوسکتا ہے۔ شاہی خاندان کے علاوہ کوئی شخص بھی قصرِ شاہی پر نہیں بیٹھ سکتا۔ خواہ علم و فضل، معاملہ فہمی، عاقبت اندیشی میں وہ اپنی نظیر نہ رکھتا ہو۔

اس غلط نظام کے باعث کروڑوں لوگ ایک آدمی کے رحم و کرم پر اپنی زندگیاں بسر کرتے۔ وہ اس نظام کی سنگدلیوں سے شکوہ بلب ضرور تھے، لیکن انھوں نے اسے ایک ناگزیر حقیقت کے طور پر قبول کرلیا تھا۔ ان کے ذہن میں اس نظام سے رستگاری حاصل کرنے کا کبھی حوصلہ ہی پیدا نہیں ہوا تھا۔

Marfat.com

اسلام کے جہاں زندگی کے دوسرے شعبوں میں خوش آئند تبدیلیاں برپا کیں وہاں ملوکیت کے نظام کو بھی درہم برہم کر کے رکھ دیا۔ اس نے اپنے سیاسی نظام میں مَلک اور بادشاہ کا لفظ ہی خارج کر دیا، کیونکہ ان لفظوں سے بھی خودسری، مطلق العنانی اور حاکمِ حقیقی ہونے کی بو آتی ہے۔ اس نے خلیفہ کا لقب، سربراہ مملکت کے لیے پسند فرمایا، جو ان تمام غلط تصورات سے بالاتر ہے۔ جس کا معنی نائب ہے۔ اور نائب وہ ہوتا ہے جو اپنے مالک کی منشا اور مرضی کے مطابق اپنے اختیارات کو استعمال کرے۔ اس لفظی تبدیلی میں ہی حکمران طبقہ کے ناروا اور غیر محدود اختیارات پر ضربِ کاری لگا دی، اور ان سے وہ تمام حقوق سلب کر لئے جن کے بل بوتے پر وہ مخلوقِ خدا پر مشقِ ستم کیا کرتے تھے۔

دوسری تبدیلی یہ کی کہ حکم سلطانِ وقت کا نہیں چلے گا، بلکہ اللہ تعالے کا چلے گا، جو سب کا خالق و مالک ہے۔ خلیفہ کا کام بادشاہ حقیقی، رب العالمین کی منشاء کے مطابق ملک میں امن و امان برقرار رکھنا عدل و انصاف کی بالادستی قائم کرنا، حقوق و فرائض میں ہم آہنگی کو ہر لحظہ پیشِ نظر رکھنا۔

تیسری تبدیلی یہ ہوئی کہ مسندِ حکومت کسی کی ذاتی جاگیر نہیں کہ اس کے بعد اس کا بیٹا یا دوسرا کوئی قریبی وارث اس پر متمکن ہو جائے، بلکہ یہ منصب لوگوں کا حق ہے۔ اپنے میں سے جس کو وہ ان فرائض کی انجام دہی کے لیے موزوں خیال کریں، اسے اپنا امیر اور سربراہ مملکت چن سکتے ہیں۔

حضور رحمتِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے نظامِ حکومت میں یہ دور رس انقلابی تجاویز اور پھر ان کو عملی جامہ اس وقت پہنایا، جب کہ شرق و غرب میں

Marfat.com

کوئی مفکر اور دانشور ایسی تبدیلی کے بارے میں سوچنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ نبی برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لَا قَیْصَرَ وَ لَا کِسْرٰی کا لرزہ خیز اعلان اس وقت کیا، جب مشرق میں وسیع و عریض ممالک پر کسریٰ کی شہنشاہی کا پرچم لہرا رہا تھا اور مغرب میں قیصر کی عظمت کے ڈنکے بج رہے تھے۔ کیا کوئی انسان اس وقت یہ سوچ بھی سکتا تھا کہ بہت جلد وہ دن طلوع ہونے والا ہے، جب کہ نہ قیصریت رہے گی اور نہ کسرویت۔ نبیٔ رحمت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اپنے دل نشین ارشادات سے اور اپنی تیئیس سالہ پاکیزہ زندگی سے اپنے ماننے والوں کے دلوں میں ان نقوش کو راسخ کر دیا۔ انھیں اپنے آقا کے ارشادات پر یقین محکم تھا۔ ان کا یہ ایمان تھا کہ سیاست کی پہلی بساط الٹ دی جائے گی، اب انسانوں کو بھیڑوں بکریوں کا ریوڑ سمجھنے والے بادشاہ ان پر حکومت نہیں کریں گے، بلکہ جس کو اب وہ مناسب سمجھیں گے، اس منصب پر فائز کر دیں گے۔

سرورِ عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی موجودگی میں ہی ایک اسلامی ریاست معروضِ وجود میں آچکی تھی، جو حجاز، یمن اور دیگر ملحقہ علاقوں پر مشتمل تھی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ (پیرس) کی تحقیق کے مطابق اس اسلامی سلطنت کا رقبہ دس لاکھ مربع میل تھا۔ حضور نے اپنی جانشینی کے لیے نام لے کر کسی کو نامزد نہیں کیا، بلکہ وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ کے فرمانِ الٰہی کے مطابق امیر کے انتخاب کو مسلمانوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا تاکہ وہ جس کو اس منصب کا اہل خیال کریں اسے منتخب کریں۔

نظام حکومت کے بارے میں مسلمانوں میں سے دو مختلف مکتبِ فکر قدیم زمانہ

سے موجود ہیں۔ ایک مکتب فکر اہل سنت کا ہے، جو امت کا سوادِ اعظم ہے اور ایک دو ممالک کے علاوہ تمام اسلامی ممالک میں ان کی غالب اکثریت ہے۔ دوسرا مکتبِ فکر شیعہ حضرات کا ہے، جنھیں ایران میں عددی کثرت بلسرّ ہے۔ عراق میں بھی ان کی تعداد نصف کے لگ بھگ ہے۔ دیگر تمام اسلامی ممالک میں وہ اقلیت میں ہیں۔

اہلِ سنت کا مسلک وہی ہے جو اسلام کی انقلابی روح کا آئینہ دار ہے اس میں ریاست کی ذمہ داری اس شخص کو سونپی جاتی ہے، جس کو امت مسلمہ اپنی سربراہی کے لیے پسند کرے۔ اس میں سیدنا علی اور حضرت سیدہ کی اولاد میں سے ہونا ضروری نہیں۔ اس میں میراث کا نظام بھی جاری نہیں ہوتا، یہی وہ چیز ہے جو اسلامی نظام سیاست کو دیگر سیاسی نظاموں سے ممتاز کرتی ہے۔ لیکن شیعہ حضرات کا یہ نظریّہ ہے کہ خلافت مصالح عامہ میں سے نہیں تاکہ اسے عوام کے غور و تدبر کے سپرد کر دیا جائے اور اس کی تعیین کا اختیار امت کو دیا جائے بلکہ یہ دین کا ایک رکن ہے اور اسلام کا ایک بنیادی مسئلہ ہے اور نبی کے لیے جائز نہیں کہ خلیفہ کے تقرر میں غفلت برتے یا اس کے تقرر کی ذمہ داری عوام کے سپرد کر دے۔

بَلْ یَجِبُ عَلَیْہِ تَعْیِیْنُ	یعنی نبی پر واجب ہے کہ وہ امام کا
الْاِمَامِ لَھُمْ وَیَکُوْنُ	تعین کرے، اور امام ایسا ہونا چاہیئے
مَعْصُوْمًا مِّنَ الْکَبَائِرِ وَ	جو کبائر و صغائر ہر قسم کے گناہوں
الصَّغَائِرِ ط	سے معصوم ہو۔

اور یہ ہستی سیدنا علی المرتضٰی کی ہے۔ پھر یہ بطور وراثہ حضرت سیدہ کی اولاد

Marfat.com

میں منتقل ہوتی چلی جاتی ہے، اور ہر امام نص سے مقرر ہوتا ہے۔

اس نظریہ کے عملی پہلو کو چند لمحوں کے لیے رہنے دیجئے۔ اس کے نظری پہلو پر غور فرمایئے، آپ کو ماننا پڑے گا کہ اگر یہ نظریہ اسلام کا نظریہ ہے تو یہ قطعاً کوئی جدید اور انقلاب آفریں نظریہ نہیں بلکہ اسی پرانے نظام ملوکیت کی ایک نئی شکل ہے۔ اسی ملوکیت کو مذہبی تقدس کا لباس پہنا کر پیش کیا گیا ہے۔ اگر وہاں قیصر کی اولاد، قیصر کی جانشین ہو سکتی ہے اور دوسرا کوئی نہیں ہو سکتا، تو یہاں بھی سیدنا علی اور حضرت سیدہ کی نسل سے ہی کوئی شخص اس مرتبہ پر فائز ہو سکتا ہے، کسی غیر کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ خود اس مسند پر متمکن ہو جائے یا قوم، زمامِ اقتدار اس کے ہاتھوں میں پکڑا دے۔

اس نظریہ کا عملی پہلو شیعہ کے لیے بھی بڑی پریشانیوں اور ہولناک نتائج کا باعث ثابت ہوا۔ بہت جلد ان میں مذہبی تفرقہ بازی کا دروازہ کھل گیا۔ ہر فرقہ دوسرے فرقہ کو گمراہ بلکہ خارج از اسلام قرار دینے لگا۔ اس طرح یہ مسلک مختلف اور متضاد اور متحارب گروہوں میں بٹتا چلا گیا۔ ان کا پہلا اختلاف تو خود سیدنا علی کے بارے میں ہے۔ ایک فرقہ کہتا ہے کہ جن نصوص سے آپ کی امامت ثابت ہے، ان میں آپ کے ایسے اوصاف بیان ہوئے ہیں جو بجز آپ کے کسی میں نہیں پائے جاتے۔ اس رائے کے قائلین زیدیہ کہلاتے ہیں۔ جن لوگوں نے آپ کو چھوڑ کر شیخین کو اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے، ان کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ نصوص کے سمجھنے میں اور ان کی تطبیق میں ان سے غلطی ہوئی ہے۔ زیدیہ نہ شیخین سے برأت کا اظہار کرتے ہیں، اور نہ ان کی امامت پر زبان طعن دراز کرتے ہیں۔

Marfat.com

وہ کہتے ہیں کہ سب سے افضل سیدنا علی اور شیخین مفضول ہیں، لیکن افضل کی موجودگی میں مفضول امام مقرر ہو سکتا ہے۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ جن نصوص سے آپ کی جانشینی ثابت ہے اس میں آپ کا نام لے کر تعیین کی گئی ہے۔ اس لیے آپ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو خلیفہ مقرر کرنا ضلالت و گمراہی ہے۔ سیدنا علی کے بعد پھر وہ بٹ گئے۔ بعض کہتے ہیں کہ امامت سیدہ طاہرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی اولاد میں منحصر ہے اور ہر امام کا نام نصاً ثابت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ سیدہ طاہرہ کی نسل سے امام کا ہونا تو ضروری ہے لیکن ہر ایک کا منصوص ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ اس خاندان کے شیوخ اپنے میں سے کسی ایسے شخص کو منتخب کر سکتے ہیں جو عالم، زاہد، سخی اور شجاع ہو۔ ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی امامت قبول کرنے کی اعلانیہ دعوت بھی دے۔ یہ نظریہ حضرت زید کا ہے، جو حضرت امام علی زین العابدین کے فرزند ہیں اور امام محمد باقر کے برادر گرامی ہیں۔ حضرات حسنین کریمین کے بعد امام منصوص کون ہے؟ اس میں پھر ان کا باہمی اختلاف ہے۔ بعض نے ان کے بھائی حضرت محمدؐ بن حنفیہ کو امام مانا ہے۔ جیسے جیسے یہ سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا، ان میں بھی امام کے بارے میں اختلاف پیدا ہونے لگے اور یہ بھی کئی فرقوں میں بٹ گئے اسی طرح زیدیہ میں بھی باہمی انتشار پیدا ہو گیا۔

اب رہے امامیہ! تو ان کی کہانی بھی کسی سے کم عبرتناک نہیں۔ ان کے نزدیک سیدنا علی کی وصیت سے حضرت حسن، پھر امام حسین، پھر امام زین العابدین پھر امام محمدؐ باقر، پھر آپ کے صاحبزادے جعفر صادق، اس کے بعد پھر یہ دو حصوں میں بٹ گئے۔ بعض نے آپ کے فرزند حضرت اسماعیل کو اور بعض نے حضرت موسیٰ کاظم

Marfat.com

کو امام منصوص مانا ہے۔ امامیہ اثنا عشریہ جو بڑی سختی سے اس عقیدہ پر قائم تھے کہ امام منصوص اور معصوم ہونا چاہتے، وہ بھی بمشکل گیارہویں امام حضرت حسن عسکری تک پہنچے۔ آگے وہ بھی اس سلسلہ کو دراز نہ کر سکے اور آخر کار انہیں امام غائب کا سہارا لینا پڑا جو بقول ان کے پانچ سال کی عمر میں اپنے دشمنوں کے خوف سے ایک غار میں پناہ گزیں ہو گئے۔ یہ واقعہ ۲۶۰ھ کا ہے۔ اس وقت سے لے کر آج تک وہ روپوش ہیں۔ ان کی تشریف آوری کی مختلف تاریخیں وقتاً فوقتاً مقرر کی جاتی رہیں، لیکن امام تشریف نہ لائے۔ شیعہ حضرات صدہا سال تک مغرب کے وقت اس مزعومہ غار کے دہانے پر اکٹھے ہوتے رہے۔ فریادیں کرتے رہے، منتیں مانتے رہے، لیکن بے سود۔

ہمیں ان کے عقیدہ پر اعتراض کا حق نہیں وہ جو چاہیں عقیدہ اختیار کر لیں، کیونکہ ہر شخص اپنے عقیدہ کی جزا و سزا کا خود ہی متحمل ہوتا ہے، لیکن یہ سوچنے کا حق تو ہمیں بہر حال ہے کہ جن اغراض عالیہ اور مقاصد رفیعہ کی تکمیل کے لیے منصوص اور معصوم خلیفہ کا بالفعل وجود لازمی اور ضروری قرار دیا گیا تھا، تقریباً گیارہ صدیوں سے امام غائب ہیں، کیا ان اغراض و مقاصد کی تکمیل ہو رہی ہے؟ جن نصوص کا سہارا لے کر اس عقیدہ کی عمارت تعمیر کی گئی تھی، کیا اب وہ منسوخ یا معطل ہو گئی ہیں۔ اتنے اہم اور ضروری کام کو قدرت نے یوں مسلسل کیوں نظر انداز کر رکھا۔ ان کی غیر موجودگی میں امت گمراہی کے گڑھے میں گرتی چلی جا رہی ہے۔ اس کا ذمہ دار کون ہے؟ کیا امام منتظر امت مسلمہ کی خستہ حالی کا مشاہدہ فرما رہے ہیں اور روٹھے بیٹھے ہیں۔ ہمیں تو یہ گتھی سلجھتی نظر نہیں آتی۔

Marfat.com

پھر غور طلب امر یہ ہے کہ ہر زمانہ میں ایک منصوص اور معصوم امام کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی؟ کیا حضور نبی کریم صلے اللہ تعالے علیہ وسلم نے دین کا کام ادھورا اور نامکمل چھوڑا تھا جس کی تکمیل کے لیے سیدنا علیؓ تشریف لائے؟ کیا علی المرتضیٰ سے کوئی کمی رہ گئی تھی العیاذ باللہ جس کی تکمیل کے لیے سیدنا امام حسن مجتبیٰ نے کی۔ ہمارا تو یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالے کا محبوب کریم دین کی تکمیل کرنے کے بعد شریعت مطہرہ کا محل مضبوط بنیادوں پر تعمیر کرنے کے بعد رفیقِ اعلیٰ کی طرف مراجعت فرما ہوا اس کی تصدیق خود رب السموات والارضین نے حجۃ الوداع کے موقع پر میدانِ عرفات میں یہ آیہ کریمہ نازل کر کے فرما دی۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط

یہ دین قیامت تک کے لیے اللہ تعالے کا پسندیدہ دین ہے۔ باقی رہا ہر لحظہ پھیلتی ہوئی اسلامی دنیا میں اس کا نفاذ، ہر داخلی انتشار اور بیرونی یلغار سے اس کا تحفظ، یہ امت کی اجتماعی ذمہ داری ہے اور جس کو وہ موزوں اور اہل خیال کرے یہ خدمت انجام دینے کے لیے اس کو منتخب کرلے۔ اگر وہ عزم و یقین کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتا رہتا ہے تو فبہا۔ ورنہ اس کو معزول کر کے کسی دوسرے شخص کو یہ خدمت سپرد کی جاسکتی ہے۔ اگر ایران کے شیعہ نظامِ اسلام کے نفاذ کے لیے جناب آیت اللہ خمینی کو اپنا راہنما اور امام مقرر کر لیتے ہیں۔ اور ان کی جاندار اور دیدہ ور قیادت میں شہنشاہی کی لعنت سے نجات حاصل کر لیتے ہیں اور اسلامی بنیادوں پر ایک پاکیزہ معاشرہ قائم کرنے کا آغاز کر سکتے ہیں، حالانکہ

Marfat.com

خمینی کی امامت کسی نص سے بھی ثابت نہیں۔ وہ معصوم بھی نہیں اور دودمانِ سیادت سے بھی نہیں اور ابھی امامِ منتظر غار میں ہی قیام فرما ہیں۔ اگر آج کل ایک شخصیت امام کی غیر موجودگی میں یہ کارنامہ انجام دے رہی ہے تو ۲۶۰ھ سے لے کر ۱۳۹۹ھ تک اسلامی معاشرہ اتنا بنجر اور بانجھ تھا کہ ان میں کوئی مردِ کار اس فریضہ کو انجام دینے کے لیے ظاہر نہیں ہوا۔ دل اس کو تسلیم کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔

واقعات کی روشنی میں اگر ان آراء و افکار کا دقّتِ نظر سے تجزیہ کیا جائے تو ماننا پڑتا ہے کہ تقرر خلیفہ کے بارے میں جمہور امت (اہلسنت) کا نظریہ ہی صحیح ہے۔ دین فطرت کے اصول و قواعد اسی کی تصدیق کرتے ہیں۔)

سرورِ عالمیاں صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ایک کتابِ مبین، ایک جامع نظامِ حیات اور ایک نوخیز مملکت عطا فرمائی، جس میں پھیلنے کی بے پناہ قوتیں موجود تھیں۔ جس مقصد گرامی کی تکمیل کے لیے اللہ تعالےٰ نے حضور کو مبعوث فرمایا تھا، اس کی تکمیل ہو چکی تھی۔ رفیقِ اعلیٰ کی طرف رجوع کرنے کی گھڑی قریب آرہی تھی۔ بظاہر مصلحت کا تقاضا تو یہ تھا کہ حضور کسی کو اپنا جانشین مقرر فرما دیتے۔ حضور جسے بھی مقرر فرما دیتے، سب صدقِ دل سے اسے قبول کر لیتے لیکن اگر ایسا کیا جاتا تو سیاست کی سنگلاخ اور اداس وادیوں میں روح پرور تبدیلیوں اور خوش آئند انقلابات کے جو گلشن نگاہ مصطفوی نے سجائے تھے۔ ان کا حسن ماند پڑ جاتا، جس عمل کو سند بناتے ہوئے ہر حاکم جس کو چاہتا اپنا جانشین بنا لیتا۔ یوں جمہوریت کی روح نشو و نما پانے سے پہلے ہی کچل دی جاتی۔ اس لیے رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت پر بلکہ ساری نوع انسانی پر کرم فرماتے ہوئے کسی

Marfat.com

کو نامزد نہیں کیا، لیکن ایسے اشارات ضرور فرما دیئے جن سے ہر ذی فہم حضورؐ کا مدعا بآسانی سمجھ سکتا۔ چنانچہ آخری علالت میں جب نقاہت زیادہ ہو گئی اور مسجد میں جا کر امامت کرنا مشکل ہو گیا تو کریم آقا نے ارشاد فرمایا:

مُرُوْا اَبَا بَکْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ۔ یعنی ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھیں۔

حضرت صدیقہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! ابوبکر بڑے نرم دل ہیں، جب وہ آپ کے مصلی پر کھڑے ہوں گے تو ان پر گریہ و رقت طاری ہو گی اور لوگ ان کی قرأت کو نہ سن سکیں گے۔

قَالَ مُرُوْا اَبَا بَکْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ فَاِنَّکُنَّ صَوَاحِبُ یُوْسُفَ۔ حضور نے سختی سے حکم دیا کہ ابوبکر کو کہو وہ لوگوں کو نماز پڑھائے۔ بے شک تم وہی عورتیں ہو جنھوں نے یوسف کو بہکانا چاہا تھا۔

حضور کے اس ارشاد سے اہل فہم کے لیے یہ سمجھنا دشوار نہ رہا کہ اس موقع پر صدیق کو خصوصی طور پر اپنے مصلّٰی پر کھڑا کرنا اور تمام حلقہ بگوشانِ اسلام کو جن میں سیدنا علی اور خاندان بنی ہاشم کی دوسری عظیم المرتبت ہستیاں بھی تھیں، ان سب کو آپ کی اقتدار میں نماز ادا کرنے کا حکم دینا اس بات کی طرف اشارہ ہے اور یہ نیابت ایک دفعہ یا دو دفعہ نہیں، بلکہ حضور کی موجودگی میں سترہ نمازوں کی آپ نے امامت کرائی اور حضور اس منظر کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے رہے۔ حضرت صدیقہ سے ہی مروی ہے:

Marfat.com

لَمَّا ثَقُلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی
اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
دَعَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ
اَبِیْ بَکْرٍ وَ قَالَ
ائْتِنِیْ بِکَتِفٍ حَتّٰی اَکْتُبَ
لِاَبِیْ بَکْرٍ کِتَابًا لَا یُخْتَلَفُ
عَلَیْہِ فَذَھَبَ عَبْدُ الرَّحْمٰن
لِیقوم فقال اِجْلِسْ اَبَی
اللّٰہُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اَنْ
یُخْتَلَفَ عَلٰی اَبِیْ بَکْرٍ

جب حضور کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کی طبیعت زیادہ ناساز ہوئی تو حضور
نے عبدالرحمن بن ابی بکر کو حکم دیا کہ وہ
کندھے کی ہڈی لے آئیں تا کہ ابوبکر
کے لیے میں لکھ دوں، تا کہ کسی کو
مجالِ اختلاف نہ رہے۔ عبدالرحمن
اٹھنے لگے، فرمایا! بیٹھ جاؤ لکھنے کی
ضرورت نہیں۔ اللہ تعالےٰ اور
مسلمان انکار کرتے ہیں کہ ابوبکر کے
بارے میں اختلاف کیا جائے۔

(طبقات ابن سلام)

آخر وہ جاں فرسا لمحہ آ ہی گیا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دلوں کو سوگوار، رُوحوں کو بے قرار اور دیدہ ہائے شوق کو اشکبار چھوڑ کر عالمِ فانی سے منہ موڑ کر عالمِ لقا کی طرف روانہ ہوئے۔ مسلمانوں کے لیے یہ لمحے قیامت سے کم نہ تھے۔ جس کو ایک لمحہ دیکھے بغیر ان کو قرار نہیں آتا تھا، کیا وہ روئے زیبا انھیں پھر کبھی نظر نہ آئے گا۔ یہ تصور کر کے وہ کانپ جاتے، ان کے دلوں پر کلہاڑے سے چلنے لگتے۔ بعض تو اپنے ہوش و حواس بھی فرطِ غم سے کھو بیٹھے تھے۔

سنح، مدینہ طیبہ کے نواح میں ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ حضرت صدیق اپنے اہل خانہ کے ہمراہ وہاں رہائش پذیر تھے۔ بارہ ربیع الاول ۱۱ھ صبح کی

Marfat.com

نماز مسجد نبوی میں ادا کی۔ اس روز حضور کا مزاج گرامی سنبھلا ہوا تھا۔ آپ واپس سنح چلے گئے۔ چاشت کے وقت سانحۂ ارتحال پیش آیا۔ ایک صحابی دوڑتے ہوئے گئے اور جا کر آپ کو اس روح فرسا حادثہ کی اطلاع دی۔ آپ فوراً واپس لوٹے۔ وہاں پہنچے تو دیکھا، صحابہ کی حالت غیر ہے۔ حضرت عمر خصوصاً اپنے آپ میں نہیں۔ حجرہ مبارکہ میں حاضر ہوتے جہاں رحمتِ عالم کا جسدِ اطہر رکھا ہوا تھا۔ چہرہ مبارک سے چادر ہٹائی، جبین سعادت پر بوسہ دیا، دل نیاز کیش کی طرف سے بارگاہ جمال میں ہدیۂ نیاز و عقیدت پیش کیا اور باہر آ گئے۔ صحابہ کے مجمع میں ایک مختصر سی تقریر فرمائی، جس سے صحابہ کرام کو کچھ صبر و قرار نصیب ہوا۔ دین کے غیر محفوظ مستقبل کے بارے میں جو اندیشے انھیں پریشان کر رہے تھے، ان میں تخفیف ہو گئی۔ اسی اثنار میں ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا، جس نے آ کر یہ خبر سنائی کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار جمع ہیں اور وہ سعد بن عبادہ (رئیس قبیلۂ خزرج) کو اپنا امیر بنانے کا فیصلہ کر چکے ہیں اور اب سب ان کی بیعت کرنے والے ہیں۔ آپ ہی بتائیے، کیا ابوبکر اور عمر یہ سن کر بھی وہاں بیٹھے رہتے اور سقیفہ میں نہ جاتے اور انصار کو اپنی من مانی کرنے دیتے۔ اگر اس فیصلہ کو عملی جامہ پہنا دیا جاتا اور حضرت سعد کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے تو اس کے نتائج کتنے تباہ کن ہوتے۔ شاید آپ میں یہ ہمت ہو کہ آپ بادِ صرصر کے تند جھونکوں کو گلشنِ اسلام کی بیخ کنی کی اجازت دے دیں اور اس منظر کا بخوشی مشاہدہ کرتے رہیں، لیکن ابوبکر و عمر یقیناً ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ یہ باغ، ان کے محبوب آقا نے لگایا تھا۔ اپنے خونِ ناب سے اپنے پاک آنسوؤں سے اس کی آبیاری کی تھی اور اسے جواں کیا تھا۔ اپنے مرشد

Marfat.com

کی معیت میں انھوں نے بھی اپنی زندگیاں، اپنی توانائیاں اور جملہ صلاحیتیں اس دینِ حق کو پروان چڑھانے میں صرف کی تھیں۔ ان کا ایمان انھیں مجبور کر رہا تھا کہ یہاں مت بیٹھو، بلکہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اس خطرے کے مقام پر پہنچو جہاں نوزائیدہ اسلام کو خطرہ درپیش ہے۔ اسلام سے قلبی تعلق اور اپنے آقا سے جو عہدِ وفا انھوں نے باندھا تھا، دونوں کو کشاں کشاں وہاں لے گیا۔ آپ کا قطعاً ارادہ نہ تھا کہ آپ اپنی خلافت کی بیعت لوگوں سے لیں۔ آپ نے تو ایک فتنہ کی آگ بھڑک اٹھنے کی وحشت ناک خبر سنی تھی، اس کو بجھانے کے لیے وہاں تشریف لے گئے تھے۔ حالات نے اچانک ایسا رخ اختیار کیا کہ اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ رہا کہ آپ لوگوں کی بیعت کو قبول کریں۔ ایک لمحہ کی تاخیر کئی محشر بپا کر سکتی تھی۔

چودہ صدیوں کے بعد آج یہ الزام لگانا کہ آپ حضور کو یونہی چھوڑ کر چلے گئے، انھیں خلافت کا لالچ تھا۔ حضور سے محبت نہ تھی، یہ الزام انتہائی غیر ذمہ دارانہ ہے۔ جس شخص نے اپنا تن، من، دھن سب کچھ اپنے ہادیٔ برحق کے قدموں پر نثار کر دیا ہو، جس نے ہر پُر خطر موقع پر اپنے آقا کا ساتھ دیا ہو، دنیا کی صحبت میں کوئی بھی جس کے صدق و وفا کا مقابلہ نہ کر سکتا ہو، ایسی ہستی کے بارے میں اس قسم کا تصور بھی دل میں پیدا ہو تو اسے شیطان کی وسوسہ اندازی یقین کرنا چاہیے۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں جو کچھ ہوا، حالات نے جس تیزی سے کروٹ لی، اور اس پر جو انمٹ نتائج مرتب ہوئے، ان کی تاریخی اہمیت ناقابلِ انکار ہے

Marfat.com

اور اس تاریخی حیثیت نے اس واقعہ کو ایک چیستان بنا کر رکھ دیا ہے طرح طرح کی روایات کا ایک طومار ہے، جس میں حق کو باطل سے جدا کرنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ یہاں سنبھل سنبھل کر قدم اٹھاتے ہوئے ہم آگے بڑھیں گے۔ ہر قول و حکایت کو روایت و درایت کی کسوٹی پر پرکھیں گے، تاکہ حقیقت کا رُخ زیبا نکھر کر سامنے آ جائے۔ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا ط

اس بحث کو شروع کرنے سے پہلے ایک حقیقت کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں:

ہر زمانہ کا تالیف و تصنیف کا انداز جدا جدا ہوتا ہے۔ اگر ان خصوصیات کو پیش نظر نہ رکھا جائے تو ان کتب سے صحیح استفادہ نہیں کیا جا سکتا بلکہ طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ دیگر علوم کی کتب کی طرح تاریخ کی کتب جو مختلف زبانوں میں مرتب کی گئیں ان کا اسلوب نگارش بھی جدا جدا ہے۔ آج کل تاریخ کی کتب لکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر ایک واقعہ کے بارے میں مختلف اقوال مروی ہوں تو مصنف ان میں سے اپنا پسندیدہ قول نقل کر دیتا ہے اور دیگر اقوال نقل کرنا اپنی ذمہ داری نہیں سمجھتا۔ لیکن قدماء مؤرخین کا یہ اسلوب نہ تھا۔ انھیں ایک واقعہ کے بارے میں جتنے اقوال ملتے، وہ ان سب کو ضبط تحریر میں لاتے اور اس کو وہ اپنی علمی دیانت سمجھتے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ہر روایت کی سند بھی تمامہ نقل کر دیتے اور قاری سے یہ توقع رکھتے کہ وہ خود فیصلہ کرلے کہ ان میں سے کون سا قول صحیح ہے اور کون سا غلط۔ ہمارے طلباء جو آج کل کے مؤرخین کی تصنیفات کے مطالعہ کے عادی ہیں، وہ اس صورت حال سے

Marfat.com

واقف نہیں۔ ہر قول جو وہ کسی کتاب میں دیکھتے ہیں اسے مصنف کے سر تھوپ دیتے ہیں کہ طبری نے اپنی تاریخ میں یا ابن اثیر نے الکامل میں یا ابن کثیر نے البدایہ و النہایہ میں یوں لکھا ہے، بے شک لکھا ہے، لیکن ساتھ اس کی سند بیان کر کے اس نے اپنی مؤرخانہ ذمہ داری پوری کر دی، اب یہ فرض ہم پر عائد ہوتا ہے کہ ہم سوچیں اور صحیح و سقیم میں امتیاز کریں۔

اب چلیے ہم آپ کو سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف لے چلتے ہیں، وہاں جو واقعات رونما ہوئے ان کے بارے میں مختلف روایات آپ کے گوش گزار کرتے ہیں۔ پھر آپ کی عقلِ سلیم کو زحمت دیں گے کہ وہ خود فیصلہ کرے کہ ان میں سے کون سی بات قابلِ اعتماد ہے۔

پہلے ہم آپ کی خدمت میں طبری کی روایت کا خلاصہ پیش کرتے ہیں، جس کی ابتدا انھوں نے یوں کی ہے:

حدثنا هشام بن محمد عن ابی مخنف ... الخ	یعنی یہ واقعہ بیان کیا ہم سے ہشام بن محمد نے، اس نے ابو مخنف سے روایت کیا

اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کا اجتماع ہوا جس میں حضرت سعد بن عبادہ نے بھی شرکت کی بیماری کے باعث اپنے بیٹے کو اپنا متکلّم بنایا۔ تقریر میں انصار کی خدمات کے طویل تذکرے کے بعد بتایا کہ انصار خلافت کے سب سے زیادہ حق دار ہیں۔ حضور ان کی خدمات سے ہمیشہ خوش ہوتے اور جب یہاں سے رخصت ہوئے تو بھی ان سے خوش تھے۔ سب نے ان کی تائید کی، اور فیصلہ کن

Marfat.com

انداز میں کہا: ہم تمھیں اپنا خلیفہ مقرر کرتے ہیں۔ ابھی گفت گو کا سلسلہ شروع تھا تو اس امکان پر بحث چھڑ گئی کہ اگر مہاجرین نے اسے نہ مانا تو پھر کیا ہو گا۔ بعض نے کہا اس صورت میں ہم کہیں گے:

اِذًا مِنَّا اَمِیْرٌ وَّ مِنْکُمْ اَمِیْرٌ۔ کہ ایک امیر ہم میں سے اور ایک تم میں سے ہو۔

سعد نے سن کر کہا، یہ پہلی کمزوری ہے۔ ایک آدمی بھاگا ہوا حضرت عمر کے پاس آیا، سارا ماجرا کہہ سنایا۔ انھوں نے حضرت صدیق کو باہر بلایا اور سقیفہ کے حالات سے آگاہ کیا۔ دونوں بڑی سرعت سے ادھر روانہ ہوئے۔ راستہ میں ابو عبیدہ بھی مل گئے۔ ان کو بھی ہمراہ لے لیا۔ وہاں پہنچے تو حضرت عمر نے تقریر کرنا چاہی، لیکن حضرت صدیق نے فرمایا: پہلے مجھے کچھ کہہ لینے دو۔ آپ نے مہاجرین کے حقوق کا تذکرہ کیا۔ انصار کے مناقب بھی بیان کئے۔ آخر میں فرمایا:

فَنَحْنُ الْاُمَرَاءُ وَ اَنْتُمُ الْوُزَرَاءُ۔ یعنی ہم مہاجرین امیر ہیں اور تم ہمارے وزیر ہو۔

یہ سن کر حضرت حباب بن منذر اٹھ کھڑے ہوئے اور گویا ہوئے۔ انھوں نے انصار کو خوب اکسایا، کہ وہی امامت کے مستحق ہیں۔ انھیں چاہیئے کہ اپنے موقف پر ڈٹے رہیں۔ یہ شہر ان کا ہے، ان زمینوں، باغات کے وہ مالک ہیں۔ یہاں تعداد میں وہ زیادہ ہیں، مہاجرین غریب الدیار ہیں۔ تم نے انھیں اپنے ہاں پناہ دی ہے۔ اور اگر یہ اقتدار میں حصہ دار بننے پر اصرار کریں تو:

مِنَّا اَمِیْرٌ وَّ مِنْھُمْ تو پھر ایک امیر ہم میں سے اور ایک

Marfat.com

اَمِیْرٌ ط

ان میں سے۔

حضرت فاروق اعظم نے فرمایا: دو تلواریں ایک نیام میں نہیں سما سکتیں۔ بخدا! اہل عرب تمہاری امامت کو ہرگز تسلیم نہیں کریں گے، جب کہ ان کے رسول قریش سے ہیں۔ حضرت خباب پھر اٹھے اور انصار کو مہاجرین کے خلاف خوب بھڑکایا اور یہاں تک کہہ دیا کہ اگر مہاجرین نے تمہارے اس دعوے کو تسلیم نہ کیا تو انھیں مدینہ طیبہ سے جلا وطن کر دیں۔ حضرت فاروق نے بھی جواباً دھمکی دی۔ حضرت ابوعبیدہ نے فرمایا:

يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اَنَّكُمْ	اے گروہ انصار! تم نے سب سے
اَوَّلُ مَنْ نَصَرَ وَ اٰزَرَ فَلَا	پہلے اللہ تعالیٰ کے رسول کی مدد اور
تَكُوْنُوْا اَوَّلَ مَنْ بَدَّلَ	اعانت کی۔ پس اب اس کو تبدیل
وَغَيَّرَ ط	کرنے کا آغاز تم سے نہیں ہونا چاہئے۔

یہ سن کر بشیر بن سعد کھڑے ہوئے، کہنے لگے، اے گروہ انصار! ہم نے جو خدمات انجام دی ہیں، ہم اس سے دنیاوی مفاد ہرگز حاصل کرنا نہیں چاہتے۔ ہمارا ارادہ تو فقط یہ ہے کہ ہمارا پروردگار ہم پر راضی ہو جائے اور حضور کے حکم کی اطاعت کی توفیق مل جائے۔ (یہاں یہ بھی ذکر کیا کہ) اوس نے خزرج کی برتری سے بچنے کے لیے آپ کی بیعت کی۔

انھی دو صاحبان (ہشام اور ابی مخنف) نے ایک دوسری روایت میں کہا ہے کہ حضرت سعد اپنی ہٹ پر پکے رہے اور کہا، بخدا! میں بیعت نہیں کروں گا جب تک میری ترکش کا آخری تیر بھی ختم نہ ہو جائے۔ یہاں یہ بھی مذکور ہے:

Marfat.com

وَكَانَ سَعْدٌ لَا يُصَلِّي بِصَلٰوتِهِمْ وَلَا يُجَمِّعُ مَعَهُمْ وَيُحَجُّ وَلَا يُفِيضُ مَعَهُمْ ط	یعنی سعد مسلمانوں کے ساتھ نماز بھی نہیں پڑھتے تھے۔ نہ ان کے ساتھ جمعہ ادا کرتے تھے، نہ حج کرتے تھے، نہ ان کے ساتھ افاضہ کرتے۔

طبری صہ ۲۱۰ ج ۳

ان روایات کے مطالعہ سے قارئین کے دل میں انصار کے بارے میں بالعموم اور حضرت سعد بن عبادہ اور حباب بن منذر کے بارے میں بالخصوص طرح طرح کی غلط فہمیوں کا پیدا ہو جانا بعید از قیاس نہیں، یعنے سب صحابہ اقتدار کے بھوکے تھے، اس کے لیے مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے۔ حباب نے مہاجرین کو مدینہ طیبہ سے نکال باہر کرنے کی بھی بار بار دھمکیاں دیں اور اپنی قوم کو ان کے خلاف خوب بھڑکایا۔ حضرت سعد نے بھی پورا پورا زور لگایا کہ وہ خلیفہ بن جائیں اور جب اس مقصد میں کامیاب نہ ہوئے تو ساری عمر الگ تھلگ بسر کر دی۔ غصہ اور ناراضگی کا یہ عالم تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر باجماعت نماز ادا کرنے اور جمعہ پڑھنے کے روادار نہ تھے۔ قبیلہ اوس نے بے شک حضرت صدیق کی بیعت کی لیکن اس لیے نہیں کہ وہ اس منصب جلیل کے اہل ہیں، بلکہ بنو خزرج کے حسد کے باعث انھیں گوارا نہ تھا کہ خلافت کا منصب انھیں ملے۔ اسی طرح کے کئی دوسرے دل میں پیدا ہو سکتے ہیں اور اگر صورت حال درحقیقت ایسی ہی تھی تو پھر ان لوگوں کو تلاش کرنے میں ہماری مدد کیجئے، جن کے مناقب رفیعہ اور اوصاف جمیلہ سے قرآن کے صفحات بھرے پڑے ہیں، جن کی للہیت، جن کی خدا شناسی، جن کے جذبہ

Marfat.com

ایثار و خلوص پر نہ صرف امت مسلمہ کو بلکہ پوری انسانیت کو ناز ہے۔

لیکن جو اہلِ علم، علامہ ابن جریر اور ان کے ہمعصر مؤلفین کے اندازِ تالیف کو جانتے ہیں، وہ اس قسم کی غلط فہمیوں کا شکار نہیں ہوتے، انھیں علم ہے کہ ابن جریر نے اس روایت کو سند کے ساتھ ذکر کیا۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم راویوں کے بارے میں تحقیق کریں کہ ان کی مرویات پر کہاں تک اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ اس روایت کے پہلے راوی ہشام بن محمّد ہیں۔ یہ کون ہیں اور ان کے استادِ مکرم ابو مخنف کون بزرگوار ہیں۔ یہ علم ہو جائے تو غلط فہمی کی بدلیاں از خود چھٹ جائیں گی اور حقیقت عیاں ہو جائے گی۔

حافظ شمس الدین الذہبی اپنی کتاب میزان الاعتقاد فی نقد الرجال میں لکھتے ہیں کہ اس کا پورا نام ہشام بن محمد بن السائب الکلبی ہے۔ علماء جرح و تعدیل نے ان کے بارے میں یوں اظہارِ خیال کیا ہے:

قَالَ اَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ اِنَّمَا كَانَ صَاحِبَ سَمَرٍ وَ نَسَبٍ مَا ظَنَنْتُ اَنَّ اَحَدًا يُحَدِّثُ عَنْهُ قَالَ الدَّارَقُطْنِيُّ وَغَيْرُهُ مَتْرُوْكٌ قَالَ ابْنُ عَسَاكِرَ رَافِضِيٌّ لَيْسَ بِثِقَةٍ ط	یعنی امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ وہ قصہ گو اور نسب بیان کرنے والا تھا میں یہ خیال نہیں کرتا کہ کوئی شخص اس سے حدیث روایت کرتا ہے۔ دارقطنی کہتے ہیں کہ وہ متروک ہے۔ ابن عساکر کی رائے ہے کہ وہ رافضی ہے۔ غیر ثقہ ہے۔

(میزان الاعتدال ج ۳۔)

Marfat.com

اب ان کے استناد کے بارے میں سنئے۔ ابو مخنف کا نام لوط بن یحییٰ ہے۔

وَ قَدْ كَانَ شِيْعِيًّا وَ هُوَ	یہ شیعہ تھا اور ائمہ فن کے یہ ضعیف
ضَعِيفٌ عِنْدَ الْأَئِمَّةِ۔	الحدیث ہے۔

(البدایہ والنہایہ)

جس روایت کے دو راوی اس قسم کے ہوں وہ روایت کیونکر قابلِ اعتنا ہو سکتی ہے۔

اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۹۹ پر ایک دوسری روایت ہے جو صورتِ حال کا بالکل نیا نقشہ پیش کرتی ہے۔ روایت کی ابتدا میں تقریباً وہی حالات مذکور ہیں جب حضرت ابوبکر کو سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے اجتماع کی خبر ملی تو آپ حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدہ کی معیت میں فوراً وہاں پہنچے۔ حضرت عمر اس مجمع سے خطاب کرنا چاہتے تھے، لیکن حضرت صدیق خود گویا ہوئے۔ آپ نے اپنے اس خطاب میں انصار کے حق میں جو آیات نازل ہوئی تھیں، اور جو ارشادات حضور کی زبان فیضِ ترجمان سے نکلے ہوئے تھے، انھیں ذکر کیا اور فرمایا کہ تمھیں علم ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر سارے لوگ ایک وادی میں چلیں اور انصار دوسری وادی میں چلیں تو میں انصار کی وادی کو اختیار کروں گا۔ پھر کہا:

لَقَدْ عَلِمْتَ يَا سَعْدُ	اے سعد! تم خوب جانتے ہو، تم اس
أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ وَ	وقت وہاں بیٹھے ہوئے تھے جب
أَنْتَ قَاعِدٌ، قُرَيْشٌ	رسول اللہ نے یہ ارشاد فرمایا کہ خلافت

Marfat.com

وَالنَّاسُ تَبَعٌ لِفُجَّارِهِمْ۔

ہے نیز قریش میں سے نیک لوگ قریش کے نیک لوگوں کے فرمانبردار ہوں گے اور بدکار لوگ قریش کے بدکاروں کے تابعدار ہوں گے۔

یہ سنتے ہی جیسے حضرت سعد کو ہوش آگیا ہو اور ان کی آنکھیں کھل گئی ہوں۔ آپ نے کہا:

صَدَقْتَ، فَنَحْنُ الْوُزَرَاءُ وَاَنْتُمُ الْاُمَرَاءُ۔

اے ابوبکر! جو قولِ رسالت مآب تو نے سنایا ہے یہ سچا ہے۔ میں اپنے دعوے سے دست کش ہوتا ہوں تم امراء ہو اور ہم تمہارے وزراء ہیں۔

(تاریخ طبری صہ۱۹۹ ج ۳)

اس روایت میں نہ حضرت حباب کی دھمکیاں ہیں اور نہ حضرت سعد کی ہٹ دھرمی اور ضد کا کہیں ذکر ہے۔ ابتداء میں انصار کو یہ خیال گزرا کہ وہ خلافت کے زیادہ حق دار ہیں۔ اسی لیے یہ اجتماع انعقاد پذیر ہوا لیکن حضرت صدیق رض کی بروقت مداخلت سے یہ شرر، شعلہ بننے سے پہلے ہی بجھ گیا۔ جب انصار نے اور سعد نے اپنے آقا کا ارشاد سنا کہ خلیفہ قریشی ہونا چاہیئے اسی وقت وہ اپنے ہر قسم کے مطالبے سے دست بردار ہو گئے۔ نہ تُو تُو مَیں مَیں، نہ کوئی جھگڑا، نہ اظہارِ انانیت، اللہ تعالیٰ کے محبوب نے بڑی جانفشانیوں سے جو امت تیار کی تھی اس سے اسی قسم کے ردِ عمل کی توقع کی جا سکتی تھی۔ جس امت کے سرپر خود خداوند عالم

Marfat.com

خیر الامم کا تاج سجایا، اس کی یہی شان ہونی چاہیئے تھی جس امت کی تعریف میں قرآن کے صفحات جگمگا رہے ہیں، اس سے اس کے بغیر کسی چیز کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ ابن خلدون نے بھی اس رائے کی بایں الفاظ تائید کی:

لَمَّا قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ وَکَانَ اَمْرُ السَّقِیْفَۃِ کَمَا قَدَّمْنَاہُ اَجْمَعَ الْمُھَاجِرُوْنَ وَالْاَنْصَارُ عَلٰی بَیْعَۃِ اَبِیْ بَکْرٍ وَ لَمْ یُخَالِفْ اِلَّا سَعْدٌ اِنْ صَحَّ خِلَافُہٗ فَلَمْ یُلْتَفَتْ اِلٰی شُذُوْذِہٖ۔	یعنی اللہ تعالےٰ کے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب رحلت فرمائی اور سقیفہ کا واقعہ ہوا، جیسے ہم نے پہلے بیان کیا ہے تو تمام مہاجرین اور تمام انصار نے حضرت ابوبکر صدیق کی بیعت پر اتفاق کیا اور سعد کے بغیر کسی نے مخالفت نہیں کی بشرطیکہ سعد کا اختلاف صحیح سند سے ثابت ہو جائے۔

(ابن خلدون صفحہ ۸۵۶ ج ۲)

امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں یہی روایت مخصوص سند کے ذریعہ سے نقل کی حضرت صدیق نے انصار کی تعریف کے بعد حضرت سعد کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

ولقد علمت یا سعد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال وانت قاعد، قریش ولاۃ ھذا الامر فبر الناس تبع لبرھم وفاجرھم تبع لفاجرھم

Marfat.com

فقال لہ سعد صدقت فنحن الوزراء وانتم
الامراء۔

یہ بعینہ وہی الفاظ ہیں جو اوپر مذکور ہوئے۔ ان کا ترجمہ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

طبقات ابن سعد میں جو روایت ہے اس میں بھی ان امور کا تذکرہ تک نہیں جو ہشام اور ابو مخنف کی مہربانی سے اس روایت کا حصہ بن گئے ہیں۔

سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے دونوں قبیلوں (اوس اور خزرج) نے، نیز جو مہاجرین وہاں جمع ہو گئے تھے۔ ان سب نے حضرت صدیق اکبر کے دستِ مبارک پر خلافت کی بیعت کر لی۔ پھر آپ مسجدِ نبوی میں واپس آئے۔ جن لوگوں نے سقیفہ میں بیعت نہیں کی تھی، انھوں نے یہاں حاضرِ خدمت ہو کر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اس طرح حضرت صدیقِ اکبر، حضور سرورِ عالم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے جانشین اور امتِ مسلمہ کے سربراہ چن لیے گئے۔ اس طرح سیاست کے میدان میں جن انقلاب آفرین تعلیمات کا ذکر حضور نے بار بار فرمایا تھا، آج وہ لباسِ مجاز میں دعوتِ نظارہ دے رہا تھا۔

یہاں یہ امر تصفیہ طلب ہے کہ کیا سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے بیعت کی یا نہیں۔ اگر بیعت کی تو برضا و رغبت یا جبر و اکراہ سے اسی وقت کی یا کچھ عرصہ گزرنے کے بعد، ان استفسارات کا جواب سننے کے لیے ہر شخص بے چین ہے۔

اگر ایک لمحہ کے لیے ہم ہر قسم کی روایات سے صرف نظر کر لیں، محض سیرت مرتضوی کی روشنی میں ان سوالات کا جواب تلاش کریں، تو ہم بڑی آسانی سے

Marfat.com

اس فیصلہ پر پہنچ جائیں گے کہ آپ نے بیعت کی، اپنی خوشی سے کی اور اسی وقت کی۔ آپ کی للہیت، دین کے لیے آپ کا خلوص، امتِ مسلمہ کے لیے آپ کا جذبۂ خیراندیشی، آپ کی بے عدیل شجاعت، مزید برآں آپ کی ہمہ صفت موصوف شخصیت ان تمام خرافات کے ابطال کے لیے کافی ہے۔ لیکن ہم ان روایات سے کلیتہً صرفِ نظر بھی نہیں کر سکتے۔ روایات کے اس ڈھیر سے نجات حاصل کرنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ ہر قول کو روایت و درایت کی کسوٹی پر پرکھا جائے۔ جو بات کھری ثابت ہو اسے قبول کر لیا جائے اور جو پایۂ اعتبار سے ساقط ہو اس کو نظر انداز کر دیا جائے۔ سب سے پہلے ناظرین کرام کی خدمت میں وہ روایت پیش کرتا ہوں جس کو شیعہ مصنفین نے بڑی شد و مد سے اپنی کتب میں بیان کیا ہے اور ہر ایک نے اسے مزید رنگین بنانے کے لیے پوری سعی کی ہے، بخدا، جی نہیں چاہتا کہ ایسے خرافات ذکر کر کے اپنا وقت بھی ضائع کروں اور قارئین کرام کے اوقات عزیز کو بھی غارت کروں، لیکن محبت کا نقاب اوڑھ کر ناموس اہل بیت کو پامال کرنے والوں نے جو اودھم مچا رکھا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ حقیقتِ حال خواہ وہ انتہائی تلخ اور کربناک ہو، قارئین کو اس سے باخبر رکھا جائے۔

ناسخ التواریخ کے حصہ تاریخ الخلفاء کی جلد اول صفحہ ۸۳ سے یہ حکایت شروع ہوتی ہے جو کئی صفحات تک پھیلتی چلی گئی ہے۔

"دوسرے روز مسجد نبوی صحابہ کرام سے کھچا کھچ بھری ہے حضرت عمر کے کہنے پر حضرت ابوبکر قنفذ کو بھیجتے ہیں کہ وہ حضرت علی کو حاضر دربار کریں۔ وہ جاتا ہے، پیغام پہنچاتا ہے۔ حضرت علیؓ اسے جھڑک

Marfat.com

دیتے ہیں، وہ واپس آجاتا ہے۔ اسے دوبارہ سختی سے حکم دیا جاتا ہے کہ وہ حضرت علی کو پکڑ کر لے آئے۔ حضرت پھر اسے دھتکار دیتے ہیں حضرت عمر ایک جتھہ آپ کو پکڑنے کے لیے روانہ کرتے ہیں۔ وہ بھی ناکام لوٹتا ہے حضرت عمر غصہ سے بے قابو ہو کر خود جاتے ہیں اور خاتون جنت کے دروازے پر کھڑے ہو کر بآوازِ بلند کہتے ہیں:

یا علی بیرون شو و با خلیفہ رسول	اے علی! باہر آؤ اور خلیفہ رسول خدا کی
خدا بیعت کن وگرنہ ایں خانہ را	بیعت کرو۔ ورنہ اس گھر کو جلا کر راکھ کر
بآتش پاک بسوزم فاطمہ برخاست	کر دوں گا۔ حضرت سیدہ اٹھیں فرمایا:
وقالت یا عمر! مالنا ولك	اے عمر! ہمارا تیرا کیا واسطہ ہے۔ آپ
وقال افتحی الباب والا	نے کہا: دروازہ کھولو، ورنہ تمہارے گھر
احرقنا علیکم بیتکم	کو تم پر جلا کر راکھ کر دوں گا۔ سیدہ
فقالت یا عمر اما تتقی	نے فرمایا: اے عمر! کیا تم خدا سے نہیں
اللہ تدخل علی بیتی۔	ڈرتے ہو۔ میرے گھر میں داخل ہوتے ہو۔

حضرت عمر نے جب دیکھا کہ حضرت علی دروازہ نہیں کھولتے، تو حکم دیا کہ آگ اور لکڑیاں لائی جائیں۔ آپ نے دروازہ کو آگ لگا دی۔ جب کچھ حصہ جل گیا، تو پاؤں کی ٹھوکر مار کر اسے گرا دیا اور گھر میں گھس آئے۔ حضرت سیدہ نے فریاد کرنا شروع کی اور کہا: یَا اَبَتَاہُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ پسر خطاب نے سیدہ کے پہلو پر تلوار سے ٹھوکر لگائی۔ آپ نے دوبارہ فریاد کی۔ حضرت عمر نے آپ کے بازو مبارک پر زور سے

Marfat.com

تازیانہ مارا۔"

حیرت ہے کہ شیرِ خدا یہ سب کچھ دیکھتے رہے اور چپ رہے ۔ ٹس سے مس نہیں۔ اتنی توہین اور ضربِ شدید کو دیکھ رہے ہیں اور ذوالفقارِ حیدری کو جنبش تک نہیں دیتے ۔ انسان اپنے اوپر تو سختیاں بھی برداشت کر لیتا ہے، لیکن اپنی اہلیہ کے بارے میں ناممکن ہے ۔ خصوصاً جب کہ وہ حضور کی لختِ جگر سیدۃ النساء ہو۔

"حضرت سیدہ پھر التجا کرتی ہیں ۔ اب حضرت علی کی آتشِ غضب بھڑک اٹھتی ہے اور آپ حضرت عمر کو گریبان سے پکڑ کر زمین پر پٹخ دیتے ہیں ۔ حضرت ابوبکر کو پتہ چلتا ہے ۔ وہ آپ کی امداد کے لیے چند آدمی بھیج دیتے ہیں ۔ آتے ہی یہ لوگ حضرت علی کے ہاتھ سے تلوار چھین لیتے ہیں ۔ پھر ان کو دبوچ لیتے ہیں ۔ پھر آپ کے گلے میں رسی ڈال لیتے ہیں اور آپ کو کشاں کشاں حضرت صدیق کی خدمت میں لے جاتے ہیں ۔ حضرت سیدہ مدافعت کے لیے اٹھ کھڑی ہوتی ہیں قنفذ آپ پر حملہ کرتا ہے اور تازیانہ کی ایک ایسی ضرب بازو پر لگاتا ہے کہ کہ اس کا سیاہ داغ وفات کے بعد بھی بازو مبارک پر باقی رہتا ہے ۔ حضرت علی کو پکڑ کر حضرت صدیق کی خدمت میں پیش کیا جاتا ۔ اس وقت آپ بصد حسرت کہتے ہیں کہ اگر میری تلوار میرے ہاتھ سے گر نہ پڑتی تو تم مجھے یوں کھینچ کر نہ لا سکتے ۔ خدا اس قوم پر لعنت کرے ، جنھوں نے میری بیعت کی پھر میرا ساتھ چھوڑ دیا ۔ (العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ)

(خلاصہ منقول از ناسخ التواریخ ص ۸۳ ج ۱)

Marfat.com

خطرہ کے وقت تو بزدلوں کے ہاتھ کانپتے ہیں اور ان کی تلواریں گر پڑتی ہیں۔ سیدنا علی تو شیرِ خدا ہیں جن کی ضربِ حیدری سے خیبر کی سنگین دیواریں پاش پاش ہوگئیں، جن کی گرج سے بڑے بڑے بہادروں کے دل پھٹ جایا کرتے تھے۔ احد اور حُنین کے مشکل اوقات میں ان کے ہاتھ سے تلوار نہ گری۔ خندق کے دن عمرو بن عبدوُد کا مقابلہ کرتے ہوئے آپ کے ہاتھ سے تلوار نہ گری۔ آپ کی تلوار نے مرحب کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ آج اس اللہ اور رسول کے شیر پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ان کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ گویا دوسرے لفظوں میں آپ کو بزدلی کا طعنہ دیا جا رہا ہے۔ ایسی باتیں گھڑتے وقت اور آپ کی ذاتِ والاصفات کی طرف منسوب کرتے وقت کچھ تو خدا کا خوف کرنا چاہیئے۔ اسی پر بس نہیں تین جانثار ابوغفاری، مقداد، سلمان فارسی رضی اللہ عنہم کی زبان سے ایسے جملے کہلواتے ہیں جنھیں سن کر بچے بھی ہنسی ضبط نہ کر سکیں۔ یوں اس دوستی کے رنگ میں اسلام دشمنی کا حق ادا کیا جا رہا ہے اور ان سب نفوسِ قدسیہ کی عظمت کو داغدار کرنے کا منصوبہ بنایا جا رہا ہے۔ لکھتے ہیں:

اس وقت ابوذر نے کہا:

ليت السيوف قد عادت بأيدينا ثانية۔	اے کاش! دوبارہ تلواریں ہمارے ہاتھوں میں لوٹ آئیں۔

مقداد نے کہا:

لو شاء دعا عليه ربه عز وجل۔	اگر علی مرتضیٰ چاہتے تو ابوبکر کے لیے بددعا مانگتے۔

Marfat.com

سلمان نے کہا:

مولای اعلم بما	میرا آقا جن مشکلات میں مبتلا ہے، وہ
هُو فیه.	خود ہی ان کو بہتر سمجھتا ہے۔

یہ کردار تو بنی اسرائیل کے حیلہ سازوں کے کردار سے بھی زیادہ مضحکہ خیز ہے یہ تین بزرگ جو بقول ان کے ایمان پر ثابت قدم رہے، ان کی قوتِ ایمانی کا تو یہ حال ہے، باقی رہے دوسرے صحابہ تو ان کو بیک جنبشِ قلم مرتد قرار دے کر خارج از اسلام کر دیا گیا۔

از ابی جعفر حدیث کنند قال	حضرت امام باقر سے مروی ہے کہ
کان الناس اهل ردة	حضور کے وصال کے بعد ان تین حضرات
بعد النبی صلی اللہ	کے علاوہ باقی سب لوگ مرتد
تعالی الا ثلاثه.	ہو گئے۔

اسی پر دل کی حسرت پوری نہیں ہوئی بلکہ مزید رقمطراز ہیں:

"رات کی تاریکی میں حضرت علی نے حضرت سیدہ کو گدھے پر سوار کیا اور حسنین کریمین کی انگلیاں اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہر انصاری کے گھر لے جاتے ہیں۔ ان سب سے بیعت کرنے کی درخواست کرتے ہیں، لیکن کہیں کامیابی نہیں ہوتی۔ مایوس ہو کر خانہ نشین ہو جاتے ہیں، یہاں تک آپ کو زبردستی گھر سے نکال کر جبراً بیعت کے لیے پیش کر دیا جاتا ہے۔ (سبحان اللہ هذا بهتان عظیم۔) (منقول از ناسخ التواریخ)

Marfat.com

معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ محققین بھی ان ہرزہ سرائیوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے۔
نہج البلاغت کے شارح علامہ میثم بن علی بن میثم بحرانی لکھتے ہیں:

واعلم انہ قد اختلف الناقدون بکیفیة حالہ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ و روی المحدثون من الشیعة وغیرھم اخبارا کثیرة ربما خالف بعضھا بعضاً بحسب اختلاف اھوائھم۔

جان لو، کہ سیدنا علی کی حالت کے بارے میں نقل کرنے والوں کے اقوال میں بڑا اختلاف ہے۔ شیعہ محدثین اور غیر شیعہ محدثین نے متضاد روایات بکثرت نقل کی ہیں جن سے ان کی ذاتی خواہشات جھلک رہی ہیں۔

علامہ مذکور نے جہاں یہ واقعہ ذکر کیا ہے وہاں ان خرافات کو بیان نہیں کیا۔ صرف یہ کہا ہے کہ

وبایع معھم علیؓ اکراھاً۔

ص ٢٦ ج ٢، شرح نہج البلاغت ابن میثم

یعنی جب بنو ہاشم نے صدیق اکبر کی بیعت کی تو حضرت علی نے بھی بیعت کی لیکن مجبوراً۔

اور دوسرا قول یہ منقول ہے:

ان علیا اعتصم بیت فاطمة فعلموا انہ مفرد وترکوہ۔

حضرت علیؓ نے حضرت سیدہ کے گھر میں پناہ لے لی۔ صحابہ کو معلوم ہوا کہ وہ تنہا ہیں تو انھوں نے آپ کو اپنے

Marfat.com

(صفحہ ۲۶، ج ۲)　　حال پر چھوڑ دیا۔

فروع کافی میں صرف اتنا ہے۔

جاء وابا میرالمومنین مکرھا	امیرالمومنین کو جبراً پکڑ کرلے آئے تو
فبایع۔ (کتاب الروضہ ص۸۵ ج ۲)	آپ نے حضرت صدیق کی بیعت کرلی۔

بہرحال علامہ میثم اور علامہ کلینی کی تصریحات سے یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ آپ نے صدیق اکبرؓ کی بیعت فرمائی۔ ان کا یہ اضافہ کہ حالت مجبوری میں آپ نے بیعت کی۔ کم از کم ہر اس شخص کے لیے ناقابلِ تسلیم ہے جو حضرت اسداللہ الغالب کی جرأت، بسالت اور آئینِ جوانمردی کی حقیقت کو سمجھتا بھی ہے۔ اور صدقِ دل سے اسے تسلیم بھی کرتا ہے، ان خود ساختہ روایات کے لیے یہ واقعہ کافی ہے کہ جب تمام لوگ حضرت صدیق اکبر کی بیعت پر متفق ہوگئے تو ابوسفیان بن حرب کو یارائے صبر نہ رہا اور اس نے حضرت علی اور حضرت عباس کو طعن و تشنیع سے بھڑکانا چاہا۔ کہنے لگا:

فیم ابوبکر من امرکم	یعنی ابوبکر کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ تمھارا
این المستضعفان، این	سربراہ اور امیر بنے۔ وہ دونوں کمزور
الاذلان یعنی علیا و	کہاں ہیں، وہ دونوں ذلیل کہاں ہیں۔
العباس۔ مابال ھذا	(یعنی علی اور عباس) کیا وجہ ہے قریش
الامر فی اقل حی من	میں جو سب سے چھوٹا قبیلہ ہے اس
قریش ط	کا ایک فرد تمھارا حاکم بن جائے۔

پھر وہ حضرت علی کے مکان پر آیا اور آکر کہنے لگا کہ ہاتھ آگے بڑھائیے میں

Marfat.com

آپ کی بیعت کرتا ہوں۔

واللہ ان شئت لاملانھا	بخدا اگر آپ حکم دیں تو میں ابوبکر سے
علی ابی فصیل یعنی ابا	مقابلہ کرنے کے لیے اس میدان کو
بکر خیلا و رجلا۔	شہسواروں اور پا پیادہ سپاہیوں سے
	بھر دوں۔

سیدنا علی نے اس کی یہ باتیں سن کر اسے جھڑکتے ہوئے کہا:

یا ابا سفیان ہرگز تو بے غرض	اے ابوسفیان تو بغیر غرض کے حرکت
جنبش نہ کنی، و جز بر ضرر اسلام	نہیں کرتا۔ تیرا مقصد صرف اسلام کو
کوشش نہ فرمائی۔ من ہرگز بکلمات	ضرر پہنچانا۔ میں تیری باتوں سے ہرگز
تو مغرور نشوم و ہرگز فریب	مغرور نہیں ہوں گا، اور تو مجھے اپنے
تو در من نگیرد۔	دام فریب میں پھنسا نہیں سکتا۔

آپ کا ابوسفیان کی اس پیش کش کو مسترد کر دینا اور اس کی اس حرکت کو اسلام دشمنی پر محمول کرنا، اس امر کا کھلا ثبوت ہے کہ آپ نے صدقِ دل سے حضرت ابوبکر صدیق کی بیعت فرمائی تھی۔

سید امیر علی جو مشہور قانون دان، مسلّمہ مؤرخ اور بنگال ہائی کورٹ کے سب سے پہلے مسلمان جج تھے، اپنی شہرۂ آفاق کتاب میں رقم طراز ہیں:

ترجمہ:

حضرت علی المرتضیٰ نے اپنی

اولوالعزمی، اور دین سے بے پناہ

Marfat.com

وابستگی اور اپنے آقا کے ماننے
والوں کو ہر قسم کے انتشار سے بچانے
کے لیے آپ نے فوراً حضرت
ابوبکر صدیق کی بیعت کرلی۔ آپ
کو تین بار نظر انداز کیا گیا، اور آپ
نے ہر بار کسی اعراض کے بغیر رائے
دہندگان کے انتخاب کو صدقِ
دل سے قبول کرلیا۔ آپ نے
اپنے کو کبھی بھی خلافت کے لیے
امیدوار کی حیثیت سے پیش
نہیں کیا۔ آپ کے احباب
کے جذبات کچھ بھی ہوں، آپ
نے اسلامی مملکت کے کاروبار
حکمرانی کو چلانے میں پہلے دو
خلیفوں کی ہر طرح امداد بھی کی
اور انھیں بہترین مشوروں سے
بھی نوازا۔ خلفاء نے بھی ہمیشہ
آپ کے مشورے کو عزت اور
قدر کی نگاہ سے دیکھا اور احادیث

Marfat.com

نبوی کی جو تشریح آپ نے کی،
اس کو تسلیم کیا۔

سپرٹ آف اسلام ص ۲۹۳

مصنفہ سید امیر علی

قارئین کرام کو یہ علم تو ہو گا کہ سید موصوف شیعہ فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی اس وضاحت کے بعد ہر قسم کے شکوک و شبہات کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اور ان روایات کی لغویت آشکارہ ہو جاتی ہے، جن میں رحمت عالم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی عظمت کو داغدار کرنے کے لیے دانستہ یا نادانستہ ناپاک کوششیں کی گئی ہیں۔

کتب اہل سنت میں جو روایات ثقہ اسناد سے مروی ہیں۔ میں اس مقالہ کا اختتام ان کے ذکر پر کرتا ہوں۔ ان کو پڑھ کر دل بے ساختہ تسلیم کرتا ہے کہ یہی حق ہے اور یہی بات سیدنا علی مرتضیٰ کی شان رفیع کے شایاں ہے۔

عن حبیب بن ابی ثابت	یعنی حبیب بن ابی ثابت سے مروی
قال کان علی فی بیتہ	ہے کہ علی مرتضیٰ اپنے گھر میں تشریف

Marfat.com

اذ اتی وقیل لہ قد	فرماتھے۔ ایک آدمی آیا۔ اس نے عرض
جلس ابو بکر للبیعۃ	کی کہ حضرت ابوبکر بیعت لینے کے
فخرج فی قمیص ما	لیے مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ اس
علیہ ازار ولا رداء	وقت آپ نے صرف لمبی قمیض
عجلا کراھیۃ ان یبطئ	زیب تن فرمائی ہوئی تھی۔ جلدی اٹھ
عنھا فی بیعتہ ثم	کھڑے ہوئے مبادا بیعت کرنے میں
جلس الیہ و بعث	تاخیر ہو جائے۔ آکر بیعت کی اور وہیں
الی ثوبہ فاتاہ فتجللہ	بیٹھ گئے، کسی آدمی کو کپڑے لانے
ولزم مجلسہ۔	کے لیے بھیجا، وہ گھر سے کپڑے لے
طبری ص۲۰۱ ج۳	آیا۔ آپ نے انھیں پہن لیا اور اسی
	مجلس میں تشریف فرما ہوگئے۔

اس سے بھی واضح وہ روایت ہے جو حافظ ابوبکر البیہقی نے اپنے جلیل القدر اساتذہ حدیث کے واسطہ سے حضرت ابوسعید الخدری سے روایت کی ہے۔

وصعد ابوبکر المنبر	حضرت ابوبکر منبر پر تشریف فرما ہوئے
ونظر فی وجوہ القوم	حاضرین میں اکابر قوم کا جائزہ لیا۔
ولم یر الزبیر، قال	حضرت زبیر نظر نہ آئے، انھیں بلانے
دعا بالزبیر فجاء قال،	کے لیے آدمی بھیجا، جب وہ آئے تو
قلت، ابن عمۃ رسول	فرمایا: اے اللہ کے رسول کی پھوپھی
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	کے فرزند اور اے اللہ کے رسول کے

Marfat.com

وحواریه، اردت ان تشق عصا المسلمین فقال لا تثریب یا خلیفة رسول الله صلی الله علیه وسلم وقام فبایعه، ثم نظر فی وجوه القوم ولم یر علیا فدعا بعلی بن ابی طالب فجاء فقال قلت ابن عم رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وختنه علی ابنته اردت ان تشق عصا المسلمین قال لا تثریب یا خلیفة رسول الله وبایعه.

(البدایہ والنہایہ ص ۲۴۹، ج ۵)

حواری! کیا تم مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا چاہتے ہو۔ آپ نے عرض کی اے خلیفۂ رسول اللہ! ناراض نہ ہوں۔ آپ اٹھے اور بیعت کرلی۔ حاضرین پر دوبارہ نظر دوڑائی۔ سیدنا علی دکھائی نہ دیئے۔ آپ کی خدمت میں بلانے کے لیے آدمی بھیجا آپ فوراً تشریف لائے ابوبکر صدیق نے فرمایا: اے اللہ کے رسول کے چچا کے فرزند! اور اے حضور کے پیارے داماد! کیا آپ مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے بھی جواب میں کہا کہ اے اللہ تعالے کے رسول کے خلیفہ! اس تاخیر پر آپ ناراض نہ ہوں۔ اُٹھے اور آپ نے بھی بیعت کرلی۔

علامہ ابن کثیر نے اس مفہوم کی کئی روایات بھی یہاں نقل کی ہیں۔ پھر لکھتے ہیں:

وهذا حق فان علی بن ابی

یہی حق ہے کیونکہ سیدنا علی مرتضیٰ

Marfat.com

طالب لم یفارق الصدیق	ایک لمحہ کے لیے بھی صدیق اکبرؓ سے
فی وقت من الاوقات	کسی وقت جدا نہیں ہوئے۔ ساری
ولم ینقطع فی صلوٰۃ	نمازیں آپ کی اقتدا میں ادا کرتے
من الصلوٰت خلفہ و	رہے۔ اور جب مرتدین کے ساتھ
خرج معہ الی ذی	جنگ کرنے کے لیے حضرت صدیق
القصہ لما خرج	اکبر اپنی تلوار لہراتے ہوئے نکلے تو
الصدیق شاھراً سیفہ	علی مرتضٰی آپ کے ساتھ تھے۔ اور
یرید قتال اھل الردۃ۔	ذی القصہ کے مقام تک ساتھ رہے۔

اللہ تعالےٰ ہمیں صراطِ مستقیم پر ثابت قدمی سے چلنے کی توفیق عطا فرماتے اور شیطان کی وسوسہ اندازیوں اور ھوا و ہوس کی چیرہ دستیوں سے اپنی حفاظت میں رکھے۔

آمین ثم آمین

بجاہ حبیبہ محمد النبی الامین

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

Marfat.com

Marfat.com

فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اور

اہلِ بیت

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالٰے کے محبوب، رحمت و محبّت کے رسول، اخوّت و مروّت کے داعی صلی اللہ تعالٰے علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت سے جزیرۂ عرب کا آتش کدہ گلزارِ خلیل بن گیا۔ جہاں حسد و نفرت کے انگارے دہک رہے تھے وہاں الفت و ایثار کے پھول کھل اٹھے، جہاں فتنہ و فساد کی آندھیاں چل رہی تھیں وہاں انس و پیار کی بادِ نسیم اٹکھیلیاں کرنے لگی، خود بینی و خود پرستی کی جگہ ایثار و خلوص کا سکّہ رواں ہوگیا، جہاں قدم قدم پر فسق و فجور کے عفریت زاد ڈھیر لگے تھے وہاں عفت و پاکبازی کے چمن آباد ہو گئے، جہاں خدا فراموشی کی ظلمتیں چھا رہی تھیں وہاں ذکرِ الٰہی کی قندیلیں فروزاں ہوگئیں۔

یہ انقلاب، بابرکت انقلاب، ہمہ گیر انقلاب، کیوں اور کیسے رونپذیر ہوا، اس لیے کہ اس انقلاب کا داعی، حسن و جمال کا مرقع زیبا تھا۔ وہ انسانیت کے مقامِ رفیع سے کماحقہٗ آگاہ تھا۔ انسانوں کے فکر و عمل میں جو المناک بگاڑ رونما ہوا تھا اس سے اسے از حد دُکھ اور رنج تھا۔ ان خرابیوں کو دیکھ کر اس کے دل میں حقارت یا انتقام کے جذبات نہیں بلکہ

Marfat.com

ہمدردی اور خیر اندیشی کے تعمیری جذبات اُمڈ آئے تھے۔

اپنے حسن دلنواز سے، اپنے کمالات روح پرور سے، اپنی خوئے عفو و کرم سے، اپنی سیرت طیبہ کی تابانیوں سے اس نے اپنے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے والوں کے دلوں کو ہر قسم کے رذائل سے پاک کر دیا اور انھیں محبت کے بادۂ گلفام سے سرشار کر دیا۔ یہ محبت وہ نہ تھی جس کی علامت آہ سرد و رنگ زرد بتائی گئی ہے، یہ وہ محبت تھی جس میں خلوص و ایثار کی چمک تھی۔ جس کے حوصلے خیبر شکن، جس کی ہمت باطل افگن اور جس کے عزم کی تپش سے فولاد بھی پگھل جاتا تھا، اسی محبت نے ان کو بھائی بھائی بنا دیا تھا، اسی محبت نے ان کے دلوں میں ہمدردی کا وہ لطیف اور توانا جذبہ پیدا کر دیا تھا کہ اگر ایک کے پاؤں میں کانٹا چبھتا تھا تو دوسرے کی آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں۔ اگر ایک کو کوئی گزند پہنچتی تو دوسرا تڑپ اٹھتا تھا، اسی الفت و موانست کی کیفیت کو قرآنِ حکیم نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا۔ (پس اللہ تعالیٰ نے تمھارے دلوں کو جوڑ دیا اور اس کی مہربانی سے تم بھائی بھائی بن گئے۔)

محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وآلہٖ وسلم کے درویشوں کے پاس یہی ساز و سامان تھا۔

ان کے دامن میں ایک ایسی دولت تھی جس کی ہر ملک کے انسانی معاشرہ کو ضرورت تھی اور یہ قدسی صفت انسان جہاں گئے بڑی دریا دلی سے اس دولت کو لٹاتے گئے۔

ان کی اس محبت کا مرکز ذاتِ حبیبِ کبریا علیہ اطیب التحیۃ و اجمل الثنا تھی۔ یہ اس کے حسن و کمال کے دیوانے تھے، انھیں ان گلیوں سے پیار تھا جو ان کے محبوب کے

Marfat.com

خرامِ ناز سے مشرف تھیں۔ انھیں ان در و دیوار سے عقیدت تھی جہاں ان کا دلربا اقامت گزیں تھا، وہ پانی جو اس کے جسم اطہر کو چھو جاتا تھا فرطِ شوق سے وہ اسے اپنے چہروں پر اور اپنے سینوں پر مل لیا کرتے تھے۔ اسی کے باعث ان کے چہرے رشکِ آفتاب اور ان کے سینے مطلعِ انوار تھے۔

آج کے اس پُر آشوب اور پُر خطر دور میں، جب کہ ہم ٹوٹی ہوئی تسبیح کے دانوں کی طرح بکھر کر رہ گئے ہیں۔ وقت کا اہم تقاضا ہے کہ اسی درسِ محبت کی تلقین کی جائے، دل کے آئینہ پر بیگانگی اور نفرت کا جو غبار جم گیا ہے اسے صاف کیا جائے، ایک دوسرے کی پگڑی اچھالنے میں ہم نے کمال کر دکھایا، ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے، اب تو باز آجائیں، وہ امڈتے ہوئے طوفان اگر ہمیں ان کی گھن گرج بھی سنائی نہیں دے رہی جو ہمیں بہالے جانے کے لیے بجلی کی سی سرعت اور رعد کی سی تندی سے بڑھتے آرہے ہیں، کیا ہم بینائی اور سماعت دونوں سے تو محروم نہیں ہو گئے؟

یہ تندی، یہ تلخی، یہ بدگمانی اور غلط فہمی اسلام کے بدخواہوں اور ہمارے دشمنوں کی تلبیس و تزویر کا نتیجہ ہے۔ ہم اسلامی تاریخ کا مطالعہ بھی انہی کی فراہم کردہ عینک سے کرتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ نورانی عہد بھی گدلایا ہوا نظر آتا ہے۔ جب آفتابِ محمدی کا جلوہ بار تھا۔ اس کے نور سے بلندیاں اور پستیاں جگمگا اٹھی تھیں۔ جب چہرے بھی روشن تھے اور نورِ حق سے دل بھی منور۔ جو لوگ اس زہر آلود پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر حیاتِ انسانی کے اس تابناک روزِ سعید کو دیکھتے ہیں انھیں مطلع غبار آلود ہی نظر آتا ہے اور ہادئ برحق صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے آغوشِ تربیت میں پروان چڑھنے والے قدسی صفات لوگوں کا کردار بھی گھناؤنا دکھائی دینے لگتا ہے۔ (نعوذ باللہ) ہمیں یہ باور کرایا جاتا ہے کہ اغیار کے ساتھ نیکی اور مروت تو

Marfat.com

بڑی دور کی بات ہے اور ان کا برتاؤ تو اپنوں کے ساتھ بلکہ اپنے نبی کے خاندان کے ساتھ بھی غیر منصفانہ ہی نہیں سنگدلانہ تھا۔

تعجب ہے کہ ہم قرآن کریم کو علیم و خبیر خدا کا کلام یقین کرتے ہیں اور اس پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور اس قرآن میں ہم بار بار پڑھتے ہیں کہ اللہ تعالے جو ظاہر و باطن کو حال و مستقبل کو جاننے والا ہے وہ فرماتا ہے کہ میرے محبوب کی یہ امت خیر الامم ہے۔ مہاجرین و انصار کے لیے اجر عظیم اور فردوس بریں کی نوید جانفزا ہے، ان کے سروں پر لقد رضی اللہ عن المومنین کا تاج زرنگار سجایا جا رہا ہے، لیکن ہماری سادگی کا یہ عالم ہے کہ اپنے دشمنوں، انہی دشمنوں جن کی صلیب کو ہلال نے سرنگوں کر دیا تھا، جن کے آتش کدوں کو اسلام کے ابر رحمت نے ٹھنڈا کر دیا تھا، کے پروپیگنڈے کو درست ماننے لگتے ہیں یہاں تک کہ سارے ارشاداتِ ربانی اور آیات قرآنی اور ارشادات ربانی بھی ہمارے ذہن سے محو ہو جاتے ہیں۔ اگر ہمارے دشمن کا پروپیگنڈا حق اور سچ ہے تو پھر کلامِ الٰہی کی صدہا آیات غلط اور جھوٹی ہو جائیں گی۔ العیاذ باللہ۔

اور لطف یہ ہے کہ جس نے اسلام کی جتنی زیادہ خدمت کی اعتراضات کی بوچھاڑ زیادہ اسی پر ہوئی۔ اسلام کی سطوت کا پرچم جس نے زیادہ اونچا لہرایا اُسی کو اس معاندانہ افترابازی کا زیادہ ہدف بننا پڑا۔ خلفائے راشدین نے اپنے اپنے مبارک زمانہ میں اسلام کی جو خدماتِ جلیلہ انجام دیں ان کی نظیر نہیں ملتی، لیکن ستم یہ کہ وہی سب سے زیادہ موردِ الزام ٹھہرے اور انہی پر من گھڑت جھوٹے الزامات تراشے گئے!

اس طریقہ کار سے دشمن دو فائدے حاصل کرنا چاہتا تھا ایک یہ کہ خود مسلمانوں میں اختلاف و انتشار کا دروازہ کھل جائے اور وہ چھوٹے چھوٹے متحارب گروہوں میں بٹ

Marfat.com

کرکمزور ہو جائیں دوسرا یہ کہ دنیا بھر کے پیاسے اپنی تشنہ لبی کا علاج کرنے کے لیے غول در غول اس چشمۂ شیریں کی طرف اُمڈے چلے جا رہے تھے وہ رک جائیں جب انھیں یہ سنایا جائے گا کہ اس نبی کے اولین شاگردوں کا یہ حال ہے تو وہ اس سے دور رہنے میں ہی اپنی عافیت خیال کریں گے۔

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اولین شاگردوں اولین مرید اور اوّلین فیض یافتہ صحابہ کرام آپس میں کس طرح شیر و شکر تھے، ان کی محبّت و مودت کے رشتے کتنے مضبوط تھے۔ یہ موضوع بڑا شیریں، سرور انگیز اور روح افزا ہے۔

اس صحبت میں مَیں فقط "فاروقِ اعظم اور اہلِ بیت" کے موضوع پر اظہارِ خیال کروں گا۔ اس ضمن میں مَیں یہ عرض کروں گا کہ حضور نبیٔ مکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلیفہ ثانی، تمام اہلِ ایمان کے امیر، فاتح ایران و روم، بانیٔ مساجد و معابد حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ وارضاہ عنا جن کے نام کی ہیبت سے سارا کفر لرزہ براندام تھا، جن کے سایہ سے ابلیس ترساں و لرزاں تھا۔ ایسی جلیل المرتبت ہستی کے دل میں اپنے ہادیٔ برحق، مرشدِ کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم کے خانوادۂ طاہرہ کی عظمت و محبت کا کیا عالم تھا۔ دوسری طرف ائمۂ اہلِ بیت اسلام کے اس فرزندِ جلیل کو کس احترام و تعظیم کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔

میں اس مضمون کو تین حصوں میں تقسیم کروں گا:

(۱) عہدِ رسالت میں حضرت فاروقِ اعظمؓ اور اہلِ بیت کے تعلقات کی نوعیت کیا تھی۔

(۲) اپنے عہدِ خلافت میں ان کی تعظیم و توقیر کس طرح کیا کرتے تھے۔ ان حضرات کا رویّہ آپ کے ساتھ کیسا تھا۔

Marfat.com

(۳) فاروقِ اعظم کی شہادت کے بعد ائمۂ اہلِ بیت آپ کے بارے میں کن خیالات کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔

عہدِ رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ سلم،

اگر آپ یہ اندازہ لگانا چاہیں کہ کسی کے دل میں آپ کے لیے محبت، احترام اور خیرسگالی کے جذبات کی نوعیت کیا ہے تو اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ آپ یہ ملاحظہ کریں کہ وہ آپ کی عزت، آپ کی ناموری اور برتری کا کہاں تک خواہاں ہے؟ اور اس کے لیے کہاں تک سچے دل سے کوشاں ہے۔ یہی وہ معیار ہے جس سے کسی کے دل میں اپنی قدر و منزلت اور خلوص و محبت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

عہدِ رسالت میں بے شمار ایسے واقعات رونذیر ہوئے جن سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ حضرت سیدنا فاروق اعظمؓ کے دل میں حضرت سیدنا علیؓ کی بے پناہ محبت تھی اور آپ ان کو انتہائی عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ آپ کی عزت و برتری کے صدقِ دل سے خواہاں تھے اور اس کے لیے پورے خلوص سے کوشاں رہتے تھے، لیکن میں یہاں اس عہد کے صرف چند واقعات ذکر کرنے پر اکتفا کروں گا جن کے مطالعہ سے ہر منصف مزاج صحیح فیصلہ پر پہنچ سکے گا۔

حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیاں تھیں، چاروں سراپا نور اور پیکرِ یمن و سعادت تھیں۔ حضور کو سب سے قلبی انس اور دلی محبت تھی لیکن ان سب میں خاتون جنت، بتول زہرا، سیدۃ النسا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جو مقام تھا وہ بے مثل اور بے نظیر تھا۔ راز دانِ عالمِ کن فکان علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آپ سے حد درجہ کی الفت و محبت

Marfat.com

تھی۔ ان کے سیمائے سعادت پر جو انوار و تجلیات برستے تھے، ان کی شان ہی نرالی تھی علم لدنی اور معرفتِ الٰہی کے جو چشمے آپ کی ذاتِ اطہر سے نکل کر ایک دنیا کو سیراب کرنے والے تھے، ان کی بدولت نگاہِ مصطفوی میں آپ کا خاص مقام تھا۔ جب بھی کاشانۂ نبوت میں شرف نیاز حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوتیں تو اللہ تعالٰے کے محبوب صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم مسکراتے ہوئے انھیں خوش آمدید کہتے اور فرطِ مسرت سے اٹھ کر ان کا استقبال کرتے۔

حضور کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے کسی قسم کی نسبت بھی باعثِ سعادت دارین ہے پھر جس کو حضور کی اس لختِ جگر اور نورِ نظر کا رشتہ مل جائے اس کی عظمتِ شان اور رفعت مرتبت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے اور اس سعادت کے حصول کے لیے کئی حضرات نے درخواست کی لیکن جواب ملا کہ یہ رشتہ حسبِ وحیٔ الٰہی طے پائے گا۔

ایک روز حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت فاروقِ اعظم اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم اکٹھے بیٹھے تھے۔ حضرت صدیق نے دونوں حضرات سے کہا کہ چلو، حضرت علیؓ مرتضٰی کے پاس چلیں اور انھیں کہیں کہ وہ حضور سے یہ رشتہ طلب کریں اگر غربت اور افلاس کے باعث وہ یہ رشتہ طلب کرنے سے ہچکچا رہے ہوں تو ہمارے مال ان کے لیے حاضر ہیں۔ ہم ہر طرح ان کی مالی اعانت کریں گے۔ صاحب کشف الغمہ کے الفاظ یہ ہیں: فان منعه قلة ذات اليد واسيناه واسعفناه۔

حضرت سعد نے کہا، اے ابوبکر! اللہ تعالٰے آپ کو ہمیشہ بہتر کاموں کی توفیق بخشتا ہے اٹھو اللہ تعالٰے کی برکت و یمن پر توکل کرتے ہوئے علیؓ کے پاس چلیں۔

حضرت سلمان فارسی فرماتے ہیں کہ تینوں حضرات آپ کی تلاش میں مسجد سے نکلے گھر سے دریافت کیا آپ وہاں پر موجود نہ تھے۔ آپ اپنے اونٹ کے ذریعے پانی نکال کر

Marfat.com

ایک انصاری کا باغ سیراب کرنے گئے ہوئے تھے بسب اس باغ کی طرف روانہ ہوگئے۔ جب حضرت علیؓ نے ان حضرات کو آتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کیسے تشریف آوری ہوئی ؟ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ؛ خیر و خوبی کی کوئی ایسی خصلت نہیں جس میں آپ کو سبقت اور فضیلت حاصل نہ ہو حضورؐ کے ساتھ رشتہ میں صحبت میں اور قبول اسلام میں جو آپ کا مقام ہے وہ بھی کسی پر مخفی نہیں۔ سرداران قریش نے حضورؐ سے حضرت فاطمہ کا رشتہ طلب کیا ہے لیکن کامیاب نہیں ہوئے، آپ اس سعادت کے حصول کے لیے کیوں عرض نہیں کرتے۔ مجھے قوی امید ہے کہ اللہ تعالےٰ اور اس کا رسولِ کریمؐ اس رشتہ کو آپ کے لیے روکے ہوئے ہیں۔

یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے۔ فرمایا؛ اے ابوبکر! آپ نے میرے پرسکون جذبات میں ہیجان پیدا کر دیا اور ایک خوابیدہ تمنّا کو بیدار کر دیا۔ میں تہِ دل سے اس سعادت کے حصول کا متمنی ہوں، لیکن مفلسی اور تنگ دستی کے باعث اس خواہش کے اظہار کی جرأت نہیں کر سکتا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا :

لَا تَقُلْ هٰذَا يَا اَبَا الْحَسَنِ فَاِنَّ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا عِنْدَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ كَهَبَاءٍ مَّنْثُوْرٍ۔

اے ابوالحسن! ایسامت کہو، اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولِ مکرم کے نزدیک دنیا و مافیہا کی قدر و منزلت ایک ذرہ کے برابر بھی نہیں۔

چنانچہ ان حضرات کے مشورے اور حوصلہ افزائی سے سیدنا علی بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے۔ ان کی عرضداشت شرفِ قبولیت سے مشرف ہوئی۔ آپ فرمانے ہیں ؛ میری خوشی کی

کوئی انتہا نہ رہی۔ میں جلدی سے باہر آیا تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو منتظر پایا انھوں نے پوچھا، کیا ہوا؟ میں نے جب یہ خوشخبری انھیں سنائی تو ان کو بے انداز فرحت اور مسرت نصیب ہوئی اور ہم اکھٹے مسجد میں گئے۔

فَفَرِحَا بِذٰلِكَ فَرَحًا شَدِيْدًا و رجعَا مَعِيَ اِلَى الْمَسْجِدِ

میں نے یہ واقعہ کشف الغمہ جلد اوّل صفحہ ۴۷۸، ۴۸۳، ۴۸۴ سے نقل کیا ہے اور مصنف کی عبارت کے لفظی ترجمہ پر اکتفا کیا ہے۔

بعینہٖ انہی الفاظ کے ساتھ یہ واقعہ ناسخ التواریخ جلد سوم جز اول کے صفحات ۳۷، ۳۸، ۴۶ پر مرقوم ہے۔

اس واقعہ کو پڑھنے کے بعد آپ کے دل میں اس کے سوا اور کیا تاثر پیدا ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر، اسی طرح فاروق اعظمؓ کی یہ قلبی آرزو تھی کہ یہ سعادت حضرت سیدنا علی کو نصیب ہو، اس کے لیے ان حضرات نے ہی آپ کو مشورہ دیا، آپ کی حوصلہ افزائی کی۔ اور مالی اعانت کی پیش کش کی اور جب یہ سعادت آپ کو حاصل ہوئی تو اپنی انتہائی خوشی اور بے پایاں روحانی فرحت اور شدید مسرت کا اظہار کیا، کیا ایسی سعادت کے حصول کا مشورہ اپنے دشمن اور بدخواہ کو دیا جاتا ہے یا اُسے جو جان سے بھی عزیز تر ہو، ایسی لازوال سعادت کے حصول پر دوستوں کو خوشی ہوتی ہے یا دشمنوں اور بدخواہوں کو، آپ خود ہی فیصلہ فرما دیں!

ایک اور واقعہ سماعت فرمایئے:

غزوۂ خندق کے موقع پر عرب کا بہادر شہسوار اور نامور جنگجو عمر بن عَبدِ وُدّ دعوتِ مبارزت دے رہا ہے، سیدنا علی مرتضیٰ اس کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے میدان میں اترتے ہیں۔ دونوں بہادر تھے، دونوں کی جنگی مہارت ضرب المثل تھی۔ جب آمنے سامنے ہوئے

Marfat.com

تو عمرو بن عبدودّ نے کہا میں تیرے جیسے کریم النفس کو قتل کرنا پسند نہیں کرتا نیز تیرا باپ میرا جگری دوست تھا۔ شیرِ خدا نے جواب دیا، لیکن میں تجھے قتل کرنا پسند کرتا ہوں۔ وہ اپنے گھوڑے سے اتر آیا۔ دونوں بہادر ایک دوسرے پر حملہ کرتے رہے۔ اتنی گرد اڑی کہ دونوں نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ اچانک شمشیر اسد اللّٰہی بجلی کی سرعت سے چمکی اور اس پر گری، اس کے خود، اس کے زرہ کو کاٹتی ہوئی، اس کے جسم میں پیوست ہو گئی۔ وہ لڑکھڑایا اور دھڑام سے زمین پر آ گرا۔ آپ نے اس کا سر کاٹا اور حضور کے قدموں پر لا کر ڈال دیا۔ لشکرِ اسلام نے شیرِ خدا کی اس کامیابی پر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اس کامیابی پر حضرت صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ کو کمال مسرت ہوئی، فرطِ مسرت سے دونوں اٹھے اور حضرت علیؓ کے سرِ مبارک کو آکر چوم لیا۔

فقام ابوبکر و عمر فقبلا راس علیہ علیؓ۔

(کشف الغمہ جلد اول صـ ۲۴۳)

اظہارِ مسرت میں یہ وارفتگی دوست کے لیے ہوتی ہے یا اس کے لیے جس کے لیے دل میں کدورت اور حسد و عناد کے جذبات پرورش پا رہے ہوں؟

اگر آپ عہدِ رسالت کی تاریخ کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو صدہا ایسے واقعات ملیں گے جن سے ان حضرات کی باہمی محبت، خلوص، ایثار اور خیر اندیشی کے تابندہ جذبات کا علم ہو گا۔

عہدِ فاروقی

آئیے! اب اس عہدِ ہمایوں کی طرف چلیں، جب اسلامی عظمت کا آفتاب نصف النہار پر چمک رہا تھا جب ممالکِ اسلامیہ میں داخلی طور پر مکمل امن و سکون تھا اور ہر صبح مختلف جنگی محاذوں سے نئی فتح و کامرانی کا مژدہ لے کر طلوع ہوتی تھی جب اسلام کا جامع نظامِ حیات

Marfat.com

پوری آب و تاب سے نافذ تھا اور اپنے فیوض و برکات سے اسلامی قلمرو کے ہر ہر گوشہ کو سیراب کر رہا تھا۔ یعنی جب امتِ مسلمہ کی زمامِ قیادت امیر المومنین حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دستِ مبارک میں تھی۔ آئیے! دیکھیں اپنی شہرت و عروج کے اس درویش صفت امیر المومنین کے دل میں خانوادۂ نبوت کی کتنی قدر و منزلت تھی، آپ کس طرح ان حضرات کا احترام اور عزت کیا کرتے تھے، کس طرح خلوص و شوق سے ان کی ہر طرح کی خدمت بجا لایا کرتے تھے۔ اس کے پہلو بہ پہلو یہ بھی ملاحظہ کریں کہ ان ایام میں اہلِ بیت کرام کے آپ سے تعلقات کی نوعیت کیا تھی۔ ان واقعات کا سلسلہ اتنا طویل ہے کہ اس مختصر مقالہ میں اس کا ذکر ممکن نہیں۔ چیدہ چیدہ واقعات کی نشاندہی پر قناعت کرنا ہو گی۔ ان کے مطالعہ سے ہی بفضلہ تعالٰی حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی۔

حضرت سیدنا علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ، حضرت فاروقِ اعظم کی مجلس شوریٰ کے رکن رکین تھے، جب بھی کوئی سیاسی، جنگی یا فقہی پیچیدہ مسئلہ پیش آتا آپ فوراً مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب کرتے، ساری صورتِ حال اس مجلس کے سامنے رکھ دی جاتی، ہر شخص اپنی صوابدید کے مطابق بڑی آزادی سے اپنی رائے کا اظہار کرتا۔ حضرت فاروق اعظم اسی فیصلہ کے مطابق عمل کرتے جو باہمی بحث و تمحیص سے طے پاتا۔ ان تمام مجالس میں سیدنا علی مرتضٰی بھی شرکت فرماتے۔ بڑے خلوص اور شوق سے بحث میں حصہ لیتے اور اپنی رائے کا اظہار فرماتے۔ حضرت فاروقِ اعظمؓ اکثر آپ کی رائے کو ترجیح دیتے۔

پہلا واقعہ میں ناسخ التواریخ کی تاریخ الخلفاء جلد دوم مطبوعہ تہران سے نقل کر رہا ہوں۔

"پے در پے شکستیں کھانے کے بعد یزدجرد شہنشاہِ ایران نے اپنی عظیم سلطنت کو بچانے کے لیے آخری بار سر دھڑ کی بازی لگانے کا فیصلہ کیا۔ ایران کا تجربہ کار، گرگ باراں دیدہ

Marfat.com

سپہ سالار فیروزاں جس کی جنگی مہارت اور شجاعت کی دھاک سارے ایران میں بیٹھی ہوئی تھی، نہاوند میں مقیم تھا۔ یزد جرد نے اپنی مملکت کے باقی ماندہ تمام صوبوں میں یہ احکام بھیجے کہ عربوں کو ہمیشہ کے لیے کچل کر رکھ دینے کے لیے ہر علاقے کے بہادر جنگجو فیروزان کے پرچم تلے نہاوند میں جمع ہوں۔ حکم سنتے ہی ایران کے دور دراز علاقوں سے ٹڈی دل لشکر ہر قسم کے سازو سامان سے لیس نہاوند پہنچنا شروع ہو گئے۔ ڈیڑھ لاکھ کا لشکرِ جرار جمع ہو گیا۔ اس کے علاوہ جنگی ہاتھیوں کی ایک کثیر تعداد بھی وہاں پہنچ گئی۔ مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے زور شور سے تیاریاں شروع ہو گئیں۔ فیروزان کی امداد کے لیے ایرانی فوج کے دوسرے مشہور سالار سروشتان بن اسفندیار، سفار بن خرزاد، جہانید بن فیروز بھی وہاں پہنچ گئے، انھوں نے قسمیں اٹھائیں کہ جب تک عرب غازیوں کو تہ تیغ نہ کر دیں گے اور ان کے دین کو پامال اور برباد نہ کر دیں گے، اس وقت تک وہ میدانِ جنگ سے منہ نہیں موڑیں گے۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو جب ان کی تیاریوں کی اطلاع ملی تو فوراً مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب کیا۔ سب اراکین تشریف فرما ہوئے، اس نازک صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے گفتگو شروع ہوئی۔ سیّدنا علی مرتضیٰ بھی اس اجلاس میں موجود تھے۔ حضرات طلحہ، زبیر، عثمان اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی اپنی تجاویز پیش کیں۔ بعض نے یہ رائے دی کہ امیر المومنین خود تشریف لے جائیں اور اپنے لشکر کی قیادت کریں۔ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ کی رائے کیا ہے؟ آپ نے جن الفاظ سے اپنی رائے کا اظہار کیا ناسخ التواریخ کے حوالے سے بعینہٖ نقل کر رہا ہوں۔

اِنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ لَمْ یَکُنْ نَصْرُہٗ وَلَا خِذْلَانُہٗ بِکَثْرَۃٍ وَلَا بِقِلَّۃٍ وَھُوَ دِیْنُ اللّٰہِ الَّذِیْ اَظْھَرَہٗ وَجُنْدُہُ الَّذِیْ

Marfat.com

اعدہ وامدہ حتی بلغ ما بلغ وطلع حیث طلع ونحن

علی موعود من اللہ واللہ منجز وعدہ وناصر جندہ

والعرب الیوم وان کانوا قلیلاً فھم کثیرون بالاسلام

وعزیزون بالاجتماع فکن قطبا واستدر الرحیٰ

بالعرب واصلھم دونک نار الحرب الی آخرہ ۔

ترجمہ: اس امر یعنی اسلام کی فتح وشکست کا دارومدار کثرت وقلت پر نہیں بلکہ یہ اللہ تعالےٰ کا دین ہے جس کو اس نے غالب کر دیا ہے ۔ یہ اللہ تعالےٰ کا لشکر ہے جس کو اس نے تیار کیا ہے اور اس کی امداد فرمائی ہے ۔ اسی وجہ سے وہ ترقی و کامیابی کی اس منزل تک پہنچا ہے اور ہمارے ساتھ اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے ، اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا اور اپنے لشکر کی نصرت فرمائے گا ....

اہلِ عرب آج اگرچہ بلحاظ تعداد تھوڑے ہیں لیکن وہ اسلام کی برکت سے بہت زیادہ ہیں اور اپنے اتفاق واتحاد کے باعث یہ طاقتور اور غالب ہیں ۔ (اے امیر المومنین !) آپ قطب بن جائیے اور عربی لشکر کی چکی کو چلائیے ۔ یہیں سے کفار کو جنگ کی آگ میں جھونکتے رہئیے ۔

اس کے بعد آپ نے اپنی اس حکیمانہ رائے کی حکمت بیان فرمائی ۔

اس اندازِ تکلم اور اسلوب بیان میں خلوص ومحبت کا جو نور جگمگا رہا ہے اسے ہر چشم بینا دیکھ رہی ہے ۔

جو لوگ حضرت فاروق اعظم اور سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے تعلقات کو کشیدہ ، مخاصمانہ بلکہ معاندانہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ اس عبارت کے خط کشیدہ

Marfat.com

جملوں کو پھر غور سے پڑھیں. علی مرتضیٰ حضرت فاروق کے دین کو اللہ تعالے کا دین، آپ کے لشکر کو اللہ تعالے کا لشکر کہ رہے ہیں. نیز بڑی وضاحت سے اعلان فرما رہے ہیں کہ یہ وہ لشکر ہے جس کی مدد اور نصرت کا اللہ تعالے نے وعدہ کیا ہوا ہے اور وہ اپنا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا. آپ حضرت فاروق کو قطب فرما رہے ہیں جس کے ارد گرد چکی گھومتی ہے اگر وہ ذرا بھی اپنی جگہ سے سرک جائے گا سارا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔

یہی عبارت نہج البلاغۃ ص۲۸۳ جلد اول مطبوعہ مصر میں موجود ہے۔

(۲) جب ایران کے تقریباً سارے علاقے فتح ہو گئے اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے خراسان پر لشکر کشی کی اجازت طلب کی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ نے اجازت دینے سے انکار کر دیا، کیونکہ مسافت بہت طویل تھی، راستہ میں لق و دق صحرا، گھنے جنگل اور دشوار گزار پہاڑ تھے. آپ مسلمان مجاہدین کو اس تکلیف سے بچانا چاہتے تھے لیکن جب حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے خراسان کی اہمیت بتائی اور اس کو فتح کرنے کا مشورہ دیا تو آپ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے حضرت فاروقؓ نے خراسان پر حملہ کرنے کی اجازت دی۔

(ناسخ التواریخ، تاریخ الخلفا جلد۳ ص۳۵)

(۳) اسی طرح شام و فلسطین میں پے در پے شکستیں کھانے کے بعد رومی سپہ سالاروں نے بھی ایک مقام پر اپنا لشکر جرار جمع کیا تاکہ مسلمانوں سے فیصلہ کن لڑائی لڑیں، اس کی اطلاع جب امیر المومنین کو ملی تو آپ نے اپنی مجلس شوریٰ کا پھر ہنگامی اجلاس طلب کیا. سب اراکین مجلس شریک ہوئے خوب گرما گرم بحث ہوئی. آپ نے خود میدانِ جنگ میں جانے کا عزم کیا تو سیدنا علیؓ نے اس کی تائید نہ کی. چنانچہ آپ نے ان کے مشورہ پر ہی عمل کیا. اس موقع پر بھی حضرت علیؓ کے ایمان افروز ارشادات آپ کی خصوصی توجہ کے

Marfat.com

مستحق ہیں. آپ نے فرمایا:

قد توکل اللہ لاھل ھذا الدین باعزاز الحوزۃ وستر العورۃ والذی نصرھم وقلیل لا ینتصرون ومنعھم وھم قلیل لا یمتنعون حی لا یموت ۔ (نہج البلاغہ ص۲۷۵ جلد اوّل)

ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ نے ملت اسلامیہ کی سرحدوں کی حفاظت اور ان کی کمزوریوں کی پردہ پوشی کا خود ذمہ لیا ہے۔ وہ ذات جس نے اس وقت ان کی نگہبانی کی جب وہ انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے اور ان میں مقابلہ کی سکت نہ تھی اور جس نے اس وقت ان کی نگہبانی کی جب وہ قلیل تھے اور اپنا تحفظ خود کرنے سے قاصر تھے وہ خدا مر نہیں گیا زندہ ہے، وہ اب بھی ان کی مدد فرمائے گا اور ان کی حفاظت کرے گا۔

بہت سے واقعات میں سے صرف چند واقعات کے ذکر پر اکتفا کر رہا ہوں ان کے مطالعہ سے ہی چند امور بالکل واضح ہو گئے ہوں گے کہ حضرت علیؓ مجلس شوریٰ کے رکنِ رکین تھے۔ ہر نازک مرحلہ پر اس کے اجلاسوں میں شرکت فرماتے بڑے خلوص اور جرات سے اپنا مشورہ پیش کرتے۔ حضرت فاروقِ اعظمؓ کے دین کو اللہ تعالیٰ کا دین، آپ کے لشکر کو اللہ تعالیٰ کا لشکر یقین کرتے تھے اور صاف صاف اعلان کرتے تھے، یہ وہ لشکر ہے جس کی نصرت کا وعدہ خداوند ذوالجلال نے کیا ہے اور وہ اپنا وعدہ ضرور پورا فرمائے گا۔ نیز یہ بھی پتہ چل گیا کہ حضرت فاروقِ اعظمؓ آپ کے مشوروں کو قدر و وقعت کی نگاہ سے دیکھتے اور ان پر عمل کرتے۔

Marfat.com

آپ صرف مجلس حربیہ (وار کونسل) کے ممبر ہی نہ تھے بلکہ مجلس قانون ساز میں بھی آپ برابر شریک ہوتے تھے اور حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ آپ کے فقہی اجتہادات اور شرعی آرا کو بھی بڑی اہمیت دیتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ جو مغربی محاذ کے کمانڈر انچیف تھے کو اطلاع ملی کہ عیسائیوں کی دیکھا دیکھی بعض مسلمان بھی شراب کی طرف راغب ہونے لگے ہیں۔ آپ نے امیر المومنین کو صورتِ حال سے آگاہ کیا اور پوچھا کہ ایسے لوگوں کو کیا سزا دینی چاہیئے۔ حضرت فاروقِ اعظم کو بڑی فکر لاحق ہوئی۔ مجلس قانون ساز کے اعضا کو طلب کیا گیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما تھے اور آپ کے مشورہ کے مطابق شرابی کے لیے اسّی درّے کی سزا تجویز ہوئی جس پر تمام صحابہ نے اجماع کیا۔ آپ نے یہ حد مقرر کرنے کی وجہ ان الفاظ میں بیان کی:

ان السکران اذا سکر ھذٰی واذا ھذٰی افترٰی واذا افترٰی فعلیہ ثمانون۔

ترجمہ: یعنی جو نشے میں مدہوش ہوتا ہے وہ جو ہذیان بکتا ہے وہ افترا بازی کرتا ہے اور جو افترا بازی کرے اس کی سزا اسّی درے ہے اس لیے شراب خور کی سزا بھی اسّی درے ہوگی۔

حضرت فاروقِ اعظمؓ نے یہی حکم حضرت ابو عبیدہ کی طرف لکھ بھیجا اور آج تک امت کا اسی پر عمل ہے۔

حضرت سیدنا علی کی اصابت رائے، اظہار رائے میں جرأت نیز بے پایاں خلوص اور محبت کے باعث حضرت فاروقِ اعظمؓ کو آپ پر اس قدر اعتماد اور وثوق تھا کہ مملکتِ اسلامیہ

Marfat.com

کے تمام اہم معاملات میں آپ سے ضرور صلاح مشورہ کیا کرتے. آپ اکثر یہ دعا مانگا کرتے:

اللھم لا تبقنی لمعضلۃ لیس لھا علی رضی اللہ عنہ

الٰہی! مجھے اس وقت زندہ نہ رکھنا کہ جب کوئی مشکل درپیش آئے اور اس کو حل کرنے کے لیے علی مرتضیٰ میرے پاس موجود نہ ہوں۔

یہ ساری باتیں باہمی محبت، باہمی اعتماد اور پیار کی ہیں ان روشن حقائق کو جب انسان دیکھتا ہے تو اللہ تعالٰے کے اس فرمان کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں رہتا، فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا۔

ان واقعات سے کوئی فہم اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے کہ حضرت فاروق اعظمؓ معاملات کو سمجھنے سے قاصر تھے یا مہمات امور کو حل کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے تھے۔ وہ ہستی جن کی پیش کردہ تجاویز (حرمت شراب، امہات المومنین کا پردہ کرنا وغیرہ) کی تائید میں آیات قرآنی کا نزول ہوا جن کی آراء کو فرمانِ خداوندی نے حکم اور قانون کا درجہ دیا۔ خود حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جن سے مشورہ فرمایا کرتے تھے جن کے حسن تدبر اور سیاسی بصیرت کی بدولت اسلامی مملکت فردوس بریں کا نقشہ پیش کرتی تھی۔ ایسی ہستی کے بارے میں ایسی غلط فہمی کا وہی شکار ہو سکتا ہے جو خود عقل و دانش سے بے بہرہ ہو جس کی اپنی چشم خرد کور ہو۔

حکومت سے متعلقہ امور کے علاوہ بھی آپ خاندانِ نبوت کا ہر طرح ادب و احترام کرتے چنانچہ جب بیت المال سے وظائف اور مشاہرات متعین کرنے کا وقت آیا تو بعض لوگوں نے مشورہ دیا کہ کیونکہ آپ امیرالمومنین اور خلیفۃ الرسول ہیں اس لیے ان دفاتر میں آپ کا اور آپ کے اہل خاندان کے نام سرفہرست ہونے چاہئیں۔ آپ نے اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ فرمایا سب سے پہلے قبیلہ بنی ہاشم کے افراد کے نام لکھے جائیں گے، کیونکہ یہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا

Marfat.com

خاندان ذی احتشام ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عم محترم حضرت عباسؓ، ان کے بعد حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے اسماء گرامی لکھے گئے۔ پھر دوسرے ہاشمیوں کے نام درج ہوئے وظائف اور تنخواہوں میں بھی یہی ترتیب ملحوظ رکھی گئی۔ سب سے زیادہ تنخواہیں اصحاب بدر کے لیے مقرر کی گئیں۔ حضرات حسنین کریمین اگرچہ غزوہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے لیکن قرابتِ نبوی کے باعث ان کے وظائف اہل بدر کے برابر رکھے گئے۔

اگرچہ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دل میں خاندانِ نبوت کا حد درجہ احترام نہ ہوتا تو آپ اپنا نام سرفہرست لکھواتے اور حضرات حسنین کے لیے بدریوں کے برابر وظیفہ مقرر نہ کرتے کیونکہ وہ بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ کوئی شخص آپ پر اعتراض بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن آپ کے دل میں اپنے آقا اور مرشدِ کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم اور حضورؐ کے خاندان کی جو محبت تھی، جو جذبۂ نیاز تھا۔ اس کے پیش نظر آپ نے جو کچھ کیا۔ یہ عین صواب تھا۔

ایک اور ایمان پرور اور بصیرت افروز واقعہ سماعت فرمایئے! حضرت فاروقِ اعظمؓ کے دل میں خاندانِ نبوت کی جو قدر و منزلت اور حضرت امام حسینؓ کی جو عزت اور محبت موجود تھی اس کو ثابت کرنے کے لیے اس کے بعد کسی اور دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

آپ کے عہدِ مبارک میں ایران اسلامی قلمرو میں داخل ہوا۔ یزدجرد شہنشاہِ ایران کی شہزادی آپ کے دربار میں پیش کی گئی۔ اگرچہ آپ کے اپنے بچے موجود تھے جو صورت و سیرت میں، اخلاق و محامد میں اپنی مثال آپ تھے، اگر آپ چاہتے تو دخترِ یزدجرد کو کسی اپنے بیٹے کو دے دیتے لیکن آپ کی نگاہ انتخاب صرف سیدنا امام حسین علیہ السلام پر پڑی اور حضرت مائی شہر بانو کا عقد آپ کے ساتھ کر دیا گیا۔ اس واقعہ کو میں اصول کافی کے حوالہ سے ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں:

Marfat.com

عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَمَّا قَدِمَتْ بِنْتُ یَزْدَجَرْد عَلٰی عُمَرَ اَشْرَفَ لَھَا عَذَارَی الْمَدِیْنَۃِ وَاَشْرَقَ الْمَسْجِدُ بِضَوْءِھَا لَمَّا دخلتہ ولما نَظَرَ اِلَیْھَا عُمَرُ غَطَّتْ وَجْھَھَا وَقَالَتْ افیروج باذ ھرمز وَقَالَ عمر اتشتمنی ھذہ وَ ھَمَّ بِھَا وَقَالَ لَہٗ اَمِیْرُ المؤمنین علیہ السلام لیس ذلک خیر لھا رجلا من المسلمین واحسبھا بفیئہ وَخَیِّرْھا وجاءت حتی وضعت یدھا علی رأس الحسین علیہ السلام وقال امیر المومنین ما اسمک فقالت جھانشاہ فقال لھا امیر المومنین بل شھربانویہ ثم قال للحسین یا ابا عبد اللہ لیلدنّ لک منھا خیر اھل الارض فولد علی بن الحسین۔

ترجمہ: حضرت امام باقر فرماتے ہیں کہ جب یزدجرد کی بیٹی حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوئی تو مدینہ طیبہ کی عورتیں اسے دیکھنے کے لیے جھرمٹ کر آئیں۔ مسجد اس کی روشنی سے چمکنے لگی۔ حضرت عمرؓ نے جب اس کی طرف دیکھا تو اس نے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور اپنی زبان میں کچھ کہا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: کیا یہ مجھے بُرا بھلا کہہ رہی ہے اور اس کو مارنے کا ارادہ کیا۔ (یہ اصول کافی کے راوی کے الفاظ ہیں جو حقیقت سے بعید ہیں۔) حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ایسا نہیں آپ اسے اختیار دیجئے کہ مسلمانوں میں کسی آدمی کو چن لے اور پھر اسے مال غنیمت میں سے اس کا حصہ قرار دیجئے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے اسے اجازت دی، اس نے آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر پر رکھ دیا۔ حضرت امیر المومنین نے پوچھا تمھارا نام کیا ہے؟

Marfat.com

اس نے کہا، جہاں شاہ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ شہر بانو۔ پھر آپ نے حضرت امام حسین رضؓ سے کہا، تیرا اس سے ایک بچہ پیدا ہوگا جو تمام اہلِ زمین سے بہتر ہوگا۔ چنانچہ حضرت شہر بانو کے بطن سے حضرت زین العابدین کی ولادت باسعادت ہوئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ تمام حسینی سادات حضرت شہر بانو رضی اللہ تعالٰے عنہا کے بطن سے ہیں مائی صاحبہ کا مشرف باسلام ہونا، خاندانِ نبوت کا فرد بننا اور حسینی سادات کی والدہ ماجدہ بننے کا فخر حاصل کرنا حضرت فاروق اعظم رضؓ کی بے شمار برکات اور ان گنت احسانات میں سے ایک ہے۔ اس کے لیے ساری امت آپ کی ممنون ہے۔ سادات کرام کو اسے فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔

ملّا باقر مجلسی نے جلاء العیون سے اس روایت کو نقل کیا ہے اور اسے قوی کہا ہے اور لکھا ہے کہ آپ کا مہر بیت المال سے ادا کیا گیا۔ (جلاالعیون ص ۷ ۹ ہم مطبوعہ ایران)

حضرت فاروقِ اعظم رضؓ کی شہادت کے بعد

ساڑھے دس سال مسندِ خلافت پر متمکن رہنے کے بعد حضرت فاروقِ اعظم رضؓ نے ایک مجوسی کے ہاتھ سے جامِ شہادت نوش کیا۔ حضرت علی مرتضیٰ کو اس کا شدید صدمہ ہوا۔ آپ کو غسل دے کر کفنایا گیا، اس وقت علی مرتضیٰ تشریف لائے، اس روح فرسا منظر کو دیکھ کر آپ کی زبانِ اقدس سے جو کلمات نکلے انہیں علماء اہلِ سنت نے اپنی کتب میں نقل کیا ہے، لیکن آپ محض طوسی کی تلخیص الشافی میں مذکور روایت ملاحظہ فرمائیے:

عن جعفر بن محمد عن ابیه عن جابر بن عبد الله لما غسل عمر و کفن دخل علی علیه السلام فقال صلی الله علیه

Marfat.com

ما علی الارض احب الی من ان القی اللہ بصحیفۃ ھذا المسجی بین اظھرکم۔ (تلخیص الشافی ص ۴۲۸ مطبوعہ نجف اشرف)

ترجمہ: یعنی حضرت امام جعفر صادق نے اپنے ولد بزرگوار سے اور انھوں نے جابرؓ بن عبداللہ سے روایت کی کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غسل دے کر کفن پہنایا گیا تو علی علیہ السلام تشریف لائے فرمایا: ان پر اللہ تعالےٰ کی رحمت ہو، یہ شخص جو تمھارے سامنے کفن میں لپٹا ہوا ہے مجھے روئے زمین پر اس سے زیادہ کوئی اور چیز محبوب نہیں کہ میں اس جیسا صحیفۂ عمل لے کر اللہ تعالےٰ کی ملاقات کروں۔

حقیقت یہ ہے کہ شانِ فاروقی کو پہچاننے کے لیے نگاہِ مرتضوی کی ضرورت ہوتی ہے ہرکس و ناکس میں یہ صلاحیت نہیں کہ اس مقامِ رفیع کا اندازہ کر سکے۔ جس پر اللہ تعالےٰ نے حضرت فاروقِ اعظمؓ کو سرفراز فرمایا تھا۔

سیدنا علی مرتضیٰ اپنے عہدِ خلافت میں اکثر حضرت فاروقِ اعظم کا ذکرِ خیر فرمایا کرتے اور آپ کی تعریف و توصیف کا حق ادا کر دیتے۔ آپ نے ایک مرتبہ اللہ تعالےٰ کی حمد اور حضور علیہ السلام کی ثنا کے بعد فرمایا:

ثم استخلف الناس ابا بکر ثم استخلف ابوبکر عمر واحسا السیرۃ وعدلا فی الامۃ۔ (ناسخ التواریخ جزو دوم جلد سوم ص ۱۱۶)

ترجمہ: پھر حضور علیہ السلام کی رحلت کے بعد لوگوں نے ابوبکرؓ کو اپنا خلیفہ بنایا پھر حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمر کو خلافت کے لیے تجویز کیا، ان دونوں حضرات کا کردار نہایت عمدہ تھا۔ دونوں نے امت میں عدل و انصاف قائم کیا۔

Marfat.com

اسی جزو کے صفحہ ۲۲۲ پر حضرت امیر المومنین کا ایک مکتوب گرامی ہے جس میں آپ نے ہر اس کو مخاطب فرمایا ہے جو اس خط کو پڑھے اس میں ابتدائی پند ونصائح کے بعد حضور سرور عالم صلی اللہ تعالے علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام عرض کرتے ہیں پھر فرماتے ہیں :

ثم ان المسلمین من بعدہ استخلفوا امیرین منہم صالحین احیا السیرۃ ولم یعدوا السنۃ۔

ترجمہ : حضورؐ کے وصال کے بعد مسلمانوں نے اپنے میں سے دو ایسے امیروں کو اپنا خلیفہ منتخب کیا جو صالح اور نیک کردار تھے، ان دونوں نے سیرتِ نبوی کو زندہ رکھا اور سنتِ مصطفوی سے سرمو تجاوز نہ کیا۔

ایک اور موقع پر آپ فرماتے ہیں :

وتولی عمر الامر فکان مرضی السیرہ میمون النقبیہ۔

ترجمہ : یعنی حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ مسندِ خلافت پر تشریف فرما ہوئے، آپ کا کردار بڑا پسندیدہ تھا اور آپ کا بخت بڑا مبارک تھا۔ (ناسخ التواریخ ص ۳۲۳ جز سوم)

نہج البلاغۃ میں آپ نے بڑی فصاحت اور صراحت سے حضرت فاروقِ اعظمؓ کے مناقب بیان فرمائے ہیں آپ کے عدل وانصاف، تقویٰ اور اتباعِ سنت کی بڑی تعریف کی ہے۔ آپ نے فرمایا :

للہ بلاد فلان فقد قوم الاود وداوی العمد۔ خلف الفتنۃ واقام السنتہ ذھب نقی الثوب قلیل العیب، اصاب خیرھا، وسبق شرّھا رادّیٰ الی اللہ طاعۃ واتقاہ بحقہ۔ (نہج البلاغۃ جلد اول ص ۴۸۵ مطبوعہ مصر)

Marfat.com

ترجمہ: یعنی حضرت عمرؓ کے شہروں کو اللہ تعالےٰ برکت دے، آپ نے کجی کو درست کیا، بیماری کا علاج کیا، فتنہ وفساد کو پسِ پشت ڈالا، سنت نبوی کو قایم کیا۔ وہ یہاں سے پاک دامن رخصت ہوتے، ان کے عیب قلیل تھے، انھوں نے خیر کو پالیا اور شر و فساد سے سبقت لے گئے۔ اللہ تعالےٰ کی اطاعت وتقویٰ کا حق ادا کر دیا۔

عبارت مذکورہ میں "فلاں" کا لفظ مذکور ہے۔ نہج البلاغۃ کے شارحین نے وضاحت کی ہے کہ اس سے مراد حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ۔ چنانچہ علامہ ابن ابی الحدید اپنی شہرۂ آفاق شرح میں لکھتے ہیں:

و فلان المکنی عنہ عمر ابن الخطاب وقد وجدت النسختہ الذی بخط الرضی ابی الحسن جامع نہج البلاغۃ و تحت فلان "عمر"

یعنی فلاں سے مراد عمرؓ بن خطاب ہیں کہتے ہیں میں نے وہ نسخہ دیکھا ہے جو علامہ رضی جامع نہج البلاغۃ نے اپنے ہاتھ سے لکھا اس میں فلاں کے لفظ کے نیچے عمرؓ لکھا ہوا ہے۔

ان کے علاوہ علامہ علی نقی فیض الاسلام نے اپنی شرح نہج البلاغۃ میں اس جگہ لکھا ہے:

"خدا شہر ہائے فلاں (عمرؓ بن الخطاب) را برکت دہد ونگاہ دارد"

ترجمہ: اللہ تعالےٰ فلاں یعنی عمر بن خطاب کے شہروں کو برکت دے اور ان کی نگہبانی فرمائے۔

ایک اور شارح نہج البلاغۃ ملا صالح قزوینی لکھتے ہیں:

"کہ مراد عمرؓ است کہ بعد از او امیر خلافت از انتظام بیفتاد۔

(کہ فلاں سے مراد حضرت عمرؓ ہیں کیونکہ آپ کے بعد خلافت کا نظم و نسق درہم برہم ہوگیا۔)

کمال الدین میثم بحرانی نے بھی اس شرح میں لکھا ہے:

والمنقول ان المراد بفلان عمر۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے عہد خلافت میں حضرت فاروق اعظمؓ کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ اس کے متعلق یہ کہنا کہ آپ نے بطور توریہ یا تقیہ اس طرح کہا ہرگز قرینِ قیاس نہیں اور اگر یہ فرض کرلیا جائے تو بارگاہِ مرتضوی میں اس سے بڑھ کر کوئی گستاخی متصور نہیں ہوسکتی۔

اسی طرح ایک دفعہ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے حضرت امیر معاویہؓ کے خط کے جواب میں حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروقِ اعظمؓ کو ان پاکیزہ اور دل افروز کلمات سے خراجِ تحسین پیش فرمایا:

وکان افضلھم فی الاسلام کما زعمت وانصحھم للہ ولرسولہ الخلیفۃ الصدیق وخلیفۃ الخلیفۃ الفاروق۔ ولعمری ان مکانھما فی الاسلام لعظیم وان المصاب بھما لجرح فی الاسلام شدید۔ یرحمھما اللہ وجزاھما باحسن ما عملا۔ (شرح نہج البلاغۃ ابن میثم البحرانی)

ترجمہ: آپ کا یہ خیال درست ہے کہ اسلام میں سب سے افضل اللہ اور اس کے رسول کے سب سے زیادہ مخلص حضرت صدیقِ اکبرؓ اور فاروقِ اعظم تھے۔ مجھے اپنی جانِ عزیز کی قسم! اسلام میں ان دونوں کا مرتبہ بڑا عظیم تھا۔ ان کی وفات حسرت آیات

Marfat.com

سے اسلام کو گہرا زخم لگا۔ اللہ تعالےٰ ان دونوں پر رحمت فرمائے اور جو نیک اعمال انھیں نے کیے ہیں اس کی انھیں جزا دے۔

حضرت علی مرتضیٰ کے بعد بھی ائمۂ اہلِ بیت حضرت فاروق اعظمؓ کی تعریف فرماتے رہے اب یہاں صرف ایک واقعہ بطور مثال پیش خدمت ہے:

ایک دفعہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کی خدمتِ اقدس میں عراق کے چند آدمی حاضر ہوئے اور خلفائے ثلاثہ کی شان میں کچھ ناشائستہ گفتگو کی۔ جب وہ لوگ اپنے خبث باطن کو ظاہر کر چکے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم ان مہاجرین اولین میں سے ہو جن کی شان میں حق تعالےٰ نے فرمایا ہے:

اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّیَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔

ترجمہ: یہ مہاجرین وہ لوگ ہیں جنھیں ان کے گھروں اور مال و متاع سے نکال دیا گیا، یہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رضا کا طلب گار ہیں اور اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں اور یہی لوگ سچے ہیں۔

انھوں نے جواب دیا، ہم اس گروہ سے نہیں ہیں۔

پھر آپ نے دریافت فرمایا، کیا تم ان میں سے ہو جن کے متعلق اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

اَلَّذِیْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔

Marfat.com

ترجمہ: وہ لوگ جو مہاجرین سے محبت کرتے ہیں اور اپنے دل میں اپنے مال و دولت کے کوئی کشش نہیں پاتے اور حالتِ افلاس میں بھی مہاجرین کو اپنے نفسوں پر ترجیح دیتے ہیں۔

ان لوگوں نے کہا: ہم اس گروہ سے بھی نہیں۔

حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان دونوں گروہوں میں سے نہ ہونے کا تم نے خود اعتراف کرلیا۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تم مسلمانوں کے تیسرے گروہ میں سے نہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔

ترجمہ: وہ لوگ جو ان کے بعد آئے وہ کہتے ہیں: اے ہمارے رب! ہمیں بخش دے، اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش دے جو ایمان کے ساتھ ہم سے پہلے گزر چکے ہیں اور اہلِ ایمان کے لیے ہمارے دلوں میں بغض مت ڈال۔

پھر آپ نے بڑے غضب ناک لہجے میں فرمایا:

اُخْرُجُوْا عَنِّیْ فَعَلَ اللّٰهُ بِكُمْ۔

میرے پاس سے نکل جاؤ۔ خدا تمھیں ہلاک کرے۔ (کشف الغمہ جلد دوم صفحہ نمبر ۲۶۷)

اللہ تعالیٰ جب کسی کو فرزند عطا کرتا ہے تو وہ اپنی سمجھ کے مطابق اس کے لیے بہترین نام تجویز کرتا ہے۔ عمل کی ہزار کوتاہیوں کے باوجود ہم آج بھی دین کے کسی باغی، اللہ تعالیٰ اور

Marfat.com

اس کے پیارے رسول ﷺ کے کسی دشمن کا نام رکھنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوتے۔ ابولہب، ابوجہل، فرعون یا نمرود کے نام کلیۃً متروک ہیں۔ ہم اپنے بچوں کے لیے کسی مقبول بارگاہِ الٰہی کا نام ہی پسند کرتے ہیں۔

حضرت سیدنا علی مرتضیٰ اور آپ کی اولادِ امجاد جو حسنِ انتخاب میں اپنا جواب نہیں رکھتی یقیناً انھوں نے بھی اپنی اولاد کے لیے انھی کے نام تجویز کیے ہوں گے جو انھیں از حد دلربا اور پسند تھے اب ذرا ائمہ اہلِ بیت کی اولادِ امجاد کے ناموں پر ایک سرسری نگاہ ڈالیں۔ آپ کو پتہ چل جائے گا کہ انھیں حضرت فاروقِ اعظمؓ کے نام سے کتنی عقیدت و محبت تھی اور ان کے دلوں میں آپ کی کتنی قدر و منزلت تھی:

حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کے ایک صاحبزادے کا نام عمر تھا۔ (جلاء العیون، کشف الغمہ)

سیّدنا امام حسن علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے کا نام عمر رکھا۔ (جلاء العیون، کشف الغمہ)

سیدنا امام زین العابدین نے بھی اپنے لختِ جگر کے لیے عمر کا نام تجویز فرمایا۔ (جلاء العیون کشف الغمہ)

حضرت امام موسیٰ کاظم رضوان اللہ تعالےٰ علیہم کے ایک نورِ نظر کا نام بھی عمر تھا۔ (جلاء العیون، کشف الغمہ)

اگر خوفِ طوالت نہ ہوتا تو تاریخ انسانی کے اس زرّیں اور درخشاں عہد کے صدہا روح پرور اور دل افروز واقعات بیان کرتا لیکن اب اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اگر کسی کے دل کی آنکھ اندھی ہو چکی ہے یا اس نے تعصب کی پٹی خوب کس کر باندھ رکھی ہے تو اس کی قسمت ورنہ

Marfat.com

جس کے دل میں حق کو سمجھنے اور اس کو قبول کرنے کی کچھ صلاحیت موجود ہے بفضلہٖ تعالےٰ اب اس پر یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح آشکار ہو چکی ہوگی کہ خلفائے راشدین خصوصاً حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہم اور اہل بیت نبوت رضوان اللہ تعالےٰ علیہم باہم شیر و شکر تھے۔ سب ایک دوسرے پر صدقِ دل سے فریفتہ تھے۔ شمع اسلام پر سب پروانہ وار نثار تھے۔ ان سب نفوسِ قدسیہ کی مشترکہ کوششوں سے اللہ تعالےٰ کے دین کو غلبہ اور عزت نصیب ہوئی۔ باہمی کشیدگی اور دشمنی کے قصے سب جھوٹے ہیں۔ اللہ تعالےٰ کا یہ فرمان سچا ہے جس میں کوئی مومن شک نہیں کر سکتا:

فَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِکُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِہٖۤ اِخۡوَانًا۔

یعنی اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی برکت سے ان کے دلوں کو محبت اور پیار سے جوڑ دیا تھا اور اس کی مہربانی سے وہ بھائی بھائی بن گئے تھے۔

Marfat.com

اسلام اور تصوف

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سب سے پہلے ہم تصوف، اس کی حقیقت، اس کی غرض و غایت اور اس پر مرتب ہونے والے نتائج کا تذکرہ کریں گے۔ بعد ازاں اپنوں اور بیگانوں کی طرف سے جو اعتراضات اس سلسلہ فقر و درویشی پر بڑی شد و مد سے کئے گئے ہیں اور اب بھی کئے جا رہے ہیں۔ ان کا بھی علمی اور تحقیقی تجزیہ کیا جائے گا تاکہ نوجوانوں کے اذہان و قلوب میں جو قلق اور اضطراب پایا جاتا ہے۔ ایک طرف اس کا بھی ازالہ ہو جائے۔ اور ساتھ ہی ایک اٹل حقیقت اپنی دلفریبیوں اور جلوہ سامانیوں کے ساتھ بے نقاب ہو جائے۔

سب سے پہلے ہم لفظ صوفی پر بحث کریں گے کہ اس کا ماخذ اشتقاق کیا ہے اور اس فن سے وابستہ لوگ اس کو کس مفہوم میں استعمال کرتے ہیں۔

البوریحان البیرونی (٩٧٣ تا ١٠٤٨ھ) کا نام محتاج تعارف نہیں۔ یہ بیک وقت ریاضی، طب، فلک، تقاویم اور تاریخ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ انھوں نے کئی سال ہندوستان میں بسر کیے، سنسکرت میں مہارت حاصل کی۔ اور یہاں کے تمدن اور مذہبی افکار، اعمال کا گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ وہ کہتے ہیں:

Marfat.com

"صوفی" کا ماخذ سُوف ہے جو یونانی زبان کا لفظ ہے۔ سُوف کا معنی "حکمت" ہے اسی لیے حکیم اور دانشور کو فیلسوف کہتے ہیں۔ فیلا کا معنی محب اور سُوف کا معنی حکمت' یعنی دانش و حکمت سے محبت کرنے والا۔ سوف کے لفظ کو جب عربی میں ڈھالا گیا تو تحریف کے بعد صوفی ہو گیا، کیونکہ یونان میں حکماء کا ایک ایسا گروہ تھا جن کا نظریہ تھا کہ وجود حقیقی صرف علت اولیٰ کے لیے ہے، کیونکہ وہی ماسوی سے مستغنی ہے باقی سب اس کے محتاج ہیں اسی لیے وجودِ حقیقی صرف وہی علت اولیٰ ہو گی، باقی اشیاء کا وجود حقیقی نہیں بلکہ خیالی ہے، کیونکہ مسلمانوں میں بھی بعض حضرات کا عقیدہ بظاہر ان سے قریب ہے۔ اسی مناسبت سے انھیں بھی صوفی کہا گیا"

لیکن البیرونی کی یہ رائے قابلِ اعتنا نہیں چونکہ یونانی کتب کے عربی تراجم کا سلسلہ تیسری صدی ہجری کے نصف کے لگ بھگ شروع ہوا اور اہلِ عرب کے ہاں صوفی کا لفظ اس سے بہت پہلے مستعمل ہوتا تھا۔ جو صاحب سب سے پہلے صوفی کے لقب سے ملقب ہوئے وہ ابوالہاشم الکوفی تھے۔ جن کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی تھی یعنی ترجمہ کے دور سے تقریباً ایک سو سال پہلے اس سے البیرونی کی رائے میں کوئی وزن نہیں۔ البیرونی اپنے اس رویہ پر اس لیے مصر ہیں کہ اگر اس کے علاوہ صوفی کا کوئی اور مادہ اشتقاق مانا جائے، تو اس میں حکمت و معرفت کی نسبت مفقود ہو جائے گی۔ اور یہ لفظ سطحی قسم کا ہو جائے گا۔ البیرونی نے صوفی کے لفظ کی تقدیس کو تو برقرار رکھا، لیکن انھیں یہ خیال نہ آیا کہ اس طرح وہ اسلامی تصوف کو یونانی علوم کا ریزہ چین ثابت کر رہے ہیں۔ اور اس کی انفرادیت کو ختم کر رہے ہیں جو واقعہ کے بھی خلاف ہے اور تصوف کے مقام سے بھی بہت

Marfat.com

فروتر۔ اس لیے البیرونی کے اس قول کو تمام مسلم محققین نے رد کر دیا۔ البتہ یورپ کے مستشرقین میں سے کئی لوگ انھیں اپنے ہمنوا مل گئے لیکن اس کی وجہ کچھ اور ہے جس سے قارئین واقف ہیں۔

بعض کے نزدیک صوفی، صفا سے ماخوذ ہے، کیونکہ یہ لوگ ظاہر اور باطن دونوں کی صفائی اور پاکیزگی کا ازحد اہتمام فرماتے تھے اسی لیے ان کو صوفی کہا جانے لگا، لیکن صرف کے قواعد اس کی اجازت نہیں دیتے۔ اگر صفا کی طرف نسبت کو ملحوظ رکھنا ہوتا تو انھیں صوفی کے بجائے صفوی کہا جاتا۔ اشتقاق لغوی کے قواعد کو نظر انداز کرنا درست نہیں۔

بعض علماء نے صف کو صوفی کا ماخذ قرار دیا ہے کیونکہ جہاد اصغر ہو یا جہاد اکبر یہ لوگ ہمیشہ صفِ اوّل میں ظاہری اور باطنی دشمنوں کے سامنے سینہ سپر ہوتے ہیں لیکن قواعد اشتقاق اس قول کی بھی تغلیط کرتے ہیں صف کی نسبت سے انھیں صفی کہلانا چاہیئے تھا نہ کہ صوفی۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ اصحاب صفہ کی نسبت سے انھیں صوفی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ حضرات دنیا کے علائق سے اپنے آپ کو آزاد کر کے دن رات ذکرِ الٰہی اور اطاعت رسالت پناہی میں سرگرم رہتے تھے اور فقر و درویشی کی زندگی بسر کرنے والے لوگوں نے بھی دنیا کی لذتوں، آسائشوں اور دلچسپیوں کو طلاق دے دی ہے اور صرف رضائے الٰہی کے حصول کے لیے شب و روز سرگرداں رہتے ہیں۔ اس لیے انھیں اصحاب صفہ سے خصوصی نسبت ہے۔ اسی وجہ سے انھیں صوفی کہا گیا۔ بظاہر تو یہ وجہ بڑی معقول معلوم ہوتی ہے لیکن قواعد و اشتقاق اس کی

Marfat.com

اجازت بھی نہیں دیتے۔ اگر انھیں صف سے نسبت ہوئی تو صفی کہا جاتا۔

بعض محققین نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ یہ لوگ صوف کا لباس پہنتے تھے اس سے صوفی کا لفظ بنا ہے۔ قواعد کے لحاظ سے تو یہ نسبت درست ہے لیکن ضروری نہیں کہ ہر صوفی صوف کا لباس پہنے، بڑے بڑے جلیل القدر اصفیاء ایسے گزرے ہیں جو صوف کا لباس نہیں پہنتے تھے۔

امام قشیری مختلف آراء نقل کرنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

"ولا یشھد لھذا الاسم اشتقاق من جھۃ العربیہ و قیاس والظاھر انہ لقب"

ترجمہ: یعنی صوفی کے لفظ کا ماخذ اشتقاق عربیت کے لحاظ سے اور قواعدِ صرف کی رو سے معلوم نہیں ہوتا۔ سیدھی صاف بات یہ ہے کہ یہ اس فن کا لقب ہے۔

علامہ ابن خلدون نے بھی قشیری کی اس رائے کو پسند کیا۔

صوفی کے لفظ کی لغوی تحقیق کے بعد اب ہم اصل مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ تصوف کا مفہوم کیا ہے۔ علامہ ابن خلدون اپنے مقدمہ میں علم التصوف کے باب میں اس کی توضیح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

اصل التصوف العکوف علی العبادۃ والانقطاع الی اللہ تعالیٰ والاعراض عن زخرف الدنیا و زینتھا و الزھد فیما یقبل الیہ الجمھور من لذۃ ومال و جاہ..وکان ذالک عاما فی الصحابہ والسلف۔

Marfat.com

ترجمہ: "تصوف کا معنی ہے عبادت پر ہمیشہ پابندی کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہونا۔ دنیا کی زیب و زینت کی طرف سے روگردانی کرنا۔ لذت، مال اور جاہ جس کی طرف عام لوگ متوجہ ہیں اس سے کنارہ کش ہونا۔ یہ طریقہ صحابہ کرام اور سلف صالحین میں عام مروج تھا۔"

اکثر حضرات تصوف کی تعریف میں اخلاقی پہلو کی طرف زیادہ توجہ کرتے ہیں۔ اور یہ نظریہ حلقۂ صوفیاء میں بھی مقبول ہے۔ اس نظریہ کے مطابق جن حضرات نے تصوف کی تعریف کی ہے۔ ان میں سے چند نمونے پیش خدمت ہیں:

ابوبکر الکتانی (متوفی ۲۳۳) فرماتے ہیں:

"التصوف، خُلُقٌ وَمَنْ زَادَ عَلَيْكَ فی الخلق فقد زَادَ عليك فی الصَّفا۔"

"یعنی تصوف، خلق کا نام ہے جو خلق میں تجھ سے برتر ہو گا۔ وہ صفائی میں بھی تجھ سے بڑھا ہوا ہو گا۔"

ابومحمد الجریری (متوفی ۳۱۱ھ) سے کسی نے تصوف کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا:

"الدُّخولُ فی کل خلقٍ سنی والخروج من کل خلقٍ دنیٍّ"

"یعنی ہر اعلیٰ اور عمدہ خلق میں داخل ہونا اور ہر رذیل عادت سے باہر نکلنا تصوف ہے۔"

ابوالحسین النوری تصوف کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لیس التّصوف رسما وعلما و لکنه خلق۔"

Marfat.com

"تصوف نہ رسم ہے نہ علم بلکہ یہ خلق کا نام ہے۔"

دوسرے مقام پر انھیں کا ارشاد ہے:

"التَّصوُّفُ الحُرِّيَّةُ وَالكَرَمُ وَ تَركُ التَّكَلُّفِ والسَّخاءُ"

(ترجمہ) تصوف، حریت، کرم، بے تکلفی اور سخاوت کا دوسرا نام ہے۔

اگرچہ اخلاقی نقطہ نظر سے تصوف کی یہ تعریف شرق و غرب میں مشہور بھی ہے اور مقبول بھی۔ لیکن اسے تصوف کی صحیح تعریف نہیں کہا جا سکتا۔ بہت سے لوگ جو مکارمِ اخلاق میں اپنی نظیر نہیں رکھتے انھیں صوفی نہیں کہا جاتا۔ یہ بات مسلم کہ تصوف کی بنیاد اخلاق کریمہ پر ہے۔ اور صوفی کے لیے ناگریز ہے کہ وہ مکارم اخلاق سے متصف ہو لیکن اسے تصوف کا حقیقی مفہوم نہیں قرار دیا جا سکتا۔

تصوف کی تعریف میں دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ اس کا معنی زہد ہے یعنی دنیا اور دنیا کی زیب و زینت اور لذّات سے کلیۃً کنارہ کشی، یہ بجا کہ صوفی کا دل دنیا سے بیزار ہوتا ہے، لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلّم ہے کہ زہد و تقشف اور چیز ہے۔ بعض لوگوں نے عبادت گذار کو صوفی کہا ہے۔ لیکن ان کا یہ قول بھی حقیقت سے بہت دور ہے۔ ایک شخص عبادت میں سرگرم ہوتا ہے، لیکن پھر بھی اسے صوفی نہیں کہا جاتا۔

ابن سینا نے اپنی کتاب "الاشارات" میں بڑی وضاحت سے زاہد، عابد اور صوفی میں جو فرق ہے اسے بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"جو شخص دنیا اور اس کی لذتوں سے منہ موڑے اسے زاہد کہتے ہیں جو شخص ہر لمحہ عبادت میں مصروف رہے اسے عابد کہتے ہیں اور:

Marfat.com

وَالْمُنْصَرِفُ بِفِكْرِهٖ اِلَی الْقُدْسِ الْجَبْرُوْتِ مُسْتَدِیْمًا لِشُروقِ نورِ الحق فی سرّہٖ یخص باسم العارف۔

یعنی جو شخص ہمیشہ اپنے فکر کو قدس جبروت کی طرف متوجہ رکھتا ہے اور ہر لحظہ اپنے باطن میں نورِ حق کی تابانی کا آرزومند ہوتا ہے۔ اسے عارف کہتے ہیں اور ابن سینا کے نزدیک عارف ہی صوفی کہلانے کا مستحق ہے۔"

زاہد اور عابد، زہد و عبادت کو اس لیے اختیار کرتے ہیں کہ انھیں دوزخ سے نجات ملے اور نعیم جنت کی سرمدی مسرتیں انھیں نصیب ہوں صوفی بھی دنیا کی زینتوں اور لذتوں سے دامن کش رہتا ہے اور ہمہ وقت مصروفِ عبادت رہتا ہے، لیکن اس کے پیشِ نظر کوئی خوف یا طمع نہیں ہوتا وہ فقط اس لیے اللہ تعالے کی عبادت کرتا ہے کہ وہ اس کا محبوب و مطلوب ہے اور ہر قسم کی عبادت و نیازمندی کا مستحق ہے۔ حضرت رابعہ بصریہ رضی اللہ تعالے عنہا کا یہ ارشاد اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے۔ ایک روز انھوں نے بارگاہِ الٰہی میں یوں عرض کیا۔

اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتُ اَعْبُدُكَ خَوْفًا مِنْ نَارِكَ فَاَلْقِنِیْ فِیْھَا۔

اے اللہ! اگر میں تیری عبادت آتشِ دوزخ کے خوف سے کرتی ہوں تو مجھے اس میں جھونک دے۔

وَاِنْ کُنْتُ اَعْبُدُكَ طَمَعًا فِیْ جَنَّتِكَ فَاحْرِمْنِیْھَا

اور اگر میں جنت کے لالچ کے لیے تیری جناب میں سربسجود رہتی ہوں تو مجھے اس

Marfat.com

جنت سے محروم کر دے۔

وَاِنْ کُنْتُ اَعْبُدُكَ لِوَجْهِكَ الْكَرِيْمِ فَلَا تَحْرِمْنِي مِنْ رُؤْيَتِهٖ۔

اور اگر میں صرف تیری ذات کے لیے تیری عبادت کرتی ہوں تو اے میرے محبوب! مجھے اپنے شرفِ دیدار سے محروم نہ رکھیو۔

معلوم ہوا کہ تصوف نہ صرف اخلاق حسنہ کا نام ہے، نہ صرف دنیا کی لذتوں اور مسرتوں سے کنارہ کشی کا نام ہے اور نہ صرف شب و روز مصروفِ عبادت رہنے کا نام ہے۔ اگرچہ وہ ان تمام چیزوں کو شامل ہے۔ لیکن وہ ان کے ماسوا اور چیز ہے۔

اس لیے ابھی ہمیں تصوف کی ایسی تعریف کی ضرورت ہے جس سے اس کی حقیقت تک رسائی حاصل ہو جائے۔

ابوسعید الخراز (متوفی ۲۶۸ھ) سے "صوفی" کے بارے میں پوچھا گیا آپ نے فرمایا:

مَنْ صَفَّى رَبُّهٗ قَلْبَهٗ فَامْتَلَأَ قَلْبُهٗ نُوْرًا وَمَنْ دَخَلَ فِيْ عَيْنِ اللَّذَّةِ بِذِكْرِ اللّٰهِ۔

ترجمہ: یعنی جس کے دل کو اس کا رب پاک صاف کر دے اور اس کا دل نورِ الٰہی سے لبریز ہو جائے اور جو شخص ذکر الٰہی شروع کرتے ہی لذت و سرور میں کھو جائے۔

حضرت جنید بغدادی، تصوف کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

Marfat.com

اَلتَّصَوُّفُ هُوَاَنْ یُمِیْتُکَ الْحَقُّ عَنْکَ وَیُحْیِیْکَ بِہٖ ۔

"یعنی تصوف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے تیری ذات سے فنا کر دے اور اپنی ذات کے ساتھ تجھے زندہ کردے۔"

ابوبکر الکتانی کی تعریف ایجاز اور جامعیت کا شاہکار ہے، وہ فرماتے ہیں:

"اَلتَّصَوُّفُ: صَفَاءٌ وَمُشَاهَدَةٌ"

یعنی تصوف صفا یعنی تزکیہ اور مشاہدہ کا نام ہے۔

ان دو میں سے پہلی بات (صفا) سبب ہے اور دوسری بات (مشاہدہ) غایت اور مدعا ہے۔ یہ تعریف بڑی جامع ہے اس میں سالک کی منزل کا بھی ذکر ہے اور اس راستہ کا بھی جو سالک کو اس منزل تک لے جاتا ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں اس حقیقت کو ذرا تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں:

اَلطَّرِیْقُ تَقْدِیْمُ الْمُجَاهَدَةِ وَمَحْوُ الصِّفَاتِ الْمَذْمُوْمَةِ وَقَطْعُ الْعَلَائِقِ کُلِّهَا وَالْاِقْبَالُ بِکُنْهِ الْهِمَّةِ عَلَی اللہِ تَعَالٰی مَهْمَا حَصَلَ ذٰلِکَ کَانَ اللہُ الْمُتَوَلِّیَ لِقَلْبِ عَبْدِهٖ الْمُتَکَفِّلَ لَهٗ بِتَنْوِیْرِهٖ بِاَنْوَارِ الْعِلْمِ ۔

ترجمہ: اس منزل کا راستہ یہ ہے کہ پہلے مجاہدہ کرے صفات مذمومہ کو مٹائے۔ تمام تعلقات کو توڑ ڈالے اور پوری طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف متوجہ ہو جائے۔ جب یہ سعادت حاصل ہو جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل کا متولی بن جاتا ہے۔ اور علم کے انوار سے اس کو منور کرنے کا ذمہ دار بن جاتا ہے۔

Marfat.com

یہ ہے تصوف کا وہ مفہوم جس کو اولیاء اللہ اپنا مقصدِ حیات بناتے ہیں۔ ان کی ساری زندگی صفا اور تزکیہ کے کٹھن مرحلوں کو صدقِ دل سے طے کرنے کے لیے وقف رہتی ہے تاکہ آخر کار وہ مشاہدہ کی منزل میں خیمہ زن ہونے کی سعادت حاصل کریں۔ اس طرح وہ انسانیت کے اس مقامِ رفیع کو پا لیتے ہیں۔ جہاں "نفخت فیہ من روحی" کا سرّ نہاں عیاں ہوتا ہے اور وہ خلیفۃ اللہ فی الارض کی مسندِ جلیل پر متمکن ہوتا ہے۔

اس تصوف پر جس کے لغوی اور اصلاحی مفہوم کی تشریح آپ ابھی پڑھ چکے ہیں گزشتہ زمانہ میں بھی اور آج بھی اپنوں نے بھی اور بیگانوں نے بھی بدنیتی سے یا غلط فہمی کے باعث بڑی بے رحمی سے طعن و تشنیع کے تیروں کا مینہ برسایا ہے، اور آج اس تحریک میں مزید شدت پیدا ہوتی جا رہی ہے۔ یہاں تک کہ عدل و تحقیق کا دامن بھی بسا اوقات ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ اس حالیہ شدت کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ مادی لذتوں کی طرف رجحان دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جو لوگ تصوف کے علمبردار بنے ہوئے ہیں ان میں سے چند ایسے بھی ہیں جو باعثِ رسوائی اسلاف ہیں یا اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے آثار کو دیکھ کر ابلیسی قوتیں ہراساں ہیں اور وہ مسلمانوں کو اس چشمہ حیات سے بدظن اور متنفر کرنے کا قبل از وقت پروگرام بنا رہی ہیں تاکہ مسلمان اس بیداری سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کے قابل نہ رہیں۔ وجہ کوئی بھی ہو ہمیں حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے ان اعتراضات کا جائزہ لینا چاہیئے انھوں نے اگر کسی واقعی خامی کی نشان وہی کی ہے تو اس کے ازالہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے اور اگر انھوں نے

Marfat.com

غلط اعتراضات کئے ہوں تو ان کا مسکت جواب دینا چاہیئے۔

ایک بات میں ابتداء میں ہی صاف طور پر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ صوفیہ کی صفوں میں ایسے لوگ بھی در آئے ہیں جو بظاہر عابد و زاہد نظر آتے ہیں لیکن دراصل اپنے زہد و عبادت کو حصول مال و جاہ کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں لیکن مجھے تو بتایئے انسانی زندگی کا کون سا ایسا شعبہ ہے جہاں یہ کالی بھیڑیں موجود نہیں علماء، اطباء، قضاۃ، تجار، صنعت کار سب جگہ پر ایسے لوگ موجود ہیں جو اپنے طبقہ کے لیئے ننگ و عار کا باعث ہیں۔ لیکن اگر ان کے وجود سے صحیح اور راستباز لوگوں کی افادیت کم نہیں ہوئی تو جعلی صوفیوں کے ہتھکنڈوں سے صوفیاء کرام کی عظمت پر حرف نہیں آسکتا۔ ہم جن صوفیاء کے بارے میں کلام کریں گے وہ وہ لوگ ہیں جو صحیح معنی میں اس لقب کے اہل ہیں۔

پہلا اعتراض

تصوف پر سب سے بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے اور اب بھی کیا جا رہا ہے کہ اس کا ماخذ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم نہیں بلکہ یہ ایک اجنبی چیز ہے جسے اسلام میں زبردستی ٹھونس دیا گیا ہے۔ لیکن جب ان معترضین سے اس اجنبی مصدر اور منبع کے بارے میں استفسار کیا جاتا ہے تو بھانت بھانت کی بولیاں سننے میں آتی ہیں اور انسان تصویر حیرت بن کر رہ جاتا ہے کہ تصوف کے کسی معترض کی بات کو دقیع اور وزنی سمجھا جائے اور کسے لایعنی سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے ان معترضین کا باہمی اختلاف اور کسی ایک منبع پر متحد

Marfat.com

نہ ہونا ہی ان کے اس قول کے بطلان کے لیے کافی ہے۔ لیکن پھر بھی ہم تمام اقوال کا ایک ایک کر کے ذکر کرتے ہیں۔ اور اس کا علمی تجزیہ قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں وہ خود ہی حق و باطل میں امتیاز کر لیں گے۔

معترضین کا ایک طبقہ جس میں مستشرقین کے چند علماء بھی شامل ہیں یہ کہتا ہے کہ تصوف کا ماخذ ہندوؤں کے وید ہیں اور بڑے وثوق سے دعویٰ کرتے ہیں کہ تصوف میں چلہ کشی، ریاضت وغیرہ کے سارے طریقے ہندو جوگیوں اور سادھوؤں سے مستعار لیے گئے ہیں۔ اس طبقہ کے سرخیل ہارٹن (Horton) بلوشیٹ (Blochet) اور ماسی نیون (Massignon) ہیں۔ یہ لوگ بڑی بڑی کتابوں کے مصنف ہیں۔ اور بڑے محقق اور مدقق شمار ہوتے ہیں۔ معلوم نہیں ان صاحبان کو اس بے مقصد تکلف کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی کیا انھیں معلوم نہیں کہ مسلمان صوفیا کے ہادی و راہبر نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم نے غارِ حرا میں چلہ کشی کی تھی۔ اور ذکر الٰہی پر مداومت کے متعدد احکام قرآن کریم اور احادیث نبوی میں بصراحت موجود ہیں اور یہ سب اس وقت ان کو میسّر تھا جب کہ ہندوؤں کی تہذیب و تمدن کے بارے میں جزیرہ عرب کے باشندوں کو سطحی قسم کی معلومات بھی میسر نہ تھیں۔ اس لیے صوفیاء کرام کی ریاضتوں اور چلّہ کشیوں کو ہندو جوگیوں کی طرف منسوب کرنا لغویت کی انتہا ہے۔ مزید براں دونوں ریاضتوں کے مقاصد میں بعد المشرقین ہے۔

دوسرا طبقہ ان معترضین کا ہے جو مسلمانوں کے زہد و تبتّل کو بُدھ مت سے ماخوذ سمجھتے تھے گولڈ زیہر Goldziher اور اولیری O'Leary کے پایہ

کے مستشرق بھی یہ کہتے ہوئے نہیں تھکتے کہ صوفیا کا دنیا سے قطع تعلق درحقیقت گوتم بدھ کی تقلید ہے۔ جس طرح اس نے تخت وتاج کو ترک کرکے فقر وفاقہ کی زندگی اختیار کرلی تھی اسی طرح مسلمان صوفیا نے بھی اپنے گھروں کے راحت و آرام کو ترک کرکے جنگلوں اور پہاڑوں کی غاروں میں آکر بسیرا کیا، لیکن اتنا بڑا الزام لگانے سے پہلے ان حضرات نے یہ غور کرنے کی زحمت بھی برداشت نہیں کی کہ گوتم بُدھ خدا کے وجود کا منکر ہے۔ وہ نفس انسانی کو ہی سب کچھ خیال کرتا ہے اس کے برعکس مسلمان اللہ تعالےٰ کی ذات، اس کی وحدانیّت پر پختہ ایمان رکھتے ہیں اور یہ ریاضتیں مقصود بالذّات نہیں، بلکہ بارگاہِ الٰہی میں شرف باریابی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہیں۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اسلام کا تصوف دراصل فارسی تصوف کا آئینہ دار ہے۔ عرب ہر لحاظ سے فارس سے فروتر تھے۔ انھوں نے ان سے ہی کچھ لیا ہے، فارسیوں کو دینے کے لیے ان کے پاس کوئی چیز نہ تھی۔ اگر یہ لوگ اسلام سے پہلے کی بات کہہ رہے ہیں تو ہم اسے تسلیم کرلیتے ہیں۔ لیکن ہم اس زمانہ سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔ ہماری بحث اس تصوف سے ہے جو آفتاب اسلام کے طلوع ہونے کے بعد رونما ہوا۔ جب قرآنِ کریم کے فیضان سے عرب مسلمانوں کی جھولیاں علم وحکمت کے جواہرات سے بھر گئیں تو وہ اپنے گھروں سے نکل کر دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچے اور بڑی دریا دلی اور فیاضی سے انھوں نے ان جواہرت کو لٹایا تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب علم یہ کہنے کی جسارت نہیں کرسکتا کہ اہلِ فارس نے عرب مسلمانوں کو دینی، تہذیبی اور علمی اعتبار سے متاثر کیا،

Marfat.com

بلکہ یہ وہ عرب تھے۔ جنھوں نے اپنے ظاہری فتوحات کے جھنڈے گاڑنے کے بعد اہل ایران کے عقائد، نظریات و افکار اور تہذیب و تمدن کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ جب اسلام کی برکت سے اہل فارس آتش پرستی کو چھوڑ کر خداوند احد و یکتا کے پرستار بن گئے۔ باقی اور کیا چیز تھی جس کے لیے مسلمان صوفی ان کے شکست خوردہ افکار سے دریوزہ گری کرتے۔ پروفیسر براؤن کا یہ کہنا سراسر خلاف حقیقت ہے کہ ایرانی افکار نے عربوں کو متاثر کیا۔ اور اسی سے ان کا تصوف ماخوذ ہوا۔ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ بہر حال اگر کہیں کچھ مشابہت پائی بھی جاتی ہے تو اس سے ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ اسلامی تصوف اہلِ فارس کے نظریات سے ماخوذ اور مستعار ہے۔ اسلام کا تصوف صرف اسلام سے ماخوذ ہے اور وہ ہر اعتبار سے بالکل الگ اور جداگانہ چیز ہے۔

معترضین کے ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ اسلام کے تصوف پر نصرانی تصوّف کا بہت بڑا اور گہرا اثر ہے۔ اس دعویٰ کی تائید کے لیے وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ عربوں اور عیسائیوں میں عہدِ قدیم سے باہمی روابط تھے۔ عرب ایک غیر متمدّن اور جاہل قوم تھے جب کہ عیسائی دنیا علم و حکمت کے نور سے جگمگا رہی تھی اس لیے لازمی طور پر مسلمان صوفیوں نے عیسائی راہبوں سے تصوف سیکھا اور اس کو اپنایا ہم عرض کرتے ہیں کہ اسلام کی آمد سے پہلے کے بارے میں آپ کا یہ نظریہ درست ہے لیکن ہم اس زمانہ کی بات کر رہے ہیں جب کہ عرب کے ظلمت کدہ کو وحی الٰہی کے نور تاباں نے رشک صد طور بنا دیا تھا۔ اور ان ابجد ناشناسوں کو نہاں خانہ تقدیر کے اسرار و رموز سے آشنا کر دیا تھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

Marfat.com

نے خود اپنے ماننے والوں کو دنیا کی لذتوں میں کھو جانے سے سختی سے روکا تھا۔ قرآن کریم کی صدہا آیات ہیں جو مسلمانوں کو زہد و تقویٰ کی تلقین کرتی ہیں اور دنیا کی بے ثباتی کا نقش لوحِ قلب پر ثبت کرتی ہیں۔ سورۃ الحدید کی ایک آیت ملاحظہ ہو:

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا وَّفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ وَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۔ آیت ۲۰۔

ترجمہ: تم خوب جان لو! کہ دنیوی زندگی محض لہو و لعب، زینت اور ایک دوسرے پر اترانے اور مال و اولاد میں زیادتی پر فخر کرنے کا نام ہے۔ جیسے مینہ ہے کہ اس کی پیداوار کاشت کاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے۔ پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے۔ اور آخرت میں عذاب شدید ہے اور خدا کی طرف سے مغفرت اور رضامندی بہت بہتر چیز ہے۔ اور نہیں ہے دنیا مگر دھوکے کا سامان۔

اور حضور صلے اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایک حدیث بھی سماعت فرمائیے:

اِنَّ مِمَّا اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِيْ مَا يُفْتَحُ عَلَيْكُمْ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتِهَا۔ (بخاری و مسلم)

Marfat.com

ترجمہ: اپنے بعد میں تم سے جس چیز کے بارے میں ڈرتا ہوں وہ یہ ہے کہ دنیا کی زینت اور کامیابی کے دروازے تم پر کھول دیئے جائیں گے۔

خود سوچئے کہ جس قوم کے پاس ان کی کتاب مقدس میں زہد و پرہیزگاری کے اتنے مؤثر مواعظ موجود ہوں۔ انھیں ان پریشان حال راہبوں کی تقلید کی کیا ضرورت ہے۔ جو خود بے یقینی کی موجوں کے تھپیڑے کھا رہے ہیں۔ اسی طرح عبادتِ الٰہی کی تلقین و ترغیب میں قرآن کریم کی بے شمار آیات موجود ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے کسی اور واعظ کی ایک مومن کو کیوں ضرورت محسوس ہو گی۔ ارشاد ربّانی ہے:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ۔ (الاعراف ص ۲۰۵)

ترجمہ: اپنے رب کو یاد کیا کر، اپنے دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام اور غافلوں میں سے مت ہو جانا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيرًا وَّسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا۔

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کیا کرو۔ اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہا کرو۔

قرآن کریم کی دوسری سورت کی یہ دل افروز اور روح افزا آیت بھی پڑھ لیجئے:

Marfat.com

فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۔

(البقرہ: ۱۵۲)

ترجمہ: تم مجھے یاد کیا کرو۔ میں تمھیں یاد کیا کروں گا۔ میرا شکر ادا کرو، اور ناشکری نہ کرو۔

جب ذکر الٰہی کے لیے ایسی آیات موجود ہوں تو ان کے ہوتے ہوئے کسی مسلمان کا کسی غیر کی طرف متوجہ ہونا کم از کم ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

مستشرقین جن کے غول کے غول اسلامی تصوف کو غیر اسلامی ثابت کرنے کے جنون میں جگہ جگہ ٹامک ٹوئیاں مارتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان میں چند ایسی شخصیتیں بھی ہیں۔ جنھوں نے پہلے تو اپنے پیشروؤں کی تقلید کرتے ہوئے اسلامی تصوف کو غیر اسلامی افکار کا نتیجہ کہا لیکن مزید تحقیق کے بعد جب حقیقت ان کے سامنے واشگاف ہوگئی تو انھوں نے بڑی جرأت سے اپنے سابق افکار و نظریات سے رجوع کیا۔ یہی نکلسن جو پہلے تصوّف کو عیسائیت کا عطیہ کہتے رہے بعد میں انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھک میں تصوف کے عنوان پر اظہار خیال کرتے ہوئے اعتراف کرتے ہیں کہ آج تک اسلامی تصوف کے آغاز اور نشو و نما کے بارے میں غلط اندازے لگائے گئے ہیں۔ یہ کہنا کہ تصوف اسلام میں باہر سے آیا قطعاً قابل تسلیم نہیں، بلکہ روز اول سے ہی مسلمانوں میں ایک ایسا گروہ تھا جو تلاوت قرآن اور مطالعہ حدیث میں مشغول رہتا تھا۔ اور ان کے تمام افکار و نظریات کا منبع قرآن و سنت کے بغیر کچھ بھی نہیں تھا۔

اکابر صوفیاء نے اپنی مستند کتب میں اس بات کو واضح طور پر لکھ دیا ہے

Marfat.com

کہ صوفی کے لیے کتاب و سنت کے ارشادات پر عمل پیرا ہونا کامیابی کے لیے شرط اول ہے۔ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہر قسم کے شک و شبہ کے بطلان کے لیے کافی ہے۔ فرماتے ہیں:

این راہ کس یابد کہ کتاب بر دست راست گرفتہ باشد و سنت مصطفیٰ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بر دست چپ۔ ذر روشنائی این دو شمع میرود تا نہ در مغاک شبہت افتد نہ در ظلمت بدعت۔

(تذکرۃ الاولیا، شیخ عطار رح)

ترجمہ: یہ راہ تو وہی شخص پا سکتا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں قرآن پاک ہو اور بائیں ہاتھ میں سنتِ مصطفیٰ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور ان دونوں شمعوں کی روشنی میں وہ قدم بڑھاتا جائے تاکہ نہ شبہات کے گڑھوں میں گرے اور نہ بدعت کے اندھیروں میں پھنسے۔

شیخ ابوبکر طمستانی فرماتے ہیں:

اَلطَّرِیْقُ وَاضِحٌ وَ اَلْکِتَابُ وَ السُّنَّۃُ قَائِمٌ بَیْنَ اَظْهُرِنَا۔

(راستہ کھلا ہوا ہے اور کتاب و سنت ہمارے سامنے موجود ہے۔)

حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی ایک خط میں لکھتے ہیں:

اے برادر! در تفاوتِ مراتب فقراء اگر امروز خواہی کہ دریابی بجانب شریعت او نگاہ کن کہ شریعت معیار ست، عیار فقیر بر شریعت روشن میگردد۔

Marfat.com

ترجمہ: اے بھائی! اگر تم فقراء کے مراتب کا پتہ آج لگانا چاہو تو ان کے اتباع شریعت پر نظر کرو۔ شریعت معیار ہے۔ اس کسوٹی پر فقیر کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

صوفیاء کرام نے خود بھی کتاب و سنت پر عمل کیا اور اپنے حلقۂ عقیدت میں داخل ہونے والوں کو بھی کتاب و سنت کی پیروی کی تاکید فرمائی مندرجہ بالا تصریحات کے علاوہ آپ قوت القلوب، رسالہ قشیریہ، کشف المحجوب، عوارف المعارف، فوائد الفواد وغیرہ کا مطالعہ کریں۔ آپ کو ان کے ہر ہر صفحہ پر کتاب و سنت پر عمل کرنے کی تلقین ملے گی۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص تصوف کو شریعت کے خلاف کہتا ہے تو اس کی اپنی مرضی۔

دوسرا اعتراض

معترضین یہ بھی کہتے ہیں کہ تصوف جاہلوں اور ناخواندہ لوگوں کا مسلک ہے جو لوگ زیورِ علم سے آراستہ ہیں اور تحقیق و تدقیق کے میدان میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں وہ تصوف کے قریب بھی نہیں پھٹکتے، یہ ایک ایسا الزام ہے جو الزام لگانے والے کی کم نظری اور لاعلمی پر دلالت کرتا ہے اکابر صوفیا اپنے اپنے زمانہ میں علم و فضل میں بھی اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ وہ اپنے ہمعصر علماء و فضلاء پر ہر لحاظ سے فوقیت رکھتے تھے، بلکہ تصوف کے میدان میں قدم رکھنے سے پہلے وہ علوم و فنون میں مہارت حاصل کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ حضرت غوث الاعظم حضرت خواجہ معین الحق والدین اجمیری، حضرت شہاب الدین سہروردی، غوث العالمین

Marfat.com

شیخ الاسلام حضرت بہاء الحق والدین زکریا ملتانی، حضرت بہاء الدین نقشبند، حضرت مجدد الف ثانی و امثالہم قدس اللہ اسرارہم نہ صرف اقلیم درویشی کے شہنشاہ تھے بلکہ کشورِ علم وفضل کے بھی تاجدار تھے۔ کون ہے جو ان حضرات اور ان کے جلیل القدر خلفاء پر جہالت کی تہمت لگا سکے۔ ان کی تصانیف آج بھی اہل علم و تحقیق سے خراجِ تحسین وصول کر رہی ہیں۔ حضرت فرید الدین مسعود گنج شکر، فرمایا کرتے تھے کہ جاہل کبھی مسخرِ شیطان ہو جاتا ہے۔ اس کی نگاہ حقیقت اور سراب میں امتیاز کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ وہ دل کی بیماریوں کی صحیح تشخیص اور مناسب علاج نہیں کر سکتا۔

حضرت محبوبِ الٰہی نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے:

"پیر آں چناں باید کہ در احکام شریعت و طریقت و حقیقت عالم باشد و چوں ایں چنیں باشد او خود ہیچ نامشروع نفرمائید۔"

(فوائد الفوائد)

ترجمہ: "پیر ایسا ہونا چاہیئے جو شریعت، طریقت اور حقیقت کے احکام کا علم رکھتا ہو۔ اگر ایسا ہو گا تو وہ کسی ناجائز کے لیے نہ کہے گا۔"

حضرت محبوب الٰہی کا یہ احوال بھی تھا کہ وہ کسی ایسے شخص کو خلافت عطا نہیں فرماتے تھے جو عالم نہ ہو۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رازی کا قول ہے:

اِجْتَنِبْ صُحْبَۃَ ثَلَاثَۃِ اَصْنَافٍ مِنَ النَّاسِ اَلْعُلَمَاءِ الْغَافِلِیْنَ وَالْفُقَرَاءِ الْمُدَاہِنِیْنَ وَالْمُتَصَوِّفَۃِ الْجَاہِلِیْنَ۔

(کشف المحجوب)

Marfat.com

ترجمہ: تین قسم کے آدمیوں کی صحبت سے اجتناب کیا کرو۔ ایسے عالموں سے جو غافل ہوں، ایسے فقیروں سے جو دھوکے باز ہوں، اور ایسے صوفیوں سے جو جاہل ہوں۔

علامہ ابن جوزی، جو صوفیاء پر تنقید کرنے میں مشہور عالم ہیں وہ بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ

"وَمَا كَانَ الْمُتَقَدِّمُوْنَ فِى التَّصَوُّفِ اِلَّا رُءُوْسًا فِى الْقُرْاٰنِ وَالْفِقْهِ وَالْحَدِيْثِ وَالتَّفْسِيْرِ"

ترجمہ: یعنی صوفیاء متقدمین علوم قرآن، فقہ، حدیث اور تفسیر میں امام ہوا کرتے تھے۔

تیسرا اعتراض

صوفیاء نے عیسائی راہبوں کی طرح دنیا سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی تھیں۔ ان سے وہ لطف اندوز ہونے سے دست کش ہو گئے تھے۔ حالانکہ حدیث پاک میں موجود ہے کہ " لَا رَهْبَانِيَّةَ فِى الْاِسْلَامِ۔ اسلام میں رہبانیت کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔

بے شک صوفیاء کرام ابتداء میں ہر قسم کے علائق سے دست کش ہو کر خلوت گزیں ہو جاتے ہیں اور اچھے کھانے، اچھے پہننے، رات کو آرام کرنے وغیرہ راحتوں کو ترک کر دیتے ہیں، لیکن ان کا مقصد حیات نہیں ہوتا بلکہ وقتی طور پر وہ تزکیۂ قلب اور تربیتِ نفس کے لیے ان مجاہدات کو اختیار کرتے ہیں۔ اور جب وہ اس مقصد

Marfat.com

میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالےٰ کے نورِ عشق سے ان کے سینے منوّر ہو جاتے ہیں۔ مذموم عادات سے ان کی طبیعت پوری طرح متنفر ہو جاتی ہے اور محاسن اخلاق ان کی فطرت ثانیہ بن جاتے ہیں۔ تو پھر ستیزہ گاہ حیات میں اسلام کا پرچم تھامے ہوئے وہ قدم رنجہ فرماتے ہیں۔ ان کے تربیت یافتہ نفوس کے راستہ میں آلام و مصائب کی کوئی چٹان حائل نہیں ہو سکتی۔ ابلیس کی کوئی فسوں کاری ان کو متاثر نہیں کر سکتی بلکہ وہ عزم و ثبات کا پیکر بن کر تسلیم و رضا کے پُرخار راستہ پر خراماں گزرتے چلے جاتے ہیں۔ اور وہ شخص جو اپنی زندگی اسلام کی سربلندی کے لیے وقف کرنا چاہتا ہو اور دنیا کے گوشے گوشے میں اس پیغامِ حق کو پہنچانے کے لیے میدان میں نکلنا چاہتا ہو اس کے لیے ناگزیر ہے کہ پہلے وہ تزکیہ قلب اور تربیّت نفس کے کٹھن مرحلہ کو کامیابی سے طے کرے۔ اگر اس میں ذرا بھی خامی باقی ہو گی تو اس کی ادنیٰ سی لغزش اسلام کے وقار کو سخت نقصان پہنچانے کا باعث بنے گی۔

آج جب کہ ہم تبلیغ اسلام کے لیے تحصیل علم کو ہی کافی سمجھتے ہیں اور ریاضت مجاہدہ کو غیر ضروری بلکہ خلافِ اسلام چیز قرار دیتے ہیں۔ تو ہماری تبلیغ کا رنگ ہی بدل گیا ہے۔ نہ کلام میں اثر ہے نہ وعظ و نصیحت کا کوئی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ اور ہماری اخلاقی کمزوریاں قدم قدم پر عیاں ہوتی ہیں۔ اور اسلام کی تضحیک کا باعث بنتی ہیں۔ آپ یوں سمجھئے کہ کفار کے ساتھ گھمسان کی لڑائی شروع ہے۔ آپ سپاہی بھرتی کرتے ہیں کیا آپ انھیں بھرتی کرنے کے بعد فوراً میدان جنگ کی طرف روانہ کریں گے۔ یا پہلے میدان جنگ سے بہت دور ایک چھاؤنی میں بھیجیں گے۔

Marfat.com

جہاں وہ فوجی نظم وضبط کے علاوہ اسلحہ کے استعمال کے ڈھنگ سیکھیں گے اور جب وہ تربیت کے اس مرحلہ کو مکمل کرلیں گے تب وہ اس قابل ہوں گے کہ انھیں میدان جنگ میں کسی محاذ پر متعین کیا جائے اگر آپ عجلت سے سپاہیوں کو فوراً جنگ میں جھونک دیں گے تو وہ دشمن کے بجائے اپنے دوستوں کو نقصان پہنچائیں گے۔ اور کوئی بعید نہیں کہ وہ خود ہی اپنی گولی کا نشانہ بن جائیں۔

عیسائیوں کے نزدیک رہبانیۃ مقصد حیات ہے۔ وہ ہمیشہ کے لیے دنیا سے الگ تھلگ زندگی بسر کرنے میں ہی سلامتی اور نجات سمجھتے ہیں۔ صوفیاء کرام کے ہاں اس قسم کا قطعاً کوئی تصور نہیں۔ صوفیہ کرام کی سوانح حیات کا مطالعہ کیا جائے تو روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انھوں نے دنیا کو ترک کرنے کی تلقین نہیں کی بلکہ دنیا کے بے اعتدالانہ استعمال اور اس کی محبت میں کھو جانے سے منع کیا ہے۔ انھوں نے شادیاں کیں۔ ان کے اہل وعیال تھے۔ ان کے ذاتی مکانات اور مزروعہ اراضی تھیں ان حقائق کی موجودگی میں ان پر رہبانیۃ کا الزام کیوں درست ہوسکتا ہے۔ اور یہ قرآن کریم کا حکم ہے اللہ تعالے اپنے خاص بندوں کی ان الفاظ میں ثنا گستری فرماتا ہے۔

رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ یعنی یہ وہ مردان پاکباز ہیں کہ اللہ تعالے کے ذکر سے انھیں نہ تجارت غافل کرسکتی ہے اور نہ خرید و فروخت۔

حضرت محبوب الٰہی کا ارشاد بھی سماعت فرمایئے:

"ترک دنیا آں نیست کہ کسے خود را برہنہ کند مثلاً لنگوتہ بہ بندد

Marfat.com

ونیشیند ترک دنیا آں است کہ لباس بپوشند، طعام بخورد و آنچہ می رسد دو ابدارد و لجمیع او میل نکند و خاطر را متعلق چیزے ندارد" (فوائد الفوائد)

ترجمہ: "ترک دنیا کا یہ معنی نہیں کہ کوئی آدمی اپنے آپ کو برہنہ کرے اور لنگوٹہ باندھ کر بیٹھ جائے، بلکہ ہمارے نزدیک ترک دنیا یہ ہے کہ لباس بھی پہنے، کھانا بھی کھائے اور حلال کی جو چیز دستیاب ہو اسے استعمال بھی کرے لیکن دولت کو جمع کرنے کی طرف راغب نہ ہو اور دل میں اس کو جگہ نہ دے۔"

یہ اعتراض بڑے زور و شور سے تصوف اور صوفیاء پر کیا جاتا ہے اور اس زمانہ میں تو اس اعتراض نے بڑی اہمیت اختیار کر لی ہے۔ اور شخص جو چند سطریں لکھنے کی صلاحیت کا مالک بن جاتا ہے۔ وہ اہلِ حق پر یہ اعتراض کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتا ہے۔ آئیے پہلے معترضین کی بات سنیں اور اس کے بعد حقیقت کی کسوٹی پر اسے پرکھیں۔

معترضین حضرات کہتے ہیں کہ تصوف ایک افیون ہے۔ اور صوفیاء نے ملت کے قوائے عمل کو مضمحل بلکہ مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔ ان کو اس بات پر اصرار ہے کہ ملت کو چاہیئے کہ تصوف کی بنائی ہوئی ان روپہلی اور سنہری زنجیروں سے اپنے آپ کو رہا کرائیں اور تصوف کی پیدا کردہ خواب آلودہ فضا سے نکل کر حقائق کی تلخیوں سے دو چار ہونے کے لیے تیار ہو جائیں۔

بات یہی ہے لیکن معترضین نے اسے نئے نئے جاذب قلب و نظر اسالیب

Marfat.com

میں بیان کر کے بڑی رنگ آمیزیاں کی ہیں۔

ہم بڑی ذمہ داری اور وثوق کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ یہ الزام سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ان بزرگوں نے ملت کے عروق مردہ میں ہمیشہ نئی روح پھونکی ہے۔ ان کی فیضِ نگاہ سے حوصلوں میں بلندی، عزائم میں پختگی، ولولوں میں جولانی، اور قوتِ عمل میں برق آسا سرعت اور چمک پیدا ہوتی ہے۔ آپ ذرا تعصب کی پٹی اتار دیجئے۔ اور تبلیغ اسلام کی تحریک کے جواں مرد، علمبرداروں کے نقوش پا کو دیکھتے ہوئے ان میدانوں تک پہنچنے کی کوشش کیجئے۔ جہاں حق نے باطل پر ابدی فتح حاصل کی۔ برصغیر پاک وہند پر ذرا سرسری نظر ڈالیئے۔ سنجر کا ایک درویش، تبلیغ اسلام کے جذبہ سے سرشار ہوکر اپنے وطن کو چھوڑتا ہے۔ اپنے اقارب و احباب کو الوداع کہتا ہے۔ اپنی منقولہ اور غیر منقولہ املاک سے دست کش ہوتا ہے اور تنہا بت کدۂ ہند کا رُخ کرتا ہے، یہاں بھی کئی ایسے گوشے تھے جہاں اسلام نے اپنے قدم جما لیے تھے لیکن اس کے حوصلہ کی بلندی اور اس کے عزم کی پختگی اور اس کے جوش کی جولانی اسے راجپوتانہ کے اس علاقہ میں لے جاتی ہے جہاں کفر کی کالی رات چھائی ہوئی ہے۔ ایک آمر مطلق راجہ وہاں کا حکمران ہے۔ اس ظالم راجہ کی اس ریاست کے کسی دور افتادہ گوشہ کو اپنا مسکن نہیں بناتا بلکہ اس کی راج دھانی میں جا کر اپنا مصلی بچھا دیتا ہے۔ ساری آبادی بت پرست ہے۔ اور اپنے ان مشرکانہ عقائد میں حد درجہ غلو رکھتی ہے۔ وہ اپنے ان معبودوں کے خلاف کوئی بات سننا گوارا تک نہیں کر سکتی۔ جگہ جگہ مندر موجود ہیں۔ بڑے بڑے برہمن ان لوگوں

Marfat.com

کے عقائد و نظریات کی حفاظت کے لیے ہر قسم کے علوم و فنون سے مسلح ہیں۔ مسند حکومت پر پرتھوی راج جیسا جابر، ظالم اور متعصب ہندو راجہ براجمان ہے۔ اس ناسازگار ماحول میں جو شخص حق کی دعوت دیتا ہے اور ہر قسم کے خطرات کے لیے سینہ سپر ہوتا ہے۔ اور پھر اسلام کے پرچم کو یوں لہراتا ہے کہ اسے صدیوں کے انقلابات بھی سرنگوں نہیں کر سکتے۔ وہ شخص کون ہے؟ وہ ایک صوفی ہے تصوف کے رنگ میں اس کا ظاہر اور باطن، اس کا ذہن، اس کا دل، اس کی سوچ اور اس کا نطق سب رنگے ہوئے ہیں۔ کیا ایسے شخص کے بارے میں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی تعلیمات، قوائے عمل کو مفلوج کر دینے والی ہیں۔ وہ رزمگاہ حیات سے فرار کا راستہ بتاتا ہے۔ اگر آپ میں یہ جرأت ہے تو آپ کہیے اور کہتے رہیئے، لیکن آپ کے یوں غل مچانے سے حقیقت مسخ نہیں ہو سکتی۔ اسی کی خانقاہ کے فیض یافتہ صوفی ہندوستان کے شرق و غرب میں پھیل جاتے ہیں اور کفر و شرک کا اندھیرا جو صدیوں سے یہاں خیمہ زن تھا اس کو اپنے نعرہ قلندرانہ سے نیست و نابود کر کے رکھ دیتے ہیں۔ کاش! اس قسم کے نفوس قدسیہ ملت کو ہمیشہ نصیب ہوتے۔

شاید معترضین کے علم میں نہ ہو کہ جب چنگیزی طوفان نے دنیائے اسلام کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا، ہزاروں آباد شہر ویران کر دیئے گئے تھے لاکھوں بے گناہوں کو تہ تیغ کر دیا گیا تھا۔ عروس البلاد بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی تھی۔ عقل و دانش کے پرستار اسلام کے مستقبل سے مایوس ہو گئے تھے۔ معلوم ہے آپ کو کہ کس نے ان سرکش طوفانوں کا رخ موڑا تھا کس نے اسلام کے

Marfat.com

دشمنوں کو اسلام کی شمع کا پروانہ بنا دیا تھا۔ وہ یہی صوفیاء کے گروہ کا ایک فرد تھا جس کی ایک نظر نے ساری فضا کو بدل کر رکھ دیا تھا۔ ایک خراسانی بزرگ جو سلسلہ عالیہ قادریہ سے نسبت رکھتے تھے اشارہ غیبی کے تحت ہلاکو خان کے بیٹے تگودار خان کو دعوتِ اسلام دینے کے لیے تشریف لائے وہ شکار سے واپس آ رہا تھا اپنے محل کے دروازے پر ایک درویش کو دیکھ کر اس نے از راہ تمسخر پوچھا: اے درویش! تمھاری داڑھی کے بال اچھے ہیں یا میرے کتے کی دم! اس بیہودہ سوال پر آپ قطعاً برہم نہ ہوئے۔ بڑے تحمل سے فرمایا۔ اگر میں اپنی جاں نثاری اور وفاداری سے اپنے مالک کی خوشنودی حاصل کروں تو میری داڑھی کے بال اچھے ہیں، ورنہ آپ کے کتے کی دم اچھی ہے جو آپ کی فرمانبرداری کرتا ہے۔ اور آپ کے لیے شکار کی خدمت انجام دیتا ہے۔ تگودار خان اس غیر متوقع جواب سے بہت متأثر ہوا اور آپ کو مہمان کی حیثیت سے اپنے پاس ٹھہرایا۔ اور آپ کی کوشش سے اس نے درپردہ اسلام قبول کر لیا۔ لیکن اپنی قوم کی مخالفت کے خوف سے اس کا اظہار نہ کیا۔ پھر انہیں یہ کہہ کر رخصت کیا کہ سرِ دست آپ تشریف لے جائیں میں اپنی قوم کو ذہنی طور پر اسلام قبول کرنے پر آمادہ کر دوں گا۔ چنانچہ آپ وطن واپس آ گئے۔ کچھ عرصہ بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔ وفات سے پہلے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ وہ تگودار خان کے پاس جائے اور اسے اپنا عہد، یاد دلائے۔ کچھ عرصہ بعد وہ تگودار خان کے پاس پہنچے اس کو اپنا تعارف کرایا اور اپنے آنے کی وجہ بتائی۔ اس نے کہا کہ دوسرے تمام سردار اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہیں، لیکن فلاں سردار ابھی اسلام قبول کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اگر وہ راہ راست پر آ جائے تو یہ مشکل

Marfat.com

آسان ہوسکتی ہے۔ آپ نے اسے بلا بھیجا اور تبلیغ کی۔ اس نے کہا: میری ساری عمر میدانِ جنگ میں گزری ہے۔ میں علمی دلائل کو نہیں سمجھ سکتا۔ میرا ایک ہی مطالبہ ہے کہ یہ درویش میرے پہلوان سے مقابلہ کرے اگر اسے پچھاڑ دے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ تگودار خان نے آپ کا نحیف و لاغر جسم دیکھ کر اس مطالبہ کو مسترد کرنا چاہا لیکن آپ نے اس کا چیلنج منظور کر لیا۔ مقابلہ کے لیے تاریخ اور جگہ کا تعین ہو گیا۔ مقررہ دن بے شمار مخلوقات یہ عجیب و غریب دنگل دیکھنے کے لیے جمع ہو گئی۔ ایک طرف نحیف و کمزور پیرِ فرتوت اور دوسری طرف ایک ہیل تن گرانڈیل نوجوان، تگودار خان نے بڑی کوشش کی کہ یہ مقابلہ نہ ہو، لیکن وہ درویش مقابلہ کرنے کے لیے مصر تھا۔ جب دونوں پہلوان اکھاڑے میں نکلے تو آپ نے اس زور سے اپنے حریف کو ایک طمانچہ مارا کہ اس کا سر پھٹ گیا وہ غش کھا کر زمین پر آگرا۔ وہ سردار حسبِ وعدہ میدان میں نکل آیا۔ آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔ تگودار خان نے بھی اپنے ایمان کا اظہار کر کے اپنا نام احمد رکھا۔

ہلاکو خان کا ایک چچازاد بھائی تھا۔ جس کا نام برکہ تھا۔ اسے بھی حضرت شیخ شمس الدین باخوری نے مشرف باسلام کیا اس طرح ان پاک نہاد صوفیاء کی جرأت ایمانی اور دل آویز اسلوب تبلیغ کے طفیل پاسبان مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے فتح قسطنطنیہ، اسلامی فتوحات کی تاریخ کا ایک لافانی واقعہ ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ بائیس سالہ سلطان محمد کو کس نے اس کٹھن مہم کو سر کرنے کے لیے برانگیختہ کیا۔ وہ ایک صوفی تھے (حضرت عاق شمس الدین) جو سلطان محمدؒ کے مرشد طریقت تھے۔ انھیں کی ترغیب اور بشارت سے سلطان نے یہ بے نظیر

Marfat.com

کارنامہ انجام دیا۔

جن صوفیاء کی مساعی جمیلہ کے صدقے دنیا میں اسلام پھیلا، قلعے اور شہر فتح ہوئے۔ قوموں اور ملکوں کے مقدر سنور گئے۔ ان کے بارے میں اسی ملت کے افراد اگر یہ کہیں کہ تصوف ایک افیون ہے۔ یہ غور و فکر کی قوتوں کو شل کر دیتی ہے قوائے عمل کو اپاہج بنا دیتی ہے۔ تو اس زیادتی پر کس سے شکوہ کیا جائے۔

آئیے بیگانوں سے پوچھئے کہ وہ صوفیاء کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"یورپ کے مستشرق جب اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو انھیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا سیاسی زوال کبھی ان کے دینی نظام کو تباہ نہ کر سکا، بلکہ بقول پروفیسر ہٹی (HITTI) اکثر ایسا ہوا کہ سیاسی اسلام کے تاریک ترین لمحات میں مذہبی اسلام نے بعض نہایت شاندار کامیابیاں حاصل کیں۔ ہالینڈ کے ایک فاضل لو کے کارو نے دبے انداز میں اس بات پر استعجاب کا اظہار کیا ہے کہ گو اسلام کا سیاسی زوال تو بارہا ہوا لیکن روحانی اسلام میں ترقی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔" (تاریخ مشائخ چشت ص۹)

پروفیسر مذکور نے ایک مشہور مستشرق ایچ اے آر گب (GIBB) کی ایک تقریر کا بھی حوالہ دیا ہے۔ جو انھوں نے آکسفورڈ یونیورسٹی کی مجلس کے سامنے کی تھی۔ گب نے کہا:

"تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا

شدت سے مقابلہ کیا گیا، لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہو سکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تصوف یا صوفیاء کا اندازِ فکر فوراً اس کی مدد کو آجاتا تھا۔ اور اس کو اپنی قوت اور توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔

اسلام کے مخالف اور بدخواہ تو اس طوفانی قوت کا اندازہ کر کے لرزہ براندام ہیں جو تصوف کے چشمۂ شیریں سے ملت کو حاصل ہوتی ہے۔ ادھر ہم ہیں کہ اس احساس کمتری میں مبتلا ہیں اور شکوک و شبہات کے خس و خاشاک سے اس چشمہ صافی کو گدلا کرنے کے درپے ہیں۔

تحریکِ پاکستان میں صوفیاء کرام نے جو شاندار کردار انجام دیا ہے یہ تو کل کی بات ہے۔ اس کا کون انکار کر سکتا ہے۔

عصر حاضر مادیت گزیدہ ہے۔ ہر شخص مادی ثروت، مادی لذتوں، اور مسرتوں اور مادی جاہ و منصب کے حصول کے لیے دیوانہ وار مصروفِ عمل ہے۔ اس دور میں اسے اس کی قطعاً کوئی پرواہ نہیں کہ پاکیزہ اخلاقی قدریں کس طرح پامال ہو رہی ہیں۔ روحانیت کا رُخِ زیبا کیوں کر مسخ ہو رہا ہے۔ اور دل کی دنیا طمع و حرص اور حسد و بغض کی آلائشوں سے کس قدر متعفن ہو رہی ہے۔ اگر یہ دیوانگی ہمیں کسی اچھے انجام سے دوچار کر دیتی تو ہم قطعاً اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہ کرتے، لیکن ہم کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ہم بڑی سرعت سے زوال و انحطاط کے قریب ہوتے جا رہے ہیں، اور یہ ایسا گڑھا ہے جس میں جو قوم گری ہے پھر اسے ابھرنا نصیب نہیں ہوا۔ ملت کے بہی خواہوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنی جملہ علمی، روحانی اور عملی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنی ملت کو اس

Marfat.com

گڑھے میں گرنے سے بچائیں اس کا موثر ترین طریقہ یہ ہے کہ ان پاکیزہ فطرت ہستیوں کی زندگی کا مرقع ریبا پیش کریں جہاں للہیت، خلوص، قناعت، استغنا، عالی حوصلگی، جرأت، سخاوت اور ہر انسان سے بے پناہ ہمدردی کے انوار قلب و نظر کو روشنی بخش رہے ہوں۔ اور یہ ساری خوبیاں اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ صوفیاء کرام کے سوانح حیات میں ہی دستیاب ہو سکتی ہیں۔

اسی فرض کی ادائیگی کے احساس نے مجھے مجبور کیا ہے کہ اپنے نوجوانوں کی خدمت میں اس یگانہ روزگار درویش، اس فقید المثال مرد حق، سراپا نور و ضیاء مرشد و ہادی کی سیرت طیبہ کے چند دلنواز پہلو پیش کر کے ان وارفتگان حسن غیر کو یہ کہہ کر جھنجھوڑ سکوں ؎

اے تماشا گاہ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشا مے روی

اس کے علاوہ میرے اس اقدام کا محرک ایک اور جذبہ بھی ہے جو میرے نزدیک بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ وہ یہ کہ جو حضرات اس مسلک درویشی سے منسلک ہیں انھیں ایک سچے اور سُچے درویش سے متعارف کراؤں تاکہ انھیں پتہ چلے کہ اس کی اخلاقی بلندیوں، اس کی روحانی رفعتوں، اس کے کردار کی پختگی اور اس کے حوصلوں کی جولانیوں کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ جب وہ مرید ہوتا تو کس حیرت انگیز لگن، استقامت اور اولوالعزمی سے سلوک کے مدارج طے کرتا ہے۔ اور جب وہ مسند ارشاد کو زینت بخشتا ہے تو کس دل سوزی اور یک سوئی سے بادیہ ضلالت میں سرگرداں رہنے والوں کی دست گیری کر کے انھیں واصل بحق

ل: آپ کا یہ مقالہ ماہنامہ ضیائے حرم کے شمس العارفین نمبر سے لیا گیا۔ یہ جملے حضرت خواجہ شمس العارفین رح کے متعلق ہیں۔

کرتا ہے۔ اس کی پاک زندگی کے دونوں حصے عمل پیہم اور سعی مسلسل سے عبارت ہوتے ہیں۔ سستی اور کاہلی اس کے قریب تک نہیں پھٹکتی۔ اس کا ظاہر اور باطن محبت الٰہی کے رنگ میں رنگا ہوتا ہے اور اس کے قول اور عمل میں تضاد کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔ تاکہ اکابر اولیاء کرام کے سجادہ نشین حضرات اپنے اسلاف کرام کے اسوہ حسنہ سے کسب فیض کر کے اسی جواں ہمتی، بالغ نظری کا ثبوت دیں اور اپنی تمام توانائیاں اسلام کو سربلند کرنے کے لیے وقف کر دیں۔

آخر میں ایک ادنیٰ گزارش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ کسی ولی کامل کے سجادہ نشین کی ذمہ داریاں بڑی اہم اور متنوع قسم کی ہوتی ہیں۔ عقیدت مندوں کی اپنے شیخ کے جانشین سے بڑی توقعات وابستہ ہوتی ہیں۔ وہ اپنے نجی اور اجتماعی، مقامی اور ملکی، دینی اور سیاسی جملہ معاملات میں اس سے رہنمائی کی توقع رکھتے ہیں۔ اس لئے صاحب سجادہ کے لیے ضروری ہے کہ علم وفضل میں بھی بلند پایہ رکھتا ہو اور اخلاق و کردار میں بھی مثالی حیثیت کا مالک ہو۔ اس لیے حضرات سے درخواست ہے کہ اپنی صوری یا معنوی اولاد میں سے جس فرزند کو وہ اپنی جانشینی کے لیے منتخب فرما دیں۔ اس کی تعلیمی اور اخلاقی تربیت کی طرف خصوصی توجہ مبذول فرما دیں۔ وہ قدیم اور جدید علوم کا ماہر ہو۔ مشہور عالم یونیورسٹیوں کا وہ فاضل ہو۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا اخلاق اور کردار اتنا بلند ہو کہ کوئی بدخواہ بھی انگشت نمائی نہ کر سکے۔ ایسے ہونہار سپوت ہی اس پُرفتن دور میں فقر و درویشی کی شمع کو روشن رکھ سکتے ہیں۔

علامہ اقبال نے سچ فرمایا ہے ؎

Marfat.com

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

مخالفین اس سلسلہ کو باوجود بڑی کوشش کے نہ نقصان پہنچا سکے اور نہ آئندہ پہنچا سکیں گے ہمیں جو نقصان پہنچایا ہے جاہل اور کمزور کردار کے مالک متصوّفین نے پہنچایا ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

اسلام میں تصوّف کا مقام

جنوری ۱۹۷۹ء میں پاک پتن شریف میں شیخ العالم حضرت
خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ کے عرس مبارک پر
مدیر اعلیٰ ماہنامہ "ضیائے حرم" حضرت پیر محمد کرم شاہ ایم۔اے
(الازہر) نے مشائخ عظام اور علمائے کرام کے عظیم الشّان
اجتماع میں جو بصیرت افروز تقریر فرمائی وہ
قارئین کی ضیافتِ طبع کے لیے
حاضرِ خدمت ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اگلے روز حضرت قبلہ دیوان صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ کا حکم نامہ ملا جس میں تحریر تھا کہ حضرت شیخ الشیوخ، فرید الحق والدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے عرس مبارک کے موقع پر جمعیۃ المشائخ کی طرف سے مجالس تصوّف کا انعقاد عمل میں آ رہا ہے، نیز اس ذرّہ ناچیز کو بھی "اسلام میں تصوف کا مقام" کے موضوع پر مقالہ پیش کرنے کا فرمان تھا۔

اس گرامی نامہ کے مطالعہ سے مجھے دوگونہ مسرت ہوئی۔ ایک اس لیے کہ اس مردِ خود آگاہ اور خدا آگاہ قدس سرّہٗ کے آستانہ عالیہ پر لاکھوں فرزندانِ اسلام حاضری دیتے ہیں۔ ان میں ہر شعبۂ حیات سے تعلق رکھنے والے لوگ ہوتے ہیں اہلِ نظر بھی، اہلِ خیر بھی۔ دیوانگانِ عشق بھی اور اقلیمِ عقل و خرد کے تاجور بھی، حاکم بھی اور رعایا بھی، خاص بھی اور عام بھی۔ پاکستان کے ہر صوبہ، ہر صوبہ کے ہر ضلع کے رہنے والے اپنے دلوں میں ارمانوں اور تمناؤں کی ایک حسین دنیا سمیٹے ہوئے حاضر ہوتے ہیں، لیکن جب وہ واپس جاتے ہیں تو کیا لے جاتے ہیں، یہ سوال ہر دل میں کھٹکتا ہے۔ صاحبِ آستانہ کی باطنی توجہ اور روحانی فیضان

Marfat.com

میں تو کلام نہیں لیکن ظاہری طور پر ان کی صحیح راہنمائی کا کوئی اہتمام نہیں ہوتا جس دلربا ہستی کی کشش انہیں کشاں کشاں یہاں لے آئی ہے۔ اس کے کردار اور سیرت کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے ان کی آنکھیں ترستی ہی رہ جاتی ہیں، ملک کے اطراف و اکناف سے آنے والوں کی تشنگی کا درماں کرنے کے بارے میں کچھ کیا جاتا ہے اور نہ سوچا جاتا ہے۔ یہ حالت آستانہ عالیہ کے ہر ذی ہوش عقیدت مند کے لیے بڑے کرب اور قلق کا باعث تھی۔

حضرت قبلہ سجادہ نشین مدظلہ العالی کی نگاہِ دوررس نے اس کسک کو محسوس کیا اور امسال اپنی نگرانی میں مجالسِ تصوف کے انعقاد کا اہتمام فرمایا۔ امید ہے اس اقدام سے یہ کمی بہت حد تک پوری ہو جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس پروگرام کا آغاز کم از کم میرے لیے بڑا دل خوش کن ہے۔

دوسری خوشی مجھے یہ ہوئی کہ ان بابرکت مجالس میں اس درویشِ بے نوا کو بھی یاد فرمایا گیا۔ یہ امر میرے لیے صد فخر و مباہات کا باعث ہے۔

خوشیوں کے اس ہجوم میں ایک خلش مجھے مضطرب کر رہی ہے کہ جو اہم و ارفع موضوع مجھے دیا گیا ہے، شاید اس کا حق میں ادا نہ کر سکوں۔ اس کی وجہ اپنی کم بضاعتی بھی ہے اور وقت کی تنگی بھی۔ مجھے ۲ / دسمبر دس گیارہ بجے کے قریب یہ والا نامہ موصول ہوا ہے، قلتِ وقت کے پیشِ نظر میں اس موضوع سے انصاف نہیں کر سکا۔ بہر حال توفیقِ الٰہی سے جو کچھ ہو سکا، پیشِ خدمت ہے۔

آج تصوف پر ہر طرف سے یورش ہو رہی ہے۔ الزام تراشی میں ایسی جدت طرازیاں اور ندرت آفرینیاں برتی جا رہی ہیں کہ انسان حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔

Marfat.com

بیگانے تو عرصہ دراز سے تیر افگنی میں مشغول تھے۔ انھیں ایسا کرنے کا حق بھی تھا۔ تصوف نے ان کے ظلمت کدوں کے اندھیروں کا خاتمہ کر دیا تھا۔ وہ اندھیروں کی مخلوق تھے۔ اس چکاچوند نے ان کی دنیا تاریک کر دی، ان کی بزم عیش و نشاط الٹ دی گئی۔ ان کے ہوا و ہوس کے صنم کدے ویران ہو گئے۔ ان کی عمرانی، معاشی اور معاشرتی قدریں جو انھیں بے حد عزیز تھیں اپنی قدر و قیمت کھو بیٹھیں۔ تصوف اور اس کے حاملین کے ہاتھوں جنھیں اتنے چرکے لگے ہوں، ان کی برہمی اور ناراضی بے جا نہیں۔ اپنی آتشِ انتقام کو بجھانے کے لیے اگر انھوں نے کذب و افترا کا سہارا لیا تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں، اور نہ ہمیں ان کا شکوہ کرنا زیب دیتا ہے۔ لیکن حیرت کی بات تو یہ ہے کہ اب اپنے بھی تیشہ اور کدال لئے اس حصارِ محکم کو منہدم کرنے کے در پے ہیں، جن کو کئی صدیاں اس قلعہ نے حوادثاتِ دہر کی بے رحم ملغاروں سے بچایا۔ وہ لوگ بھی اس چشمۂ شیریں کو بند کرنے میں کوشاں ہیں، جس کے آبِ زلال نے ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے گلستانوں کو شاداب کیا اور پر بہار رکھا۔ جس قوم کی تاریخ تصوف کے تخلیقی اور تعمیری کارناموں سے درخشاں ہے، وہی قوم اب اس سے نالاں ہے۔

یہ صورتِ حال قابلِ برداشت نہیں۔ وہ لوگ جو تصوف کی افادیت کے قائل ہیں، جو اس کے دور رس اثرات کا علم رکھتے ہیں۔ ان کا فرض ہے کہ وہ آگے آئیں ذہنی انتشار کی پیدا کردہ ہولناک تاریکیوں میں اپنی تحقیق کے چراغ روشن کریں تاکہ سالک راہ حقیقت بھٹک نہ جائے۔ اور دامانِ خضر اس کے ہاتھ سے چھوٹ نہ جائے۔

Marfat.com

سب سے پہلے میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ تصوف ہے کیا؟ اس مقصد کے لیے میں فقط ان اولیاء و عارفین کے ارشادات پر اکتفا کروں گا، جو کشورِ تصوف کے تاجدار ہیں، جو بحرِ حقیقت کے ماہر غوّاص ہیں۔ جن کا قول، قولِ فیصل ہے۔ جن کی بات قطعی اور آخری ہے۔ جب تصوف کی صحیح تعریف آپ کے ذہن نشین ہو جائے گی، تو پھر منزل کی طرف آگے بڑھنا آسان ہو جائے گا۔

حضرت معروف کرخی (م ۲۰۰ - ۸۱۶ء) تصوف کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حقائق کو گرفت میں لانا، دقائق پر گفتگو کرنا اور خلائق کے پاس جو کچھ ہے، اس سے ناامید ہونا تصوف ہے۔" (تذکرہ الاولیاء صـ۱۷۴)

حضرت ذوالنون مصری (م ۲۴۵ھ، ۸۵۹ء) سے پوچھا گیا کہ صوفی کون لوگ ہیں، فرمایا:

"وہ لوگ صوفی ہیں، جنھوں نے تمام کائنات میں سے صرف اللہ تعالیٰ کو پسند کیا۔"

حضرت سہل بن عبداللہ تستری (م ۲۸۳ھ، ۸۹۶ء) کا ارشاد ہے:

"صوفی وہ ہے جس کا دل کدورت سے خالی اور تفکر سے پُر ہو، اور قربِ خدا عزوجل میں لبشر سے منقطع ہو، اس کی آنکھوں میں خاک اور سونا برابر ہو۔"

حضرت جنید بغدادی (۲۹۷ھ ۹۱۰ء) کا ارشادِ گرامی ہے:

"صوفی وہ ہے، جس کا دل دنیا سے متنفر اور فرمانِ الٰہی کو ماننے والا

Marfat.com

ہو۔ اس میں تسلیم، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی طرح، اندوہ حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح، فقر حضرت عیسٰے علیہ السلام کی طرح، صبر حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح، شوق حضرت موسٰی علیہ السلام کی طرح اور اخلاق سیّد الانبیاء والمرسلین محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح ہو۔"

(تذکرۃ الاولیاء)

ان تصریحات کے الفاظ میں تفاوت ضرور ہے، لیکن مدعا اور مقصد سب کا ایک ہے۔

حضرت شیخ کامل شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب "عوارف المعارف" میں "صوفی کون ہے" کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"شیخ عبدالواحد سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کے نزدیک صوفی کون ہے، آپ نے جواب دیا کہ میرے نزدیک صوفی وہ لوگ ہیں جو اپنی عقل کے بقدر بہم سنت رسولِ اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر قائم ہیں اور اپنے دلوں کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہیں اور اپنے نفوس کی شرارتوں سے بچنے کے لیے اپنے پیشوا اور سردار کا دامن پکڑے ہوئے ہیں۔"

جب صوفیائے کاملین کے نزدیک تصوف اور صوفی کی یہ تعریف ہے تو اب میں ان مدعیانِ علم و دانش سے پوچھتا ہوں جو تصوف کو غیر اسلامی نظریات کا مجموعہ عجمی افکار و تصوّرات کا مظہر کہتے ہوئے نہیں جھجکتے کہ کیا پوری یکسوئی سے اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع، اس کے ہر حکم کی تعمیل۔ اس کی رضا کے حصول کے لیے

Marfat.com

سارے عالم سے روٹھنا اور اس کے حبیبِ مکرم، نورِ مجسم سے والہانہ عقیدت و محبّت اسلام کی تعلیمات کا خلاصہ نہیں، اور وہ شخص جو ان احوال سے بہرہ ور ہو، جو ہر ناشائستہ حرکت سے گریزاں اور تمام محامد و محاسن کا پیکرِ رعنا ہو، کیا وہ اسلامی تعلیمات کا حسین و جمیل نمونہ نہیں؟ کیا ایسے پاک نہاد کی نکھری ہوئی شخصیت اسلام کی حقانیت کی روشن دلیل نہیں؟ اگر آپ ان تعلیمات کو غیر اسلامی گردانتے ہیں اور ایسے نفوس قدسیہ کو عجمی تصوّرات و افکار کا نمائندہ کہنے پر بضد ہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ اسلام کو اس کی عظمتوں اور رفعتوں سے محروم کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ آپ اپنی ملت کو ان نادرۂ روزگار اور فخرِ دہور و اعصار ہستیوں سے محروم کر دینا چاہتے ہیں جو اسلام کی آبرو اور انسانیت کے لیے وجہ شرف ہیں۔

معترضین میں سے کوئی اسلامی تصوف کو مسیحی رہبانیت کا عکس قرار دیتا ہے، کوئی افلاطونیت کے فلسفہ کو اس کا ماخذ قرار دیتا ہے۔ کوئی اس کا رشتہ بدھ مت اور ہندو مت سے جوڑتا ہے۔ کوئی مانویّت اور ایرانی فلسفہ کو اس کا سرچشمہ ثابت کرنے کے درپے ہے۔ تصوف سے بیر رکھنے والے لوگ بھانت بھانت کی بولیاں بولتے ہیں۔ ان میں خود بھی وحدتِ فکر مفقود ہے۔ البتہ ایک بات میں سب متحد ہیں کہ تصوف کی پاکیزہ تعلیمات کا تعلق اسلام سے نہیں۔ میرا جی تو چاہتا ہے کہ میں ان تمام غیر اسلامی مصادر و مراجع کا تجزیہ کروں، جن کو مستشرقین اور ہمارے ہاں محققین کہلانے والے تصوف کا ماخذ ثابت کرتے ہیں اور بتاؤں کہ تصوف ان تمام سے الگ، ان تمام تصورات سے جدا، ایک مستقل نظریہ ہے۔

Marfat.com

جس کا سرچشمہ صرف قرآنِ حکیم اور سنتِ رسولِ کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے، لیکن وقت کی کمی اس کی اجازت نہیں دیتی۔

امید ہے حاضرین کے سامنے یہ بات واضح ہو گئی ہو گی کہ صوفیائے کاملین کے نزدیک تصوف اور صوفی کا کیا مفہوم ہے اور ان کی تصریحات کے سامنے کسی نولڈیکی دان کریمر اور نکلسن کے اقوال کی کوئی اہمیت نہیں۔

مسلمانوں میں بھی بعض مدعیان علم و تحقیق ایسے ہیں جو تصوف کو عجمی تصورات کا مجموعہ سمجھتے ہیں اور تصوف پر تنقید کرتے ہوئے بڑے شد و مد سے یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی موجودہ سیاسی پستی اور معاشی بدحالی کی وجہ صوفیانہ نظریات ہیں۔ تصوف اپنے ماننے والوں کو رہبانیت کی زندگی گزارنے کی دعوت دیتا ہے۔ کش مکش حیات سے الگ تھلگ رکھتا ہے، تصوف کے زیر اثر عملی قوتیں مفلوج ہو جاتی ہیں۔ اور انسان کارگاہِ حیات میں اپنا فرض ادا کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ اپنے اس قول کی تائید کے لیے وہ صوفیاء کرام کی چلّہ کشی، ریاضات و عبادات اور خانقاہوں میں عزلت گزینی کو پیش کرتے ہیں، لیکن اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے تو حقیقت اس کے برعکس ہے۔ بے شک شیخ کامل مرید سے چلہ کشی کراتا ہے۔ یہاں وہ علائقِ دنیا سے الگ رہتا ہے۔ ذکر و فکر میں چند روز گزارتا ہے لیکن جب مبتدی ریاضات و عبادات اور چلہ کشیوں سے اپنے کردار اور سیرت کو اسلام کے حسین سانچے میں ڈھال لیتا ہے اور احکامِ الٰہیہ کی تعمیل اس کے لیے فطرتِ ثانیہ بن جاتی ہے۔ اور اس کے اخلاق میں پختگی آجاتی ہے۔ اس وقت وہ شمشیرِ برہنہ بن کر میدانِ عمل میں قدم رکھتا ہے اور وہ کارنامے انجام دیتا ہے۔

Marfat.com

جن کی نظیر ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔ اس کی مثال بعینہٖ ایسی ہے، جیسے فوج میں رنگروٹ کو بھرتی کیا جاتا ہے، اسے کچھ عرصہ کے لیے چھاؤنی میں رکھ کر اس کی عسکری تربیت کی جاتی ہے، تاکہ وہ اپنے بچاؤ کے ساتھ دشمن پر مؤثر دھابوا بول سکے۔ اسے اسلحہ کو استعمال کرنے کی پوری پوری مشق کرائی جاتی ہے۔

اگر کوئی ملک، دشمن سے برسرِ پیکار ہو، اور جنگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں اس وقت بھی جن لوگوں کو فوج کے لیے بھرتی کیا جاتا ہے، انھیں فوراً محاذِ جنگ پر نہیں بھیج دیا جاتا بلکہ انہیں تربیت کے لیے لامحالہ چھاؤنی میں رکھا جاتا ہے جب وہ ہتھیار چلانے کی مشق کر لیتے ہیں، لڑائی کرنے کے طریقے سیکھ لیتے ہیں تب انھیں دشمن کا سر کچلنے کے لیے روانہ کیا جاتا ہے۔ اگر انھیں ٹریننگ کے بغیر میدانِ جنگ میں بھیج دیا جائے تو وہ دشمن کا نقصان کرنے کے بجائے اپنے لشکر کے لیے وبالِ جان بن جائیں گے۔

پہلے اکثر علماء تکمیلِ علوم کے بعد تلاشِ مرشد میں شہر بہ شہر سرگرداں رہا کرتے اور جب کوئی مردِ کامل نظر آتا تو اس کے دستِ حق پرست پر بیعت کرتے اور اس کی خانقاہ میں رہ کر روحانی تربیت حاصل کرتے۔ اور جب ان میں دینی پختگی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں تو پھر مرشدِ کامل انھیں لوگوں کی رشد و ہدایت کے لیے کسی علاقے میں متعین فرماتا۔ اس طرح اس کا روحانی فیض ہزاروں، لاکھوں کی بگڑی بنا دیتا۔ اس لیے چلّہ کشی اور ریاضت، رہبانیت نہیں، جس طرح ہمارے بعض احباب کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ بلکہ رزمگاہِ حق و باطل میں اپنا صحیح کردار انجام دینے کے لیے یہ تربیّت کے لمحے ہیں، جو اس کی زندگی کو کامیاب بنانے

Marfat.com

کے لیے ازبس مفید ہیں۔

آپ اولیائے کاملین کی سیرت کا مطالعہ کیجیئے، ان کی کتاب زیست کا ہر ورق جہاد اور مجاہدے کے رُوح پُرور کارناموں سے تابندہ ہے ۔ ہم ہندوستان کی تاریخ پر ہی نظر ڈالتے ہیں۔ بے شک حضرت خواجہ غریب نواز معین الحق والدین نے تحصیلِ علم کے بعد کافی سال اپنے مرشدِ کامل حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی خانقاہ میں گذارے۔ یہ مدت بے شک خلوت اور عزلت کی تھی۔ اس عرصہ میں ان کی تمام تر توجہ اصلاحِ باطن اور تزکیہ قلب پر مرکوز رہی، لیکن جب سلوک کی یہ منزلیں طے کر کے مسندِ ارشاد پر فائز ہوئے تو آپ کے عزم محکم ہمت بلند نے کفر و باطل کے جو قلعے سر کیئے۔ شرک کے جن صنم کدوں کو پیوندِ خاک کیا۔ دنیا کا کوئی بڑا فاتح اور جرنیل بھی اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتا۔ اس دور میں جب ہر طرف آمریت اور ملوکیت کا دَور دَورہ تھا۔ یکّہ و تنہا، لق و دق صحراؤں کو عبور کرتے ہوئے راجپوتانہ کی مرکزی ریاست اجمیر میں آکر ڈیرا لگانا، کسی راہب کا کام نہ تھا، بلکہ اس مردِ خدا کا کام تھا، جو خطرات کی آندھیوں میں اپنا چراغ روشن رکھنے کی صلاحیّت رکھتا تھا، جو مہلک گردابوں اور تند طوفانوں سے اپنا سینہ سلامتی سے نکال کرلے جا سکتا تھا۔ جو مشکلات کا ہر چیلنج قبول کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار تھا، جس کے نزدیک راہِ حق میں جان دینا حیاتِ جاوید تھی، جس کے دل کی دنیا میں کسی رائے پتورا کے لیے کوئی جگہ نہ تھی، وہ صرف اپنے خدا سے ڈرتا تھا اور صرف اس کے حکم کے سامنے اس کی گردن جھک سکتی تھی۔

Marfat.com

جس جرأت، بہادری اور ہمت سے حضرت خواجہ غریب نواز نے تبلیغ اسلام کا کام کیا، اور لاکھوں برگشتہ قسمت لوگوں کی تقدیر کو سنوار دیا۔ کیا یہ راہبانیت ہے؟ کیا یہ کش مکشِ حیات سے گریز اور فرار ہے؟ یہ سلسلہ آپ کے خانوادہ میں درجہ بدرجہ چلتا آیا۔ حضرت فرید الحق والدین گنج شکر رضی اللہ عنہ نے اپنے شیخ کی خانقاہ میں مراتب سلوک طے کئے۔ جب ریاضات وعبادات سے آپ کی تربیت مکمل ہو گئی تو اپنے شیخ طریقت کی اجازت سے آپ نے اس مبارک بستی میں اقامت اختیار کی اور زندگی کے بقیہ چند سالوں میں جو نورانی اور ایمان پرور انقلاب برپا کیا۔ جہالت و بربریّت کے دلدل میں پھنسے ہوئے لوگوں کو علم و معرفت کی جو روشنی عطا فرمائی۔ اس کی عظمت اور اہمیت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ جن جنگلی قبائلی لوگوں کو آپ نے نورِ اسلام سے مشرف فرمایا صدیاں گزر جانے کے بعد بھی ان کی اولادیں اس سبق کو یاد کئے ہوئے ہیں! اور اگر حضرت باواصاحب اور دیگر صوفیاء کرام کی مساعیٔ جمیلہ سے یہ خطّہ نورِ اسلام سے منوّر نہ ہوتا تو پاکستان کا تصور تک بھی کسی ذہن میں نمودار نہ ہوتا۔

اب بھی اس درگاہ عالی کے فیوضات کا یہ عالم ہے کہ لوگ روتے روتے آتے ہیں اور ہنستے ہوئے واپس جاتے ہیں شکستہ دل آتے ہیں تو ان کی دلداریاں کی جاتی ہیں۔ فسق و فجور سے آلودہ آتے ہیں اور سچی توبہ کر کے پاکیزہ زندگی لبسر کرنے کا عزم لے کر جاتے ہیں۔ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ سپہر فقر و ولایت کے اس نیر اعظم کی تابانیوں کو دیکھنے کے بعد بھی لوگ یہ کہنے کی جرأت کیونکر کرتے ہیں کہ تصوف افیون ہے۔ یہ قوائے عمل کو ناکارہ کر دیتی ہے۔ زندگی کے متلاطم سمندر میں کودنے

Marfat.com

کی جرأت سلب کر لیتی ہے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ وہ عزم جو شکست قبول ہی نہیں کر سکتا وہ دل میں پیدا ہی اس وقت ہوتا ہے، جب کسی مردِ کامل کی نگاہ کرم پڑتی ہے۔

ہندوستان میں نو صدیوں پر پھیلی ہوئی اپنی تاریخ کا آپ مطالعہ کریں۔ آپ کو پتہ چلے گا کہ جن سلاطین کی شجاعت اور بیدار مغزی کے ہم گن گاتے ہیں، جن سپہ سالاروں کی کشور کشائیوں کا ذکر کر کے ہمارا سر فخر سے بلند ہو جاتا ہے، جن علماء اور فضلاء کے علمی کارناموں سے ایک دنیا فیض یاب ہوئی، وہ قادر الکلام اور نغز گو شعراء جنھوں نے اپنے کلام معجز نظام سے نیکی اور بھلائی کو فروغ دیا اور برائی اور بدی کی بیخ کنی کی۔ ان میں سے اکثر کسی نہ کسی مردِ کامل کے بستہ فتراک تھے۔ محمود غزنوی سے لے کر شہاب الدین غوری، قطب الدین ایبک، شمس الدین التمش، اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ تک سب اولیا کرام کے فیض یافتہ تھے۔ صرف ہندوستان تک ہی محدود نہیں، جہاں جہاں بھی اسلام کے جرنیلوں نے اپنی فتوحات کے پرچم گاڑے ہیں۔ ان کی پشت پناہی کرنے والی کوئی روحانی طاقت تھی قسطنطنیہ کی فتح دنیائے حرب کا محیر العقول کارنامہ ہے۔ جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ جس ترکی سلطان کو اس شہر کی فتح کی سعادت نصیب ہوئی، اس کا نام نامی سلطان محمد ہے، جو فاتح کے لقب سے چار دانگِ عالم میں مشہور ہے۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ اس خطرناک مہم کا محرک کون تھا؟ اور کس نے سلطان محمد فاتح کو یہ سعادت حاصل کرنے کا شوق دلایا؟ وہ اس کے شیخِ طریقت تھے۔ سلطان کی عمر اس وقت صرف بائیس سال تھی۔ ان کے مرشدِ کامل نے کہا کہ تم قسطنطنیہ

Marfat.com

پر حملہ کرو۔ اللہ تعالیٰ تمھیں کامیابی عطا فرمائے گا۔ اپنے شیخ طریقت کی ترغیب اور تشویق پر سلطان محمد فاتح نے جنگوں کی تاریخ کا یہ محیر العقول کارنامہ انجام دے کر دانش وران عالم اور ماہرین فن حرب کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ اگر صوفیا راہبانہ زندگی گزارنے کے خوگر ہوتے، اور تصوف افیون ہوتا، تو آپ کی تاریخ ان زریں کارناموں سے جگمگا نہ رہی ہوتی۔

اکبر کے زمانہ میں جب ساری الحادی قوتیں اسلام کو مٹانے کے لیے میدان میں نکل آئی تھیں، آپ کو معلوم ہے کہ اس طوفانِ بلاخیز کا رُخ کس نے موڑا تھا۔ وہ ایک مرد درویش تھا۔ جو خواجہ باقی باللہ کی خانقاہ کا تربیت یافتہ تھا۔ جو فقرو درویشی کی آغوش میں پل کر جوان ہوا تھا۔ جسے دنیا مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے یاد کرتی ہے۔

یہ تاریخی شواہد ان لوگوں کے باطل نظریہ کی تردید کے لیے کافی ہیں، جو تصوف پر طرح طرح کے الزام لگاتے ہیں۔

خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ تصوف وہ نظام ہے جو انسان کی صرف جسمانی تربیّت کی طرف متوجہ نہیں ہوتا بلکہ اس کی روحانی بالیدگی پر اپنی ساری مساعی کو وقف کر دیتا ہے۔ اس کے مکتب کے طالب علم جب نماز ادا کرتے ہیں تو صرف ان کی زبان ہی تسبیح و تہلیل نہیں کرتی۔ ان کے ظاہری اعضاء ہی قیام اور رکوع و سجود میں مصروف نظر نہیں آتے، بلکہ ان کا دل، ان کی روح، ان کے جسم کا رُواں رُواں ذکرِ الٰہی سے سرشار ہوتا ہے۔ ان میں تواضع، انکسار، بردباری، تحمل، ایثار، عفوو درگزر، محبت و مودّت کے وہ مکارمِ اخلاق رونما ہوتے ہیں کہ دنیا ان کے نورانی

Marfat.com

چہرہ کی زیارت کر کے ان کا دین قبول کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے جب کسی نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلقِ عظیم کے بارے میں پوچھا تو آپ نے از حد مختصر اور جامع جواب دیا:

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰن

یعنی حضور کا خلق قرآن کریم تھا۔

اخلاق محمدی کا یہی پرتو صوفی کے دل کو منور کرتا ہے اور اس کے ظاہر و باطن کو صبغۃ اللہ و من احسن من اللہ صبغۃ کے رنگ میں سے رنگیں بنا دیتا ہے ــــــ کسی انسان کو صحیح انسان بنانا سب کاموں سے زیادہ اہم اور زیادہ مشکل کام ہے۔ اور جو ہستیاں ایک نہیں، لاکھوں کو درندگی اور وحشت کی آلودگیوں سے پاک کر کے رأفت و رحمت کا پیکر بنا دیتی ہیں۔ ان سے بڑھ کر انسانیت کا محسن اور کون ہو سکتا ہے۔

تصوف کی تاریخ اور صوفیاء کرام کی پاکیزہ زندگیوں کو دیکھ کر ایک منصف مزاج محقق اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اسلام میں تصوف کا وہی مقام ہے، جو روح کا جسم میں، خوشبو کا پھول کی پتی میں اور روشنی کا مہتاب میں ہے۔ جب سے تصوف کی طرف ہماری رغبت کم ہوئی ہے، عبادات کے گلشن میں جو پھول کھلتے ہیں، وہ اس مہک سے عاری ہیں۔ اعمال کے جو درخت ہیں، وہ پھل سے محروم ہیں۔ جسم تو بارگاہِ الٰہی میں جھکتا ہے، لیکن روح کو خبر تک

Marfat.com

نہیں ہوتی۔ زبان تسبیح و تہلیل میں مصروف ہوتی ہے، لیکن دل کسی اور صحرا میں بھٹک رہا ہوتا ہے۔ نہ عبادات میں لطف رہا ہے اور نہ ان اعمال کی نورانیت کے جلوے نمایاں ہوتے ہیں۔

Marfat.com

حضرت خواجہ

شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ

اور

ان کا عہد

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صحیح روایات کے مطابق قدوۃ العاشقین حضرت قبلہ شمس الحق والدین سیالوی قدس سرہٗ العزیز کی ولادت با سعادت ۱۲۱۴ھ میں ہوئی اور ۸۴ سال کی عمر میں ۱۳۰۰ھ میں وصال فرمایا۔ عیسوی سن کے مطابق یہ انیسویں صدی کا دور بنتا ہے۔ جو لوگ تاریخ ہندوستان سے واقف ہیں۔ ان پر مخفی نہیں کہ یہ دور امت مسلمہ کے لیے کتنا جانکاہ اور صبر آزما تھا۔ وہ قوم جس نے تعداد کی قلت کے باوجود اپنی جرأت، سیاسی بصیرت، عملی برتری، اخلاقی بلندی اور قوت ایمانی کے باعث ہندوستان پر آٹھ سو سال تک حکومت کی تھی۔ آج وہ حوادثات دہر سے خوف زدہ اور ہراساں تھی۔ محمود، شہاب الدین، التمش، بابر، اورنگ زیب علیہم الرحمۃ کے وارث اپنے عظیم اسلاف کی صفات سے یکسر محروم ہو چکے تھے۔ عیش کوشی، سہل انگاری، جاہ طلبی اور سیم و زر کی محبت نے انھیں ناکارہ کر کے رکھ دیا تھا۔ اس صدی میں مغلیہ سلطنت کا آفتاب غروب ہونے والا تھا۔ ہندوستان کی وسیع و عریض اسلامی مملکت چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ کر رہ گئی تھی فرنگی استعمار

Marfat.com

اسلام کے ان قلعوں کو یکے بعد دیگرے بڑی آسانی سے مسمار کرتا ہوا فخر البلاد دہلی کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا۔

پنجاب کی حالت سب سے زیادہ خستہ تھی۔ مرکز سے کٹ جانے کے بعد اس کی حیثیت بے جان لاش کی سی تھی۔ جسے چیلیں، گدھ اور کتے آپس میں بانٹ رہے ہوں۔ ہر علاقہ میں ایک خود مختار حکومت قائم تھی۔ ہر قابلِ ذکر شہر کسی نہ کسی طالع آزما رئیس کی راجدھانی بن چکا تھا۔ ان کے درمیان رقابتوں کی آگ ہر وقت بھڑکتی رہتی تھی۔ ایک دوسرے سے برافروختگی اور برہمی کا یہ عالم تھا کہ وہ مشترکہ خطرہ کے مقابلہ میں بھی متحد ہونے کے لیے تیار نہ تھے۔ ان حالات میں سکھوں نے اپنی قلیل تعداد کو منظم کر کے ان کمزور اور باہم برسرِ پیکار رئیسوں کو لتاڑنا شروع کر دیا۔ اور ایک ایک کر کے ان کے علاقوں پر قبضہ کرتے چلے گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے کئی سکھ ریاستیں رونما ہو گئیں۔ ان خود غرض اور عاقبت نا اندیش نوابوں اور رئیسوں کی سزا مسلم رعایا کو مل رہی تھی۔ مسلمانوں کے دل آزاری اور ان کی تذلیل سکھوں کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ سارا ملک لاقانونیت کی زد میں آگیا۔ تمام مظالم کا تختہ مشق مسلمان تھے۔ انہی کے گھر لوٹے جاتے، انہی کی بستیاں تاراج کی جاتیں، انہی کے گھر جلائے جاتے، انہی کی مساجد اور عبادت گاہوں کو اصطبلوں میں تبدیل کر دیا جاتا۔

افغانستان اپنی داخلی خانہ جنگی میں اس قدر مصروف تھا کہ اس کے حکمران نہ دہلی کے مغل بادشاہ کی کوئی امداد کر سکے اور نہ ہی پنجاب کے مظلوم مسلمانوں کی فریاد سن کر ان کی مدد کو پہنچ سکے۔ جن حکمرانوں نے برصغیر کے حالات کو درست کرنے

Marfat.com

کے لیے اقدامات کئے وہ ادھورے اور ناکافی تھے۔ ادھر وہ پنجاب میں سکھوں کی بغاوت کو کچلنے کے لیے کابل سے روانہ ہوئے پیچھے سے ان کے دشمن بغاوت کا پرچم لہرا دیتے چار و ناچار اس حاکم کو پھر واپس لوٹنا پڑتا سارا ہندوستان طوائف الملوکی کا شکار تھا۔

تاریخ کی بوالعجبیوں پر جب نظر پڑتی ہے تو انسان حیران و ششدر رہ جاتا ہے ۱۷۹۹ء ہی وہ سال ہے جس سے دنیائے اسلام کے بطل جلیل سلطان ٹیپو اس ملک کو انگریزوں کے ناپاک تسلط سے بچانے کی مجاہدانہ کوششوں میں جامِ شہادت نوش کرتا ہے۔ ۱۷۹۹ء ہی میں رنجیت سنگھ لاہور پر قبضہ کرتا ہے۔ آپ اندازہ فرمائیے کہ یہ لمحے امتِ مسلمہ کے لیے کتنے کرب ناک اور مایوس کن ہوں گے، لیکن رحمتِ الٰہی نے مایوسیوں کے گھپ اندھیروں میں امید کا چراغ روشن کرنے کے لیے اسی سال ۱۷۹۹ء میں سیال کی ایک چھوٹی سی بستی میں حضرت شمس العارفین رحمۃ اللہ علیہ کو پیدا فرمایا۔

حضرت کے آباؤ اجداد پشتہا پشت سے دنیاوی وجاہت اور علم دونوں میں بڑے ممتاز تھے۔ حضرت کے جدِ اعلیٰ حضرت شیر کرم علی رحمۃ اللہ علیہ سلسلہ قادریہ کے ایک شہباز لامکانی حضرت موسیٰ پاک شہید ملتانی قدس سرہٗ کے خلیفہ تھے۔ آپ نے پشاور میں ایک فاضل روزگار سے علم کی تکمیل کی۔ وہاں سے اپنے استاد کی معیت میں حج بیت اللہ شریف کی سعادت سے بہرہ ور ہوتے پھر محبوب رب العالمین رحمۃ للعالمین صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے آستانہ اقدس پر حاضر ہوتے۔ بارہ سال تک نعمتِ حضوری اور شرف عتبہ بوسی سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ بارگاہ نبوی سے بغداد جانے کا حکم ملا۔ کچھ عرصہ حضرت غوثِ اعظم محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ

Marfat.com

کے درکرم پر محو ریاضت رہے۔ حضرت غوث اعظمؒ نے عالم خواب میں آپ کا ہاتھ حضرت موسےٰ پاک شہید کے ہاتھ میں دے دیا۔ وہاں سے ملتان پہنچے۔ مرشد کامل پہلے ہی شدت سے انتظار فرما رہے تھے۔ فوراً سینہ سے لگالیا۔ شرف بیعت بخشا خرقہ خلافت مرحمت فرمایا۔ عرصہ تک مجاہدہ و ریاضت میں مشغول رہے۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک نوّے سال تھی۔ پیر کامل نے وطن واپس جانے اور شادی کرنے کا حکم دیا۔ ایک عظیم المرتبت فرزند کی بشارت دی۔ آپ اپنے آبائی وطن قصبہ دھول پہنچے وہاں آپ کا کوئی پہچاننے والا موجود نہ تھا۔ عزیز و اقارب فوت ہو چکے تھے۔ نئی نسل کو آپ کے متعلق خبر تک نہ تھی۔ چنانچہ وہاں سے رخصت ہو کر ایک جنگل میں قیام فرمایا اور وہاں سیال نامی بستی آباد کی۔ جس کے مقدر میں اس علاقہ کی تاریخ کو نیا عنوان بخشنا رقم تھا۔

چنانچہ اس فرخندہ روزگار کی نسل پاک سے اقلیم معرفت کا تاجدار میدانِ جود و عطا کا شہسوار کاروانِ عشق و مستی کا قافلہ سالار مطلع ہدایت کا نیّر تاباں خضر گم کردہ راہاں مسیحا نفس تاج الاولیاء۔ فخر الاتقیاء خواجہ خواجگان محمد شمس الدین ادام اللہ تعالیٰ برکاتہ، عمت فیوضہ کا تولّد ہوا۔ حضرت کے والد بزرگوار کا اسم گرامی میاں محمد یار ابن میاں محمد شریف ابن میاں برخوردار ابن میاں تاج محمود بن میاں شیر کرم علی علیہم الرحمۃ و الغفران ہے۔ حضرت والا گہر کا سلسلہ نسب پچاس واسطوں سے حضرت عباس علمدار شہید کربلا رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے

آپ کی والدہ ماجدہ کا اسمِ گرامی حضرت جنت بی بی تھا رحمۃ اللہ علیہا ۔ آپ پوہلہ گاؤں کی تھیں جو سیال شریف سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے۔

Marfat.com

آپ قرآن کریم کی حافظہ تھیں۔ عبادت و ریاضت میں شب و روز مصروف رہتیں آپ نے ایک درس قرآن جاری کر رکھا تھا جس میں بچیاں قرآن کریم یاد کرتی تھیں۔ آپ خود تدریس کے فرائض انجام دیا کرتیں۔ آج بھی موضع پوہلہ میں عورتیں بکثرت حافظہ قرآن ہیں۔ یہ آپ ہی کا فیضان ہے جب اس نور ولایت کی امانت آپ کے بطنِ مبارک میں منتقل ہوئی تو ذکر و عبادت کے معمولات میں کئی گناہ اضافہ ہو گیا۔ شب و روز بکثرت درود شریف زبان پر جاری رہتا۔ سونے سے پہلے ہر شب اکتالیس بار سورۃ یٰسین تلاوت فرماتیں۔ تین ہمشیرگان کے بعد حضرت میاں محمد یار رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں وہ آفتاب طلوع ہوا۔ جس نے ان گنت تیرہ بختوں کو بلند اقبال کیا۔ جس نے بے شمار غافل دلوں کو ذکر الٰہی کی لذت سے بہرہ ور کیا۔ جس کے یمن و برکت سے ہزاروں سالکان راہِ محبت کو منزل وصل تک رسائی نصیب ہوئی جن لوگوں کو اللہ تعالےٰ نے نور باطن سے نوازا تھا جب وہ اس خورد سال نونہال کو دیکھتے تو دست بستہ سراپا ادب بن کر کھڑے ہو جاتے۔

آپ کے چچا حضرت میاں احمد یار صاحبؒ کی شادی لالی قوم کی ایک خاتون سے ہوئی تھی۔ ان محترمہ کے والد روشن ضمیر درویش تھے۔ ان کا اسم گرامی میاں نور نبی تھا۔ ایک دفعہ وہ اپنی بچی سے ملنے کے لیے سیال شریف آئے اس وقت حضرت کم سن تھے مگر آنگن میں گھٹنوں کے بل چل رہے تھے۔ آپ کی جبین سعادت پر جونہی نگاہ پڑی از راہِ ادب کھڑے ہو گئے۔ کسی نے پوچھا: اس طفلِ صغیر کے سامنے ایسی تعظیم بجا لانے کا کیا مطلب؟

اس درویش نے کہا کہ تم اس بچے کی شان کو پہچانتے نہیں اس کی پیشانی پر

Marfat.com

اسم اعظم لکھا ہے۔ جب یہ اپنے مرتبۂ کمال پر فائز ہو گا تو اپنے روحانی فیوض وکمال سے ایک عالم کو سیراب کر دے گا۔ اور اس کے دروازے پر صدہا باکمال دست بستہ کھڑا ہونا باعث سعادت سمجھیں گے۔

میاں نور نبی صاحب نے اپنی بیٹی کو کہا: میں نے دعا مانگی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بچی عطا فرمائے۔ تم اپنی بچی کا رشتہ اس کو دینا تاکہ قیامت کے روز میں بھی اس مردِ کامل کے رشتہ داروں میں اٹھایا جاؤں۔

میاں محمد اکرم صاحب لغاری جو موضع دین پور کے بزرگ تھے۔ ان کا واقعہ آپ ابھی پڑھیں گے۔ آج دوسرے رسائل فلمی ایکٹریسوں کے ہیجان خیز تصاویر سے اپنے صفحات کو منور کرنا وقت کی اہم ضرورت سمجھتے ہیں۔ لوگ سیاسی لیڈروں سرمایہ دار صنعت کاروں کے گن گاتے ہیں۔ ضیائے حرم ارباب وفا کے تذکروں سے قلب کی پاکیزگی نفس کی طہارت اور سیرت میں پختگی پیدا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ آج ان مردانِ پاک باز کی للہیت واخلاص راہِ حق پر استقامت وثبات کی یادوں کو تازہ کرنا ازبس ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس اہم ترین کام کی توفیق دے آمین

حضرت میاں محمد یار علیہ الرحمۃ کا یہ اکلوتا فرزند ارجمند جمال ظاہری میں بھی فرید روزگار تھا، چمکتا ہوا چہرہ، نرگسیں آنکھیں، خمدار ابرو، خوبصورت ناک، کشادہ پیشانی گلاب کی پتیوں کو شرما دینے والے پتلے پتلے ہونٹ اور اس پر جمال ربانی کا پرتو دل کو دیکھے بغیر قرار نہ تھا اور آنکھ کو یارائے دیدار نہ تھا۔ جب آپ کی عمر مبارک ساڑھے چار سال ہوئی تو تعلیم قرآن کریم کے لیے مکتب میں بٹھائے گئے۔ سات سال کی عمر میں قرآنِ کریم حفظ کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد مزید علم حاصل کرنے کے لیے دور دراز

Marfat.com

کا سفر اختیار کیا۔ علاقہ پنڈی گھیب کے ایک گاؤں میکی ڈھوک میں ایک مدرسہ تھا۔
اپنے ماموں میاں احمد دین صاحب کی معیت میں پہلے وہاں گئے۔ فارسی کی
ابتدائی کتب وہاں پڑھیں لیکن استاذ صاحب کی زندگی نے وفا نہ کی ان کے
انتقال کے بعد مکھڈ شریف پہنچے۔ اس وقت وہاں حضرت مولانا محمد علی صاحب علیہ
الرحمۃ نے علم کی شمع روشن کر رکھی تھی اور طالبانِ علم جوق در جوق اس چشمۂ فیض سے
سیراب ہو رہے تھے۔ آپ نے تیرہ سال تک اپنے استاد گرامی کی خدمت میں
رہ کر کسبِ فیض کیا۔ اس عرصہ میں مکھڈ کے ایک تاجر میاں محمد امین جو مولانا موصوف
کے بڑے عقیدت مند تھے۔ انھوں نے تجارتی مقاصد کے لیے کابل کے سفر کا
قصد کیا۔ ان کی درخواست پر مولانا نے اپنے اس تلمیذ ارشد کو ان کی معیت میں
کابل روانہ کیا۔ تاجر موصوف کو اپنے کاروباری مشاغل کی وجہ سے وہاں کافی
عرصہ رکنا پڑا۔ حضرت نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کابل کے مایہ ناز
اور متبحر عالم حضرت مولانا حافظ دراز صاحب کے درس سے استفادہ شروع کیا۔
ہدایہ شریف وہاں پڑھی۔ اور حدیث شریف کی سند بھی آپ سے حاصل کی۔ کابل
کے قیام کے دوران میں جو بروایت حضرت ثالث غریب نواز رحمۃ اللہ حضرت
خواجہ فخر الدین سیالوی مدظلہ نے یوں بیان فرمائی:

آپ حافظ صاحب کے درس میں اکتسابِ علم فرما رہے تھے۔ طلبہ کے
لیے رہائش کا خاطر خواہ بندوبست نہ تھا۔ ایک روز افغانستان کے حکمران
امیر شیر علی کی سواری شاہی تزک و احتشام کے ساتھ گذر رہی تھی۔ آپ نے آگے
بڑھ کر اس کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور پر جلال لہجے میں فرمایا:

Marfat.com

برائے اقامتِ ما جا دہی یا نہ دہی

یعنی ہمارے رہنے کے لیے کوئی جگہ دو گے یا نہیں۔ امیر ایک درویش کی جرأت اور بے ساختہ پن سے بڑا متاثر ہوا اور اپنے کابلی لہجے میں کہا:

چرا نہ دہم بہ سر و چشم مے دہم

کیوں نہیں دوں گا سر آنکھوں پر دُوں گا۔ حضرت کے استاد صاحب کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی صرف ایک صاحبزادی تھی اس نوجوان شاگرد میں صوری اور معنوی خوبیوں کا مشاہدہ کرنے کے بعد دل میں طے کر لیا تھا کہ انھیں دامادی کا شرف بھی بخشیں گے۔ اور اپنی مسندِ ارشاد و تدریس کا وارث بھی بنائیں گے۔ اپنے اس عزم کا اظہار آپ سے بھی کر دیا۔ ہونہار شاگرد ادب سے برملا انکار نہ کر سکا لیکن آپ نے میاں محمد امین صاحب جن کے ہمراہ آپ کابل آئے ہوئے تھے یہ ماجرا بیان کر دیا اور اپنی پریشانی کا اظہار بھی کیا۔ میاں محمد امین نے تسلی دی۔ چنانچہ کابل سے روانہ ہونے سے پہلے میاں صاحب استاد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس مؤثر انداز میں حالات بیان کیے کہ انھوں نے بخوشی حضرت کو واپسی کی اجازت دے دی۔

جب میاں محمد امین اپنے مشاغل سے فارغ ہوئے تو حضرت ان کی معیت میں پھر اپنے مشفق استاد کی خدمت میں پہنچ کر تحصیل علم میں مصروف ہو گئے۔

حضرت مولانا محمد علی اگرچہ علم و فضل میں بے نظیر اور زہد و ورع میں منفرد اور مرجع خلائق تھے لیکن دل ابھی کسی ایسے صاحب کمال کے لیے تڑپ رہا تھا جو ایک نگاہ میں گھائل کر دے اور اپنی توجہ باطنی سے حریم ذات کے

Marfat.com

دروازے کھول دے۔ کئی بزرگوں کی شہرت سنی، گئے، دیکھا اور لوٹ آئے۔ دل کی تسکین کا سامان کہیں نظر نہ آیا۔ ایک روز کسی راہ نورد نے حضرت پیر پٹھان قبلہ عالمیان شاہ محمد سلیمان تونسوی قدس سرہٗ کا تذکرہ اس انداز سے کیا کہ سنتے ہی دل بے چین ہوگیا۔ اور تونسہ مقدسہ کا سفر اختیار کیا۔ اس سفر ہمایوں اثر میں اپنے اسی تلمیذ ارشد کو اپنے ہمراہ لیا۔ جب کشتی دائرہ دین پناہ کے مضافات میں پہنچی آپ اترے اور ملاحوں کو رخصت عطا فرمائی۔ وہاں ایک گدھا کرایہ پر لیا، اور قبلہ عالمیان شہنشاہ اقلیم ولایت حضرت شاہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے دراقدس پر پہنچے۔ حضور نے پوچھا کہاں سے آئے ہو۔ عرض کی : مکھڈ سے۔ مزید استفسار فرمایا، مولوی صاحب بخیریت تھے۔ عرض کی وہ خاکسار میں ہی ہوں۔ حضور نے اٹھ کر گلے سے لگا لیا۔ اور بڑی عزت و تکریم کی رہائش کے لیے انھیں ایک الگ حجرہ مرحمت فرمایا۔ مولانا تو اپنی اقامت گاہ پر فروکش ہوگئے، لیکن شمس معرفت حضرت پیر پٹھان کو دیکھتے ہی ہزار جان اور ہزار دل سے فریفتہ ہوگئے اور اتنا یارائے صبر بھی نہ رہا کہ اپنے استاد محترم کا انتظار کریں، موقع ملتے ہی بارگاہ ناز میں حاضر ہوئے اور بیعت کے لیے گذارش کی مرشد کامل نے از راہ غایت بندہ نوازی شرف بیعت سے سرفراز فرمایا، اور نماز مغرب کے بعد نفل اوابین اور حفظ الایمان اور ہر نماز کے بعد دس دس مرتبہ درود پاک پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا سر دست تمھارے لئے اتنا وظیفہ کافی ہے جب تحصیل علم سے فراغت پاکر آؤ گے۔ اس وقت مزید کرم فرمایا جائے گا۔ اس سعادتِ ازلی سے بہرہ اندوز ہوکر اپنے استاد محترم کے پاس حاضر ہوئے

Marfat.com

اور آرام فرمایا۔

مولانا نے چند روز توقف کے بعد بیعت کے لیے عرض کی۔ حضور نے فرمایا:

آپ بہر وجہ افضل و اکمل ہیں۔ آپ کا علم و فضل مشہور عالم ہے۔ آپ کو اس فقیر سے بیعت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ حضرت مولانا نے بصد ادب و نیاز عرض کی۔ قبلہ میں نے علم اس لیے تو نہیں پڑھا تھا کہ یہ میری محرومی کا باعث ہو۔ اور میں اس نعمت سرمدی سے بے بہرہ رہوں۔ میں نے تو علم ہدایت پذیری کے لیے پڑھا ہے اس لیے حضور اس خاکسار پر نظر کرم فرمائیں اور مجھے اپنی غلامی کی عزت سے محروم نہ رکھیں۔ علم و فضل کے باوجود مولانا کی اس ادائے نیازمندی کو حضور نے بہت پسند فرمایا۔ اور کچھ اوراد پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ ان وظائف کے پڑھنے سے مولانا کے دل کی پہلی صفائی بھی جاتی رہی۔ ذوق و شوق کی جو چنگاری سلگ رہی تھی وہ پھر سرد ہو گئی۔ آپ اس صورت حال سے بڑے غمزدہ ہوئے اور اپنی کیفیت عرض کی۔ حضرت پیر پٹھان نے اپنی زبان میں فرمایا کہ (بابا ایک لڈے تے بیا آوے) یعنے ایک رخصت ہو تو دوسرا آوے آپ کے پہلے واردات رخصت ہوں گے تب نئی کیفیات کا ورود ہو گا۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد مولانا کے دل میں درد و سوز اور ذوق و شوق کی وہ کیفیت پیدا ہو گئی جس کا بیان زبان قلم سے ممکن نہیں۔

مولانا نے چھ ماہ تک شہباز لامکانی کے آستانہ عالیہ پر قیام کیا نعمت دیدار توجہ باطنی اور کرمہائے بے پایاں سے محظوظ ہوتے رہے۔ چھ ماہ بعد حضور نے آپ کو طلب فرمایا بیعت بھی کیا۔ اور نعمت باطنی سے مالا مال کر کے خرقہ خلافت بھی مرحمت فرمایا اور واپس مکھڈ جانے کی اجازت دی۔ مولانا ہمراہی سرد گلبن وحدت

Marfat.com

مراجعت فرمائے مکھڈ شریف ہوتے۔

حضرت شمس العارفین کو طالب علمی کے زمانہ میں بھی جس صاحب کمال نے دیکھا حیرت زدہ ہو کر رہ گیا۔ کبھی کبھی آپ مکھڈ سے اپنے والدین کی ملاقات کے لیے تشریف لایا کرتے تو دین پور کے قصبہ سے گذر ہوتا۔ وہاں ایک باکمال بزرگ میاں محمد اکرم صاحب رہا کرتے تھے۔ جب اس خجستہ خصال نوجوان کو دیکھتے تو تعظیماً کھڑے ہو جاتے اور رخصت کرنے کے لیے کافی دور تک دین پور سے باہر آتے آپ کے کسی خادم نے اس تکریم پر حیرت کا اظہار کیا۔ اور کہا کہ شاید آپ اس نوجوان طالب علم کی اس لیے عزت کرتے ہیں کہ یہ میاں شیر کرم علی صاحب کی اولاد میں سے ہے۔ میاں صاحب نے فرمایا کہ تم دُرج ولایت کے اس گوہر تاباں کی قدر نہیں پہچانتے ایک دن آئے گا جب یہ نوجوان اقلیم فقر کا فرمانروا ہو گا۔ اس کی عظمت کا ڈنکا چار دانگ عالم میں بجے گا۔ بڑے بڑے ارباب کمال یہاں حاضر ہو کر اپنی منزلِ مراد کو پائیں گے۔ میاں کرم علی صاحب جیسے بزرگ اور میرے جیسے لقمہ خوار ہزاروں ہزار اس کے آستان پر دربان ہوں گئے

استاد محترم نے نجابت و شرافت اور سعادت ازلی کے آثار اپنے اس فرشتہ سیرت شاگرد میں ملاحظہ فرمائے تھے۔ ان کی کوئی اولادِ نرینہ نہ تھی۔ انھوں نے خیال فرمایا کہ اپنے شاگرد رشید کو جانشین بنائیں گے تاکہ ان کی وفات کے بعد اس کے دم قدم کی برکت سے یہ سلسلہ فیض جاری و ساری رہے۔ اس چیز کا علم جب آپ کے والدین کو ہوا تو وہ ہجر و فراق کا تصور کر کے تڑپ اٹھے۔ تونسہ شریف حاضر ہو کر حضرت شاہ سلیمان قدس سرہٗ کی خدمت میں اپنا ماجرا عرض کیا۔ ملجائے بیکساں

Marfat.com

نے مولانا کو تحریر فرمایا کہ آپ نے اس فقیر کو اسیر کر رکھا ہے اس کو اپنے باپ کے ساتھ روانہ کرو۔ لوگوں کے فرزندوں کو قید نہیں کر لیا کرتے۔ نیز شمس العارفین کو حکم نامہ تحریر فرمایا کہ وہ اپنے والد کے ساتھ جائیں اور سنت نکاح ادا کریں۔

حسب فرمان مرشد اپنے گھر واپس تشریف لائے اور حسب ہدایت اوراد و اذکار پوری پابندی سے انجام دیتے رہے۔ فرصت کے وقت تدریس کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ سال میں کئی کئی بار پیادہ منزل جاناں کی زیارت کرنے کے لیے آتے اور کم سے کم چالیس روز قیام فرماتے۔ جب بتقاضائے عمر ظاہری قوتوں میں اضمحلال آشکارا ہوا۔ تو پھر بامر مجبوری سوار ہو کر تونسہ شریف حاضر ہوتے۔

اپنے مرشد کی خدمت اور غلامی کو سرچشمۂ سعادات و برکات یقین کرتے۔

چودہ مرتبہ حضرت پیر پٹھان کی معیت میں تونسہ مقدسہ سے مہار سدا بہار کا سفر کیا اس شان سے کہ حضور ایک تیز گھوڑی پر سوار ہوئے۔ یہ پیکر صدق و وفا اپنے مرشد کا قرآن کریم مع رحل بغل میں لیے بادۂ محبت سے سرشار ہو کر حضرت کی گھوڑی کے آگے آگے دوڑتے۔ لوگ اس حسین و رعنا جوان کے جسم نازک اور اس پر یہ مشقت، جفاکشی، پھر شوق و مستی کا عالم اور ہمت کی بلندی کا مشاہدہ کر کے دنگ رہ جاتے۔ دیکھنے والا ایک نظر سے پہچان جاتا، کہ یہ کس منزل کا مسافر ہے۔ اور اس کی منور آنکھیں کس کے درد محبت کی غمازی کرتی ہیں۔

تونسہ شریف سے مہار شریف ایک سو کوس یعنی ایک سو پچاس میل کی مسافت ہے۔ اس زمانہ میں تقریباً سارا علاقہ جنگل بیابان یا چٹیل ریگستان تھا۔ پانی نایاب، آبادیاں خال خال، سڑکیں اور شاہراہیں مفقود۔ ایک دفعہ حضرت

Marfat.com

پیر پٹھان قدس سرہٗ دیار محبوب کی طرف روانہ ہوئے گرمی کا موسم تھا۔ نوجوان سیال بڑے ذوق و شوق سے وجد کناں اپنے مرشد کی گھوڑی کے آگے آگے دوڑتے جا رہے تھے۔ آپ برہنہ پا تھے۔ ریشم سے نرم و نازک پاؤں کے تلوں میں کانٹے چبھتے آبلے بنتے رہے اور دھوپ قیامت ڈھا رہی تھی، زمین تپ رہی تھی۔ اس کے باوجود اس بلند اقبال اور اولوالعزم نوجوان کے ذوق و شوق میں ذرا فرق نہیں آ رہا تھا۔ اچانک مرشد کامل نے آپ کو اس حالت میں دیکھا تو کھڑا ہونے کا حکم دیا۔ اپنی پاپوش مبارک اتار کر آپ کو دی کہ انھیں پہن لو تاکہ گرم ریت، راہ میں بکھرے ہوئے کانٹے اور سنگریزے نہ چبھیں۔ آپ نے اس تحفہ کو بصد شکریہ قبول کیا۔ اور چوم لیا۔ کچھ وقت گذرنے کے بعد پھر حضرت پیر پٹھان نے آپ کو حسب سابق ننگے پاؤں دیکھا اور پوچھا: جوتے کہاں ہیں۔ عرض کیا: جوان کا صحیح مقام تھا۔ میں نے انھیں وہاں سجا لیا ہے۔ حضرت اس جذبہ نیازمندی پر از حد مسرور ہوئے۔ اپنی گھوڑی سے نیچے اترے اور اپنے جوان بخت مرید کو اپنے سینے سے لگا لیا اللہ تعالےٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اسرار و معارف کے کتنے خزینے بخش دیئے۔

حضرت پیر سیال فرمایا کرتے کہ میں نے اپنے مرشد کی خدمت میں چودہ سال کا طویل عرصہ اس انتظار میں گذارا کہ کوئی رحمت کی گھڑی آئے اور لطف خسروانہ ابر کرم بن کر برسے اتنے عرصے میں مجھے دو بار یہ خصوصی لمحے نصیب ہوتے اس وقت آپ ایک اسی واقعہ کا ذکر کرتے اور دوسرا زیارت خضر کا واقعہ جس کا بیان ابھی آ رہا ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ جب تک اپنے مرشد کے ساتھ اتنی والہانہ عقیدت نہ ہو۔

Marfat.com

افادہ اور استفادہ کا دروازہ نہیں کھلتا۔ طالب کو گوہر مقصود ہاتھ نہیں آتا۔ اپنے شیخ سے کامل درجہ کی محبت نے باطن کو تو ہمرنگ کر ہی دیا تھا۔ ظاہری شکل و صورت میں بھی ایسی مماثلت پیدا ہو گئی تھی کہ حضرت کو دیکھنے والا یہ سمجھتا تھا کہ اس نے حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی کی زیارت کی ہے۔ آپ اپنی زندگی کے آخری حصہ میں جب تونسہ شریف حاضر ہوتے تو آستانہ عالیہ کے تالاب پر تشریف فرما تھے۔ جس نے دیکھا یہی سمجھا کہ خود حضرت پیر پٹھان تشریف فرما ہیں کسی خادم نے دوڑ کر حضرت خواجہ کریم تونسوی کی خدمت میں گذارش کی کہ قبلہ! میں اپنی آنکھوں سے حضرت پیر پٹھان کو تالاب پر بیٹھے دیکھ کر آیا ہوں۔ حضرت خواجہ کریم نے سن کر فرمایا۔ پتہ چلتا ہے کہ مولوی صاحب سیالاں والے آ گئے ہیں۔

ایک دفعہ حضرت پیر پٹھان کے پوتے حضرت خواجہ خیر محمدؒ صاحب سیال شریف تشریف لاتے اور حضرت باوجود ضعف پیری اور نقاہت کے اپنے شیخ کے پوتے کی خدمت میں دن میں کئی بار حاضر ہوتے اور کافی دیر زانو شکستہ دست بستہ بیٹھے رہتے۔ اس اثنا میں حضرت صاحبزادہ صاحب نے ارشاد فرمایا کہ جب سے ہمارے جد امجد خواجہ محمد سلیمان صاحب کا انتقال ہوا ہے تب سے حضرت خواجہ سیالوی کی زیارت سے ہمارے دل کو اطمینان نصیب ہوتا ہے، کیونکہ ہمارے جد امجد اور خواجہ سیالوی کی صورت اور سیرت میں ایک بال کا فرق نہیں۔

بعض حضار مجلس نے یہ کلمات طیبات اعلیٰ حضرت سیالوی کی خدمت

Marfat.com

میں عرض کئے، لیکن حضرت نے از راہِ کسرِ نفسی فرمایا مور چہ (چیونٹی) کو سلیمان کے ساتھ کیا نسبت ہے ے

خاک دہلیز سلیمان پہ یہ پیشانی ہے
چشم اس مور کی بر لطف سلیمانی ہے

میاں حفیظ ماہی صاحب ساکن سور کی شریف، حضرت مولانا سلطان محمود صاحب ساکن تارڑہ۔ دونوں حضرت پیر پٹھان کے جانثار مرید تھے۔ حضرت پیر پٹھان کے انتقال کے بعد ان کی دنیا تاریک ہو گئی۔ نہ رات کو آرام نہ دل کو قرار۔ ہجر محبوب میں ہمہ وقت رویا کرتے ایک رات حضرت پیر پٹھان نے میاں حفیظ ماہی صاحب کو خواب میں ارشاد فرمایا کہ تم روتے کیوں ہو۔ میں تو اب تمھارے نزدیک سیالاں میں رہتا ہوں۔ آپ بیدار ہوئے۔ اسی وقت بستر باندھا سر پہ رکھا اور سیال شریف کی طرف چل پڑے۔ راستہ میں ہی اپنے پیر بھائی مولانا سلطان محمود صاحب کے پاس سے گذرے دیکھا وہ بھی بستر باندھے بیٹھے ہیں اور آمادہ سفر ہیں۔ آپ نے پوچھا حضرت کہاں کی تیاری ہے۔ فرمایا: رات کو میرا دل از حد سوگوار تھا۔ روتے روتے آنکھ لگ گئی۔ حضرت پیر پٹھان نے شرفِ زیارت بخشا اور فرمایا: مولوی صاحب آپ اتنا کیوں روتے ہیں۔ میں تو اب تمھارے بالکل قریب سیالاں میں آ گیا ہوں بعینہٖ یہی خواب حفیظ ماہی صاحب دیکھ کر روانہ ہوئے تھے۔ انھوں نے بتایا: بخدا مجھے بھی آج رات یہی حکم ملا ہے۔ چنانچہ دونوں حضرت پیر سیال کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ کے روئے تاباں کی زیارت سے ان کے غمزدہ دلوں کو قرار آ گیا اور پھر ساری عمر حضرت پیر سیال کی محبت کا

Marfat.com

دم بھرتے رہے۔ حضرت نے ان کو خلافت عطا فرمائی۔

جب حضرت پیر سیال کی عمر مبارک چھتیس ۳۶ برس ہو گئی زہد و ریاضت سے سینہ گنجینہ نور بن گیا تو شاہ شاہان خواجہ محمد سلیمان قدس سرہٗ نے خرقہ خلافت ارزانی فرمایا اور ساتھ ہی ہدایت کی کہ میں تجھے گم کردہ راہوں کو راہِ ہدایت پر لانے کے لیے آوارہ گانِ دشت محبت کو منزل محبوب تک پہنچانے کے لیے بیعت اور خلافت کی اجازت دیتا ہوں۔ آپ نے بصد نیاز عرض کی کہ مخدوما میں اس بارگراں کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ مجھے اس سے معذور سمجھا جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ " تو کہاں ہے جب تو میں ہو گیا تو پھر تو کہاں رہا۔ تیرے ہر کام کا میں ذمہ دار ہوں۔ اپنے آپ سے نہیں بلکہ اللہ تعالےٰ کے حکم سے تجھے اس کا مجاز کرتا ہوں۔ چنانچہ ظاہری و باطنی انعامات سے سرفراز فرما کر گھر رخصت کیا۔ اور روانگی کے وقت سخت تاکید کی کہ جس فیض کا تمھیں امین اور جس خزینہ سعادت کا تجھے قاسم مقرر کیا گیا ہے اس سے کوئی محروم واپس نہ جائے۔ جو بیعت کا خواہش مند ہو کر آئے اس کی دستگیری ضرور کی جائے۔

جب دوبارہ اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دریافت فرمایا کہ کیا کسی کو بیعت کیا ہے۔ عرض کی صرف میرے والدین نے میری بیعت کی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی بیعت نہیں ہوا۔ حضرت پیر پٹھان نے جلال میں آ کر فرمایا کہ میں نے تو تجھے شاہباز بنایا ہے۔ سارا عالم تیرا صید زبوں ہے۔ اپنی ہمت خداداد کو مخلوقِ خدا کی رشد و ہدایت میں صرف کر۔ ایک دفعہ حضرت پیر پٹھان تشریف فرما تھے۔ مشتاقانِ دید کا ہجوم تھا۔ اس اثنا میں ایک نورانی پیکر بزرگ حاضر ہوئے،

Marfat.com

اور کچھ دیر محوِ گفت گو ہو کر رخصت ہو گئے۔ جب وہ تھوڑا سا دُور گئے تو حضرت نے حاضرینِ مجلس کو کہا کہ جس شخص کے دل میں خضر کی زیارت کا شوق ہو، وہ جائے اور زیارت کرے یہی خضر تھے۔ جو یہاں سے اٹھ کر گئے ہیں۔ لوگ دیوانہ وار خضر کی زیارت کرنے کے لیے دوڑ پڑے لیکن حضرت پیر سیال وہیں بیٹھے رہے۔ حضور نے فرمایا: مولوی صاحب! کیا خضر کی زیارت کرنے کا اشتیاق نہیں۔ عرض کی میں تو اس کی زیارت کروں گا، جس کی زیارت کے لیے خضر آتا ہے۔ حضرت پیر پٹھان حضور کی اس سعادت مندی اور خلوص پر بڑے خوش ہوئے اور دعا فرمائی: "اللہ سائیں میرے سیال نوں رنگ لائیں" اے اللہ تعالےٰ! میرے اس مرید باصفا کو ابدی عزت و سعادت سے سرفراز فرما۔ اس دُعا کا یہ اثر ہوا کہ شرق و غرب سے لوگ کسبِ فیض کے لیے پروانہ وار سیال شریف آنے لگے۔ آپ کو اپنے شیخ کا اتنا احترام ملحوظ تھا کہ تونسہ شریف کی حدود میں قضاء حاجت نہیں کی تین میل دور تشریف لے جاتے۔

ایک دفعہ آپ سیال شریف سے تونسہ مقدسہ زیارتِ شیخ کے لیے جا رہے تھے۔ راستہ میں ایک جنگل سے گذر ہوا۔ وہاں ایک نورانی شکل بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے فرمایا درود کبریت احمر پڑھا کرو۔ آپ نے جواب دیا کہ میرے پیر کا فرمان کافی ہے۔ تونسہ شریف حاضر ہوئے تو مرشد کریم نے فرمایا کہ راستہ میں تمھیں ایک آدمی ملا تھا۔ اس نے جو وظیفہ بتایا ہے وہ پڑھا کرو وہ حضرت پیرانِ پیر غوث الاعظم تھے۔ یہ درود پاک (کبریت احمر) اس سے پہلے طریقۂ چشتیہ کے اوراد میں شامل نہ تھا۔ حضرت پیر سیال کے ذریعہ یہ نعمت عظمیٰ چشتیہ سلسلہ کو

Marfat.com

نصیب ہوئی۔

اعلیٰ حضرت سیالوی بھر اس کی تلاوت پر مداومت فرمایا کرتے آں والا مرتبت نے معہودہ طریقہ کے مطابق اس کی زکوٰۃ بھی دی اس کے اختتام پر بارگاہِ رسالت سے آپ پر جو خصوصی کرم ہوا اس کے ذکر سے قارئین "ضیائے حرم" کو محروم رکھنا بہت بڑی زیادتی ہے۔

میری خصوصی درخواست پر شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمّد قمر الدین سجادہ نشین سیال شریف نے یہ واقعہ اپنی زبانِ مبارک سے یوں بیان کیا۔

مجھے مولانا محمّد امین صاحب چکوڑوی نے بتایا کہ حضرت مولانا معظم الدین صاحب مرولوی کبریت احمر کی زکوٰۃ کے ایام میں خدمت عالی میں حاضر رہا کرتے۔ اور ہر طرح کی خدمات بجالاتے۔ انھوں نے اپنا چشم دید واقعہ یوں بیان کیا کہ اعلیٰ حضرت نے سیال شریف سے باہر مغرب کی طرف ایک جگہ کو کبریت احمر شریف کی زکوٰۃ کے لیے مقرر فرمایا؛ میری ڈیوٹی یہ تھی کہ میں کسی کو اس خلوت میں مخل نہ ہونے دوں چنانچہ جس روز زکوٰۃ کا اختتام تھا۔ چاشت کا وقت تھا آپ تلاوت میں مصروف تھے میں کافی پیچھے ہٹ کر بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک اندھیرا سا ہوا جیسے صبح صادق کا وقت ہوا اسی اثناء میں چند گھوڑ سوار آسماں کی طرف سے اترے۔ حضرت نے آگے بڑھ کر ایک شاہسوار کی قدم بوسی کی یہ حضور نور مجسم سرورِ عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات تھی۔ حضور کے دست مبارک میں ایک دستار تھی جو آپ کے سر پر باندھی گئی اس عزت سے مشرف کرنے کے بعد حضور صلے اللہ علیہ وسلم روپوش ہو گئے۔ میں نے حاضر خدمت ہو کر اس عزت افزائی پر مبارک باد عرض کی۔ اعلیٰ حضرت نے دریافت فرمایا کہ آپ نے بھی زیارت کی ہے۔

Marfat.com

میں نے عرض کیا: آپ کے صدقے مجھے بھی یہ عزت نصیب ہوئی ہے۔ حضرت نے مجھے تاکید کی کہ میں اس واقعہ کا کسی کے سامنے ذکر نہ کروں۔

جب تک حضرت پیر سیال اس جہانِ فانی میں جلوہ افروز رہے مرید صادق نے اس راز کو افشا نہیں کیا۔ لیکن آں جناب کے وصال کے بعد آپ نے مناسب نہ سمجھا کہ اپنے مرشد کے اس کمال کو مخفی رکھیں اس لیے آپ نے احباب سے اس کا تذکرہ فرمایا۔

حضرت کا انداز تبلیغ و ارشاد بالکل نرالا تھا۔ اسوۂ نبوت کا کامل نمونہ مناظرہ مجادلہ بحث و تکرار کا تو وہاں گذر ہی نہ تھا جو بات فرماتے محبت و پیار کے رنگ میں رنگی ہوتی اور بڑے سے بڑا جھگڑالو مدمقابل بھی خلوص کی مہک سے از خود رفتہ ہو کر سر نیاز قدموں میں رکھ دیتا بڑے بڑے علماء و فضلاء مناظرہ کرنے کے لیے حاضر ہوئے لیکن ناوک نگاہ کی تاب نہ لا کر ہمیشہ کے لیے غلام بے دام بن کر رہ گئے۔ بے شمار ایمان افروز واقعات سے ایک دو روح پرور باتیں آپ بھی سن لیجئے۔ تحصیل خوشاب میں انگہ ایک مشہور قصبہ ہے۔ قاضی سلطان محمود صاحب کا زمانہ تھا۔ آپ کے علم و فضل کی شہرت دور دراز علاقوں میں پہنچ چکی تھی۔ آپ کے تبحر علمی کے باعث علماء عصر آپ کو استاد کل کہا کرتے ان کے فضل و کمال کی بلندی کا اندازہ لگانے کے لیے صرف یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ حضرت قبلہ سید مہر علی شاہ صاحب آپ کے شاگرد تھے۔ حضرت کئی سال تک انگہ میں قیام پذیر رہے۔ اور آپ کے چشمہ علوم و معارف سے سیراب ہوتے رہے۔

قاضی صاحب مذکور کو پتہ چلا کہ ان ہی کے ضلع شاہ پور میں سیال کے مقام

Marfat.com

پر ایک فقیر ظاہر ہوا ہے۔ جو سماع سنتا ہے اور لوگ جوق در جوق اس کے مرید بنتے جا رہے ہیں۔ قاضی صاحب کی تحقیق کے مطابق سماع شریعت میں ناجائز تھا۔ ان کی ایمانی غیرت یہ گوارا نہ کرسکی کہ ان کے علاقہ میں خلاف شریعت فعل کو اتنا فروغ نصیب ہو۔ چنانچہ ایک گدھے پر اپنی کتابوں کے انبار لادے اور مناظرہ کرنے کے ارادہ سے سیال شریف روانہ ہوئے وہاں اپنے معتقدین اور ساز و سامان کے ساتھ ایسے وقت پہنچے جب حضرت شمس العارفین اپنی مجلس آراستہ کئے ہوئے معرفت کے موتی لٹا رہے تھے۔ قاضی صاحب نے آؤ دیکھا نہ تاؤ آدابِ مجلس کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے کہنے لگے کہ میں نے سنا ہے کہ آپ شریعت کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور ایسے کام کرتے ہیں جو شرعاً ممنوع ہیں۔ حضرت نے قاضی صاحب کی بات سن کر بڑے تحمل سے فرمایا: قاضی صاحب! میری گردن بلکہ میری سات پشتوں کی گردن شریعت کے سامنے جھکی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے خلاف شریعت کام کرنے سے بچائے۔ یہ جواب سننے کے بعد قاضی صاحب تھوڑی دیر خاموش بیٹھے رہے۔ پھر وضو کرنے کے لیے شرقی کنواں پر تشریف لے گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد حضرت نے قوالوں کو اشارہ کیا تو انھوں نے پنجابی کے ان بولوں سے محفل سماع کا آغاز کیا۔

جھنگ کنوں دل تنگ ہیو سے پچھاں ہزارے دیاں داتاں
میرے ماہی دیاں مٹھیاں باتاں جیویں کھنڈ شکر نباتاں

قاضی صاحب سماع کی آواز سن کر غصّے سے دوڑے ہوئے آئے۔ بار بار کہہ رہے تھے: پھر بھی آپ باز نہ آئے۔ پھر بھی آپ باز نہ آئے۔

Marfat.com

جب قاضی صاحب قریب پہنچے تو حضرت نے ایک بار نگاہ بھر کر دیکھا ان پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اور غش کھا کر گرے ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگے۔ اور قوال برابران بولوں کو دہرا دہرا کر قاضی صاحب کی آتش شوق کو بھڑکا رہے تھے۔ قاضی صاحب بہت بڑی دستار باندھا کرتے تھے جو ان کے علم وفضل کی گواہی دیتی تھی۔ اس مستی وشوق میں اپنی دستار سر سے اتاری اور قوالوں کو جا کر دی۔ اس محفل پر کیف ومستی کا جو رنگ چڑھا ہو گا۔ اس کی ماہیت کیونکر بیان کی جاسکتی ہے۔ قوال جب اس بول کا تکرار کرتے تو آپ تڑپتے اور یہ نعرہ لگاتے۔

حق او یارو! حق او یارو!

حضرت ثانی غریب نواز اس محفل پاک میں حاضر تھے۔ جب قاضی صاحب نے اپنی دستار قوالوں کو جا کر نذر کی تو آپ چپکے سے اٹھ کر گھر تشریف لے گئے گھر میں سونے چاندی کے جتنے زیورات تھے سب اٹھا کر لائے اور قوالوں کو پیش کر کے ان کے عوض قاضی صاحب کی دستار ان سے لے لی اور فرمایا؛ یہ عالم کی دستار ہے اور اسی کے سر پر زیب دیتی ہے۔ پھر قاضی صاحب کے سر پر وہ دستار باندھ دی۔ اعلیٰ حضرت غریب نواز اپنے فرزند دل بند کی اس اداشناسی پر بڑے مسرور ہوتے اور آپ کو دعاؤں سے نوازا۔

مردانِ خدا مناظرہ کے اکھاڑوں کو یوں اپنی چشم کرم سے عشق ومحبت کے خیابان میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ اس قسم کے واقعات شاذ ونادر ہی نہیں بلکہ ہر روز کا معمول تھا۔ خدنگ ناز کی زد میں جو آیا جانے نہیں پایا۔

حضرت کی خدمتِ اقدس میں ہر قسم کے لوگ آیا کرتے تھے۔ فقیر بھی امیر بھی

Marfat.com

گدا بھی، نواب بھی، سالک بھی قلندر بھی، عالم بھی اور اَن پڑھ بھی، اور اس کریم کے دروازے سے ہر شخص اپنی استعداد اور اپنے ظرف کے مطابق بہرہ ور ہوا کرتا۔ ہر شخص کی اصلاح اور تربیت کے لیے ایسا انداز اختیار فرماتے جو اس کی نفسیات کے عین مطابق ہوتا۔

ضلع جھنگ میں شاہ جیونہ ایک مشہور قصبہ ہے جہاں حضرت محبوب عالم جو شاہ جیونہ کے نام سے مشہور ہیں، کا مزار شریف ہے آپ سلسلہ چشتیہ صابریہ کے بزرگ تھے۔ آپ کی اولاد میں سے ایک مشہور ہستی سیّد محمد غوث شاہ صاحب گذرے ہیں۔ آپ کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ آپ علاقہ کے رئیس اعظم تھے۔ سات سو مربع زمین کے مالک تھے۔ پیرانہ سالی کا آغاز ہو چکا تھا۔ حضرت پیر سیال غریب نواز کی شہرت سن کر آستانہ عالیہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور اپنی داستانِ غم مردِ خدا کی خدمت میں بصد ادب و نیاز پیش کی۔ حضرت نے ارشاد فرمایا شاہ جی غم نہ کرو۔ اللہ تعالےٰ آپ کو دو بچے دے گا۔ ایک کا نام صالح شاہ اور دوسرے کا نام راجہ شاہ رکھنا۔ اس مژدہ جانفزا کو سن کر شاہ صاحب نے حضرت کے دست اقدس پر بیعت کی اللہ تعالیٰ نے مردِ کامل کی زبان سے نکلی ہوئی بات کو پورا فرمایا۔ اور پیرانہ سالی میں دو لڑکے عطا فرمائے۔ جن کو صالح شاہ اور راجہ شاہ کے ناموں سے موسوم کیا گیا۔ دوسرے سادات کو جب پتہ چلا کہ سیّد محمد غوث شاہ صاحب نے ایک جٹ کی بیعت کی ہے تو ملامت کرنے لگے کہ تم اتنے رئیس اعظم اور ایک ولی کی اولاد اور پھر سیّد تھیں اگر کسی کو مرشد بنانا تھا تو کسی سیّد کو بنایا ہوتا۔ ایک جٹ کا مرید بننا قطعاً آپ کے شایانِ شان نہیں۔

Marfat.com

سید محمد غوث شاہ صاحب نے ان ملامت کرنے والوں کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا کہ میں نے جٹ کے کھیت کو سرسبز دیکھا ہے۔ تب ہی اس کا فیصلہ کیا ہے۔

ضلع جھنگ کے ایک دوسرے سید صاحب جو ٹھٹھہ محمد شاہ کے واحد مالک تھے۔ انھوں نے جب سنا کہ شاہ جیونہ صاحب کے سجادہ نشین نے سیال شریف بیعت کی ہے تو ان کے دل میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شوق پیدا ہوا اور دل میں یہ طے کیا کہ اگر میری یہ تین شرطیں پوری ہوئیں تو بیعت کروں گا۔ ورنہ واپس چلا آؤں گا۔ ایک شرط یہ تھی کہ میری جب آپ سے ملاقات ہو تو مغرب کی طرف سے آ رہے ہوں۔ دوسری شرط یہ تھی کہ بتائے بغیر آپ مجھے پہچان لیں اور تیسری شرط یہ تھی آپ مجھے گلاب کا پھول عطا کریں۔ دل میں یہ طے کرنے کے بعد سیال شریف پہنچے۔ حضرت کے بارے میں پوچھا تو بتایا کہ حضرت قبرستان تشریف لے گئے ہیں۔ یہ قبرستان سیال شریف سے مغرب کی سمت میں واقع ہے۔ میں ادھر ہی چل پڑا راستہ میں دیکھا کہ اعلیٰ حضرت قبرستان سے شہر کی طرف آ رہے ہیں۔ میں نے دل میں کہا کہ میری ایک شرط تو پوری ہو گئی لیکن دیکھتا ہوں کہ دوسری دو[2] شرطیں کیسے پوری ہوتی ہیں۔ میں ادھر سے جا رہا تھا۔ حضرتِ قبرستان کے مغربی سمت سے شہر کی طرف آ رہے تھے۔ راستہ میں ساہیوال کا ایک خادم حاضر ہوا اور ایک پھولوں سے بھرا ہوا لوٹا حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ اتنے میں میں بھی قریب پہنچ گیا۔ حضرت نے پھولوں میں سے ایک پھول اٹھایا اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا لو شاہ صاحب یہ پھول لے لو۔ میں اپنی تین شرطوں کو اس حیرت انگیز طریقہ پر پورا ہوتے دیکھ کر اس مردِ خدا کی عظمت کا قائل ہو گیا۔ اور عرض

Marfat.com

کی کہ حضرت مجھے ابھی بیعت فرمائیے۔ چنانچہ حضرت نے وہیں راستہ میں مجھے شرف بیعت سے سرفراز فرمایا۔

ملک شیر خان مرحوم، بندیال کے رئیس اعظم تھے۔ اور حضرت کے نیازمند بھی روسا، کی طرح یہ بھی کتوں کے بہت شوقین تھے۔ اعلیٰ نسل کے کتے پال رکھے تھے اور سفر میں بھی انھیں اپنے ساتھ رکھا کرتے۔ ایک دفعہ اپنے مرشد کی زیارت کرنے سیال شریف حاضر ہوئے۔ کتوں کو حویلی میں باندھ دیا، شام کی آذان ہو گئی تھی اس لیے نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں چلے آئے۔ ایک پستہ کتا چپکے چپکے پیچھے آگیا انھیں اس کی خبر نہ ہوئی۔ کتا جوتوں کی جگہ بیٹھ گیا۔ حضرت رضی اللہ تعالے عنہ فرض باجماعت ادا کر کے مسجد سے اپنی عبادت گاہ کی طرف جانے لگے ایک خادم ہمراہ تھا جب باہر نکلے اور پستہ کتا بیٹھے ہوئے دیکھا۔ حضرت نے اپنے خادم کو حکم دیا۔ ملک شیر خاں آیا ہے یہ کتا اسی کا معلوم ہوتا ہے۔ تم یہاں ٹھہرو اس کی حفاظت کرو۔ مبادا عبداللہ سبز پوش اسے مارے ملک کو اپنے کتے بڑے پیارے ہیں (عبداللہ ایک درویش تھا جو آستانہ عالیہ پر کسی کتے کو آنے نہیں دیتا تھا۔ جو کتا اس کے ہتھے چڑھ جاتا تو اس کی خوب پٹائی کرتا)۔

ملک شیر خان کہتا ہے کہ میں نے حضرت کا یہ ارشاد سنا تو مارے شرم کے پانی پانی ہو گیا۔ دوڑ کر آیا اور اس درویش سے کہا کہ تم حضرت کے ساتھ جاؤ۔ میں اب اس کی رکھوالی کر لوں گا۔ ملک صاحب لوگوں کو اپنے مرشد کا یہ واقعہ سناتے اور آب دیدہ ہو جاتے۔ حضرت نے مجھے ڈانٹا نہیں، ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ میرے پاس خاطر کے لیے اس کی حفاظت کا اہتمام فرمایا۔ وہ کہا کرتے

Marfat.com

اگر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی تو آپ کو ضرور ملتی۔ اس کے بعد انھیں کتوں سے اس قدر نفرت ہو گئی کہ انھیں رکھنا ہی چھوڑ دیا۔

آپ کا وجودِ مسعود سراپا کرامت تھا۔ آپ کی نشست و برخاست، گفتار و کردار میں دلوں کو لوٹ لینے والا بانک پن تھا۔ اس کے باوجود آپ انتہائی ضبط سے کام لیتے تھے۔ اور کرامات کے اظہار کو پسند نہیں فرمایا کرتے۔ اور اگر کسی درویش سے کرامات کا ظہور ہوتا تھا تو اسے سخت سرزنش فرماتے۔ اس ضمن میں سید عباس علی شاہ کا واقعہ بڑا بصیرت افروز ہے۔ حضرت خواجہ غلام فخر الدین سیالوی مدظلہٗ کی روایت سے ہدیہ ناظرین ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ لاہور گیا مجھے کسی نے بتایا کہ بلال گنج میں ایک درویش حافظ شفیق احمد قادری رہتے ہیں ان کی زیارت کرنا چاہیئے۔ چنانچہ اس ساتھی کو لے کر میں حافظ صاحب کے مکان پر گیا۔ دروازہ کھٹکھٹایا، دروازہ کھلا۔ ایک درویش نے بڑے تپاک سے ہمیں خوش آمدید کہا اور پہلے سے ایک آراستہ مسند پر مجھے بٹھایا۔ یہی حافظ شفیق احمد قادری تھے۔ انھوں نے کہا کہ میرے مرشد نے مجھے بتایا کہ آج تیرے پاس ایک مہمان آنے والا ہے۔ میں صبح سے آپ کے لیے چشم براہ ہوں۔ اور یہ مسند میں نے اسی ہدایت کے مطابق بچھا رکھی ہے۔ ابتدائی رسمی گفتگو کے بعد انھوں نے اپنا قصہ بیان کرنا شروع کیا۔ بتایا کہ میں موسیٰ زئی شریف میں بیعت تھا میرے مرشد کا انتقال ہو گیا۔ میں اس مراقبہ میں سرگرداں تھا وہ حل نہیں ہو رہا تھا۔ دن بدن میری پریشانی میں اضافہ ہونے لگا۔ میں روزانہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے آستانہ عالیہ پر حاضری دیا کرتا۔ کافی عرصہ کے بعد مجھے حضرت داتا صاحب

Marfat.com

نے خواب میں فرمایا کہ جموں میں سید عباس علی شاہ کے پاس جاؤ وہ تمھاری یہ مشکل حل کرے گا۔ میں گوہر مراد کی تلاش میں جموں پہنچا۔ تلاش بسیار کے بعد میں نے سید عباس علی شاہ کو پا لیا، لیکن ان کی ہیبت کذائی دیکھ کر مجھے مایوسی ہوئی۔ میں نے سوچا کہ جس کے لیل و نہار ایک برہمن کی نوکری میں گزرتے ہیں وہ میری مشکل کیا خاک حل کرے گا۔ چنانچہ اظہار کیے بغیر میں واپس آگیا۔ ایک بار پھر داتا صاحب نے خواب میں شرفِ دیدار بخشا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اسی جموں والے درویش کے ہاتھ میں دے دیا۔ اور ان کے پاس جانے کی تاکید فرمائی۔ میں پھر جموں پہنچا۔ جب گاڑی پلیٹ فارم پر رکی تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہی درویش پلیٹ فارم پر ٹہل رہا ہے۔ مجھے دیکھا اور جلدی سے آکر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجذوبانہ انداز میں کہا کہ اب داتا صاحب نے بھی لوگوں کی چغلی کھانی شروع کر دی ہے۔ وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر اس برہمن کے مکان پر لے گئے جس کی گائیں چرایا کرتے۔ کافی دن انھوں نے مجھے اپنے پاس رکھا پھر ایک روز مجھے اپنے ساتھ جنگل میں لے گئے اور خلوت میں ایسی توجہ فرمائی کہ میرا عقدہ حل ہو گیا۔ چشم زدن میں وہ مرحلہ طے ہو گیا جس میں میں عرصہ سے سرگردان تھا۔ اس کے بعد انھوں نے مجھے اپنے بارے میں بتایا کہ میں سید ہوں اور پنڈی گھیب کے ایک نواحی گاؤں کا رہنے والا ہوں۔ حضرت خواجہ شمس العارفین کا مرید ہوں۔ آپ کی خدمت میں ہی رہا کرتا تھا مجھ سے کرامات کا بکثرت ظہور ہونے لگا۔ تو حضرت نے بطور سزا تئیس ۲۳ سال کے لیے مجھے یہاں گائیں چرانے بھیج دیا۔ اب میری سزا ختم ہونے والی ہے میں عنقریب گھر چلا جاؤں گا۔ تم فلاں ماہ کی فلاں تاریخ میرے گاؤں میں آنا۔ جب تم وہاں پہنچو گے

Marfat.com

تو مسجد میں چند آدمی قل کے لیے بیٹھے ہوں گے وہ تمھیں بتائیں گے کہ ایک شاہ صاحب جن کا نام عباس علی شاہ تھا ساری عمر باہر رہے چند روز ہوئے واپس آئے وہ انتقال کر گئے ہیں۔ آج تیسرا دن ہے شاہ صاحب نے مجھے کچھ روپے دیئے کہ وہاں جا کر کھانا پکا کر میری فاتحہ پڑھ کر تقسیم کر دینا۔

میں واپس آگیا جب وہ مقررہ تاریخ آئی تو وصیت کے مطابق میں ان کے گاؤں پہنچا جس طرح انھوں نے بتایا تھا لوگ مسجد میں جمع تھے میرے دریافت کرنے پر انھوں نے بعینہٖ وہی بات بتائی جو شاہ صاحب نے بتائی تھی۔ میں نے ایصال ثواب کے لیے کھانا پکایا اور تقسیم کیا۔ ان کی قبر پر حاضری دی۔ سلام عرض کیا اور واپس چلا آیا۔

اعلیٰ حضرت کی کرامات جو سورج کی کرنوں کی طرح از خود صادر ہوا کرتی تھیں بے حد و بے حساب ہیں ان کے احاطہ کے لیے تو دفاتر بھی ناکافی ہیں۔ یہاں صرف دو واقعات عرض کرتا ہوں۔ جن میں اپنے مریدین کی جان و مال کی حفاظت کے لیے آپ کے روحانی تصرفات کی ایک جھلک نظر آتی ہے۔ یہ دو واقعات اتنے سچے اور متقی لوگوں سے مروی ہیں جن کے بارے میں غلط بیانی اور مبالغہ آرائی کا گمان تک بھی نہیں کیا جا سکتا۔

پہلے واقعہ کے راوی حضرت مولانا معظم الدین صاحب مرولوی قدس سرہٗ ہیں جن کو بارگاہِ عالی میں طویل حاضری کا امتیازی شرف حاصل ہے۔ یہاں یہ واقعہ حضرت شیخ الاسلام سجادہ نشین سیال شریف کی زبان مبارک سے سن کر لکھ رہا ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ ایک روز اعلیٰ حضرت سیالوی قدس سرہٗ ظہر کی نماز کے لیے

Marfat.com

وضو فرما رہے تھے اور خادم نیاز وضو کرا رہا تھا۔ اچانک حضرت نے اس کے ہاتھ سے کوزہ جھپٹ کر کسی غیر مرئی چیز پر دے مارا۔ خادم پریشان ہو گیا کہ مجھ سے کون سی غلطی سرزد ہو گئی ہے۔ چنانچہ وہ افسردہ خاطر ہو کر مولانا مرد لوی کی خدمت میں حاضر ہوا جو قریب ہی ایک حجرہ میں مقیم تھے اور یہ ماجرا بیان کیا۔ مولانا نے اسے تسلی دی کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ فقیر کا کوئی کام حکمت کے بغیر نہیں ہوا کرتا۔ تم اس کوزہ کی ٹھیکریاں سنبھال کر رکھ لو واپس آیا تو ٹھیکریاں بھی موجود نہ تھیں صرف چند ٹکڑے پڑے ہوئے ملے

Marfat.com

جو اس نے سنبھال کر رکھ لیئے۔ چند ماہ بعد ایک بخارا کے علاقہ کا آدمی وہاں پہنچا جو فارسی زبان بولتا تھا۔ جب سیال شریف پہنچا اور حضرت کی زیارت کی تو زور سے کہنے لگا: "ہمیں بود، ہمیں بود" یعنی یہی وہ شخص ہے یہی وہ شخص ہے۔ ہم نے اس سے ماجرا پوچھا تو اس نے بتایا کہ میں بارگاہِ الٰہی میں دعا مانگا کرتا تھا کہ الٰہ العالمین مجھے غوث زمان کی زیارت کی سعادت نصیب فرما۔ مجھے حضرت کی زیارت کرائی گئی اور سیالاں کا نام بھی بتایا گیا۔ میں اپنے علاقہ سے ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں ایک جنگل سے گذر رہا تھا کہ ایک شیر گرجتا ہوا مجھ پر حملہ آور ہوا میں نے پکارا: "اے سیالاں کے غوث! میری مدد کر" کیا دیکھتا ہوں کہ شیر کے ماتھے پر ایک کوزہ آکر لگا۔ اور وہ وہیں ڈھیر ہوگیا میں نے اس کوزے کی ٹھیکریاں اپنے پاس حفاظت سے رکھ لیں جب پشاور سے آگے آیا تو سیالاں کے بارے میں دریافت کیا کسی نے مجھے سیالکوٹ کا پتہ دیا۔ میں وہاں پہنچا آپ کی گلی گلی کوچے کوچے تلاش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی وہاں سے مجھے کسی نے جھنگ سیال کا پتہ بتادیا وہاں پہنچا لیکن جس کی تلاش تھی وہ نہ ملا میں حیران و پریشان تھا کہ اس شہر کا سراغ کیسے لگے کسی نے مجھے ساہیوال

جانے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ اس طرح میں پوچھتا پوچھتا سیال حاضر ہوا۔ جب اس نے وہ ٹھیکریاں پیش کیں اور ہم نے ان کو جوڑا تو وہ ہو بہو حضرت کا کوزہ تھا صرف چند جگہ سے کچھ ٹھیکریاں غائب تھیں ہمارے پاس جو تھیں وہ ہم نے وہاں جوڑ دیں مکمل کوزہ بن گیا۔

یہ واقعہ حضرت کی ظاہری زندگی کا ہے۔

دوسرا واقعہ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے اور حضرات اولیاء کرام کے تصرفات پر بُرہان قاطع ہے۔ اس کی تفصیل تو آپ ضیاء حرم کے شمس العارفین نمبر میں حضرت صاحبزادہ حافظ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے قلم معجز رقم سے مطالعہ کریں گے۔ یہاں اس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

ضلع مظفر گڑھ کے ایک گاؤں کھیرے میں ایک سادات کا خاندان ہے اس کے ایک بزرگ حضرت سید الہ بخش شاہ صاحب بڑے عالم و فاضل تھے اور اعلیٰ حضرت سیالوی کے نیاز مند تھے۔ حضرت بھی ان پر خصوصی لطف و کرم فرمایا کرتے تھے۔ حضرت کے وصال کے بعد سیال شریف میں ان کی حاضری پہلے کم ہوئی بعد ازاں آمد و رفت کا سلسلہ بالکل منقطع ہو گیا۔ حضرت قبلہ ثانی صاحب کے عہد میں یہ اطلاعیں آنے لگیں کہ شاہ صاحب نے اپنے گاؤں میں الگ کعبہ بنا لیا ہے۔ اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ اور اسی کے گرد طواف کرتے ہیں۔ حضرت ثانی صاحب سنتے تو بصد افسوس فرماتے بچارے شاہ کو کوئی مغالطہ لگ گیا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس پر رحم فرمائے ان کی یہی حالت رہی۔ حتیٰ کہ حضرت ثانی صاحب نے رحلت فرمائی اور حضرت خواجہ ضیاء الحق والدین مسند آرائے

Marfat.com

سیال شریف ہوئے۔

ایک دفعہ حضرت ثانی صاحب کے عرس مبارک پر یہ غل برپا ہوا کہ کعبہ بنانے والے شاہ صاحب آتے ہیں۔ ہم (حضرت صاحبزادہ عبداللہ صاحب) بھی ان کے دیکھنے کے لیے گئے اور ان سے اس واقعہ کے بارے میں استفسار کیا۔ انھوں نے پہلے تو اظہارِ حال سے معذرت چاہی لیکن پھر ہمارے شدید اصرار پر یوں گویا ہوئے:

میرے حضرت کے وصال کے بعد کچھ عرصہ تو میں ان وظائف و اوراد کو پابندی سے ادا کرتا رہا جو میرے شیخ نے مجھے بتائے تھے۔ پھر مجھے غیب سے آوازے آنے لگے کہ اے اللہ بخش تو میرا محبوب ہے میں تمھیں حکم دیتا ہوں کہ تو خود کعبہ بنا اور سنتِ خلیلی کو زندہ کر۔ میں حیران تھا کہ مجھ سے پہلے بھی کئی اولیاء کرام کو خلعت محبوبیت عطا ہوئی لیکن کسی نے نیا کعبہ نہیں بنایا میں یہ جسارت کیسے کر سکتا ہوں۔ ایک سال تو میں اپنے مؤقف پر ڈٹا رہا لیکن اس کے بعد غضب ناک لہجہ میں دھمکیاں ملنے لگیں جن کی میں تاب نہ لا سکا اس طرح میں ایک کوٹھا بنا کر اس کے گرد طواف کرنے لگ گیا۔

کچھ مدت گذری تو غیبی آوازوں کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوا مجھے کہا جاتا کہ سنت خلیلی تو تم نے ادا کر دی۔ اب سنتِ اسماعیلی ادا کرو۔ اور ذبیح اللہ کے مقام پر فائز ہو جاؤ میں نے سوچا کہ یہ تو خود کشی ہے جو حرام ہے۔ میں اس کا ارتکاب ہرگز نہیں کروں گا۔ کافی عرصہ میں اپنی ضد پر اڑا رہا لیکن پھر تو جھڑکیوں اور سرزنشوں کا سلسلہ شروع ہو گیا کہ تو کیسا محبوب ہے کہ اپنے مالکِ حقیقی کے حکم پر جان بھی

Marfat.com

نہیں دے سکتا۔ تجھ سے تو وہ ہندو زن بہتر ہے جو اپنے خاوند کی ارتھی پر بیٹھ کر خاکستر ہو جاتی ہے۔ اگر تو ہمارے حکم کی تعمیل نہیں کرے گا تو کیا تو ہمیشہ کے لیے زندہ رہے گا۔ روزِ حشر کیا منہ لے کر ہمارے روبرو حاضر ہو گا۔ آئے روز کی ان جھڑکیوں نے مجھے بے بس کر دیا اور میں اپنا گلہ کاٹنے پر آمادہ ہو گیا۔ ایک روز تیز استرا لے کر اپنی گردن پر چلا دیا۔ فوراً میرے شیخ حضرت خواجہ شمس العارفین بجسم ظاہر تشریف لے آئے۔ میرے ہاتھ سے استرا چھین کر دور پھینک دیا فرمایا۔ خبردار! اے اللہ بخش یہ رحمانی آواز نہیں شیطانی ہے۔ پھر آپ آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔

یوں میں اپنے مرشد کامل کی دستگیری سے دوزخ کا ایندھن بننے سے بچ گیا۔ شاہ صاحب نے گردن پر استرے کا وہ زخم بھی دکھایا جو ابھی پوری طرح مندمل نہیں ہوا تھا وہ اڑھائی انچ کے برابر تھا۔

بے شک عارف رومی نے سچ کہا ہے:

دستِ پیر از غائباں کوتاہ نیست

حضور سرورِ عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث طیبہ اس کی تصدیق کے لیے کافی ہے:

لا یزال العبد یتقرب الیّ بالنوافل حتی اکون سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہا

ایک روز حضور پیر سیال، سیال شریف میں تشریف فرما تھے۔ ہزاروں لوگ جمع تھے صبح کا وقت تھا۔ حضور اپنے حجرہ میں اپنے اوراد اور وظائف پڑھ رہے تھے۔

Marfat.com

اور قوّال الگ الگ جگہ درد و سوز سے محبت بھرے اشعار سنا کر لوگوں کے ایمان کو تازہ کر رہے تھے۔ قوالوں کی آواز جب حضور نے سنی تو دل میں ان کے سننے کا شوق پیدا ہوا۔ وظائف سے فراغت پاکر حضور حجرہ سے نکل کر مجلس میں تشریف لے آئے۔ قوال حضرت کے عظمت و جلال کے باعث خاموش ہو گئے حضور نے فرمایا:

ع چو در خسرو آمد مے در سبو نماند

حضور کے ایک خادم مولانا حفیظ ماہی صاحب نے جب یہ سنا تو عرض کی کہ عالیجاہ! ابھی حکم کی تعمیل کی جائے گی۔ چنانچہ قوالوں نے اپنے درد بھرے انداز سے یہ غزل پڑھنی شروع کی ؎

شراب عشق کاندر جام کردند
نصیب عاشق بدنام کردند
ثنائے زلف رخسار تو اے ماہ
ملائک ورد صبح و شام کردند

قوال یہ غزل گا رہے تھے۔ اور حضور انور پر وجد و کیف کی ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔ ضبط اور وقار کا یہ پہاڑ جو بڑے سے بڑے واردات کو برداشت کرنے کی ہمت رکھتا تھا۔ اس نے اپنے دلی جذبات کو کبھی ظاہر ہونے کی اجازت نہ دی تھی۔ آج فرطِ ذوق و شوق سے بے تاب ہو گیا۔ حضور کی چشم پر نم سے ایک رنگین آنسو ٹپکا اور دایاں زانو اٹھا اور دوسرے کو دبالیا۔ اس وقت ساری فضا میں کیف و مستی کا ایک عجیب سماں تھا اور محبوب کی محبت میں مرغ بسمل کی طرح تڑپ

Marfat.com

رہا تھا۔ بڑے بڑے خواص اپنے ضبط و ہوش سے محروم ہو چکے تھے معلوم نہیں اس محفل میں محبت و عشق کی دولت کس فیاضی سے تقسیم ہوئی کہ ہر شخص اپنے دامن مراد کو محبتِ خداوندی اور عشق رسالت پناہی سے مالا مال پا رہا تھا۔

اعلیٰ حضرت فقط کشور فقر و درویشی کے تاجدار ہی نہ تھے بلکہ ظاہری علوم و فنون میں آپ کا درجہ بہت بلند تھا۔ قرآن کریم کی آیات طیبات کی تفسیر نبی رحمت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کی تشریح اور اکابر علماء ربانییّن کے اقوال کی توضیح جب آپ اپنی زبانِ فیض ترجمان سے کرتے تو بڑے بڑے علماء دنگ رہ جاتے۔ مثنوی کے پہلے دو شعروں کی جو توضیح حضرت نے اپنی محفل میں ایک روز فرمائی۔ مولانا امام دین صاحب مرآۃ السالکین کی زبان سے سماعت فرمائیے۔ ؎

بشنو از نے چوں حکایت می کنند

وز جدائی ہا شکایت می کنند

بشنو کا آمر حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہے۔ مولوی معنوی کی زبان حق ترجمان پر اور مامور اس کا طالب ذات باری تعالےٰ اور نے سے مراد عموماً انسان کامل اور خصوصاً ذات مقدس مولوی معنوی۔ اور جدائی سے مراد مہجوری اور دوری روح کی مرتبہ احدیت اور بے رنگی اور لاتعین سے ہے اور شکایت سے مراد روح کا ابتلاء کثرت اور ناسوتی کے رنگ میں یعنی نزول وجود مطلق کا بیچ مراتب تنزلات کے طرف موجودات کا مقید ہے۔ جیسا قولہ تعالیٰ رفیع الدرجات ذی العرش میں تنزلات ششگانہ کی طرف اشارہ ہے اور نائی نے سے مراد عشق کے سالک کا دل ہے۔ وہ گویا عین ذات حق تعالیٰ کی ہے۔ جب مفردات کے معنی معلوم ہوئے۔

Marfat.com

پس حاصل مطلب یہ ہوا کہ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ منصب میرا سخن سرائی مثنوی میں نے سے زیادہ نہیں ہے جو کچھ میں کہتا ہوں۔ عشق کے نے کی آواز ہے میری آواز نہیں۔

از وجود خود چو نے گشتم تہی
نیست از غیر خدایم آگہی
با لب دمساز خویشم کرد جفت
مے نیارم بر لب الا آن چہ گفت
از نیستاں تا مرا ببریدہ اند
از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

نیستاں سے مراد ارواح کا ذات استجماع صفات کے ساتھ پردہ غیب میں ہے۔

اس لیے کہ ارواح بلکہ تمام عالم اس مرتبہ میں ذرے میں مندرج تھے ، کالشجر فی البنات مثل درخت مع شاخ و برگ و گل و ثمر وغیرہ کے جو تخم میں پوشیدہ اور مندرج ہوتا ہے۔ یعنی ذات اسباب کی قابلیت رکھتی تھی کہ جس صورت میں چاہے اپنے آپ کو ظاہر کرے اور نفیر سے مراد جدائی اعتباری جو اسماء وصفات کے ظہور میں پیش آئی اور مرد سے مراد اسماء وصفات فاعلی اور زن سے مراد اسمائے وصفات انفعالی ہے۔ (صہ ۵۴۰۵، مراۃ السالکین)

ہم دیکھتے ہیں کہ معقول و منقول کے یکتائے روزگار علماء آپ کے نیازمندوں کی صف میں بصد ادب و احترام سر جھکائے بیٹھے ہیں اور حضرت کے علم و فضل سے اس قدر مرعوب ہیں کہ لب کشائی کی جرأت مفقود ہے۔ اپنے نورانی عہد میں جس

Marfat.com

کثرت سے علماء ظاہر حضرت کے آستانہ قدسی پر حاضر ہو کر فیض یاب ہوئے۔ اس پائے کے علماء اتنی بڑی تعداد میں ہمیں اور کہیں نظر نہیں آتے۔ حضرت قبلہ سید پیر مہر علی شاہ صاحب جو بجا طور پر نابغۂ عصر تھے وہ آپ کے چشمۂ فقر و درویشی سے بھی سیراب ہوئے اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کے دسترخوان علم و فضل کے سامنے دم بخود نظر آتے ہیں۔ اپنے بے نظیر علمی کارناموں کو محض اپنے پیر و مرشد کا فیض اور روحانی تصرف سمجھتے ہیں۔ اور بار بار اس کا برملا اعتراف بھی کرتے ہیں۔ یہاں ہم مہر منیر سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔

"رجب ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۰۰ء میں حضرتؒ لاہور میں قادیانی معرکہ سے مظفر و منصور ہو کر واپس آئے تو جناب حضرت ثانی صاحب سیالوی کا مبارک نامہ پہنچا اس کے جواب میں لکھا:

کہ یہ مبارکیں عالمگیر خطہ خاک پاک سیال شریف کو شایاں ہیں۔

؎ از رہ گزرے خاک سر کوئے شما بود

ہر نافہ کہ در دست نسیم سحر افتاد

اپنے شیخ کریم حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی شان اور فیضان میں بے ساختہ یہ بیس اشعار وحدت وجود کے رنگ میں قلمبند فرمائے ہیں اور انھیں ظاہر کیا ہے کہ مجھ سے جو کچھ ہو سکا ہے وہ اسی شمس نورانی کے نور مطلق کی بدولت ہوا ہے۔ جو میرے اندر کار فرما تھا۔ حضرت نے سیف چشتیائی میں بھی ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ اس وقت میں محسوس کر رہا ہوں کہ گویا میرے شیخ میرے پاس موجود ہیں اور اپنی توجہ سے مدعی قادیان کے جواب میں یہ دلائل میرے قلب میں

Marfat.com

القا فرما رہے ہیں اس خط کے آخر میں آپ نے اپنے مرشد برحق کی شان میں ایک قصیدہ لکھا ہے جو مکمل کسی دوسرے مقام پر ملاحظہ فرمائیے۔ یہاں اس کے چند اشعار ذکر کئے جا رہے ہیں ؎

شمس نورانی کہ نور مطلق است
درجہاں آفاق نورش مطبق است

گر نداد ے نام پاکت دست را
کس ندیدے درجہاں ایں مست را

ہر دو عالم در ہوائش باختہ
پائے از دیدہ براہش ساختہ

سیما آں سر دبستان خُدا
شاہباز قدس، آں شمس العلیٰ

حضرت کے سوانح نگاروں نے حضرت کے چند اشعار بھی اپنے تذکروں میں نقل کئے ہیں۔ جن سے حضرت کے ذوق رفیع، قادر الکلامی اور جذبہ عشق و محبت کی طغیانیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک دفعہ آپ کے استاد حضرت مولانا محمد علی صاحب نے ایک غزل لکھ کر اپنے مرشد کی خدمت اقدس میں روانہ کی جس کا پہلا مصرعہ یہ تھا

ع شہید تیر آں ترکم کہ از ابرو کماں دارد

مولانا نے اپنے شاگرد رشید کو بھی فرمایا کہ تم بھی اس زمین میں غزل کہو آپ فرماتے ہیں کہ اگرچہ میں نے پہلے کبھی شعر نہیں کہا تھا، لیکن استاد محترم کے حکم کی

Marfat.com

تعمیل میں یہ غزل موزوں ہو گئی۔

مقیم کوئے آں شاہم کہ اعلیٰ آستان دارد
ملوکش جملہ مفتون و ملائک پاسبان دارد
مثال عشق باآں شہہ خوباں عبرانی
چوں آں زالے کو درست تیندۂ ریشماں دارد
چہ طاقت بندہ عاجز را کہ با مولا سخن راند
دے از لطف و رحم او نظر بر فیض آں دارد

آپ سے پنجابی کے چند اشعار بھی منقول ہیں جو حضرت نے اپنے مرشد کامل کی وفات کے موقع پر فرمائے تھے ؎

ت تانگ تساڈی دی سانگ ہینوں میری جانگ آسمانوں تے جاری اے
برہوں تیر فراق دا چیر گیا، مارو پیر کلیجڑے دی کھاری اے
بُھکھ، مکھ تساڈے دتے، دیکھنے دی خوش چین سومینوں بھاری اے
شمس روگ لگا تن بھوگ میرے ملاں ہور طبیب سجھارتی اے

اس مختصر مقالہ میں اتنی وسعت کہاں کہ فیض و عطا کے اس بحر بیکراں کے حالات کا احاطہ کر سکے۔ اس ناچیز کے پاس نہ وہ آنکھ جو جمال شمس الہدیٰ کو دیکھنے کی تاب رکھتی ہو۔ نہ وہ دل جو عالم محبت کی ان لطافتوں اور نزاکتوں کا آشنا ہو نہ اتنا علم کہ اس فیاض جہاں کے کارناموں کو تفصیلاً بیان کر سکے۔ اور نہ ہی وہ قلم جو نوک زبان پر ان اسرار و معارف کو لا سکے۔ دیکھنے والے اور پہچاننے والے حضرت پیر سیال کے فیض یافتگان میں سے کسی کو دیکھ لیں۔ خود ہی استاد کامل

Marfat.com

کے کمال کا پتہ چل جائے گا۔ انیسویں صدی کے تاریک ماحول میں اس محبوبِ الٰہی نے جو شمعیں روشن کیں۔ ان ایام میں جب کہ خزاں کی چیرہ دستیاں انتہا کو پہنچ چکی تھیں، جس کی مسیحا نفسی نے خزاں زدہ گلشن کو آشنائے بہار کیا! اس کی عظمت کا ذکر کیوں کر کیا جا سکتا ہے۔

حضرت سے فیض یافتگان کا شمار تو کہاں، حضرت نے جن طالبان حق کو واصل بحق کر کے خلافت بخشی ان کا شمار بھی ممکن نہیں۔ جلالپور، گولڑہ، خواجہ آباد، مرولہ، بھیرہ، لاہور، ڈیرہ غازی خاں میں چشتی خانوادوں کی جو خانقاہیں دین کی عظیم تر خدمات انجام دے رہی ہیں۔ وہ کسی سے مخفی نہیں۔ یہ سب اسی مرشد کامل کی نگاہِ کرم کا فیض ہے جس کے چشمے یہاں بھی اور عرب و عجم میں بہ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس شمس الھدیٰ کی تابناک کرنوں سے اپنے تاریک دل منور کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جس طرح آپ پڑھ چکے ہیں کہ اعلےٰ حضرت قدس سرہ کی ولادت باسعادت ۱۲۱۴ھ ہجری میں ہوئی چھتیس سال کی عمر میں یعنی ۱۲۵۰ھ میں آپ کو اپنے شیخِ طریقت نے خلافت عطا فرمائی۔ چنانچہ آپ نصف صدی تک مسند رشد و ہدایت پر جلوہ افروز رہے۔ اپنی صوری اور معنوی رعنائیوں سے دلوں کو فریفتہ کرتے رہے اپنے روحانی تصرفات اور باطنی توجہات سے بندگانِ خدا کا ٹوٹا ہوا تعلق اپنے رب سے جوڑتے رہے۔ سینکڑوں کی تعداد میں آپ کے باکمال خلفاء ملک کے طول و عرض میں پھیل گئے اور بڑے سوز و گداز سے دعوتِ حق میں مشغول ہو گئے۔ افسردگی غفلت نے جہاں ڈیرے جما رکھے تھے وہاں ذکر و فکر کی محفلیں

Marfat.com

ذہنوں کو جِلا اور دلوں کو ضیائیں بخشنے لگیں۔ ویران مسجدیں آباد ہو گئیں۔ گوشے گوشے سے اللہ اکبر کی دلنواز صدائیں اور حی علی الصلوٰۃ کی روح پرور دعوتیں فردوسِ گوش بننے لگیں۔ آپ کے خلفاء نے اپنے اپنے مقام پر خانقاہیں قائم کیں۔ ساتھ ہی قرآن وسنت کی تدریس و تعلیم کے لیے مدارس معرضِ وجود میں آ گئے۔ ہر خانقاہ حال و قال کا ایسا حسین امتزاج پیش کرنے لگی کہ عقول اور قلوب دونوں سیراب ہونے لگے۔

آپ کے دستِ حق پرست پر جس نے بھی بیعت کی اس کا دل فسق و فجور کی آلائشوں سے متنفر ہو گیا۔ ذکر الٰہی کے بغیر اسے قرار ہی نہیں آتا تھا۔ شریعت کی پابندی اس خانوادہ کا امتیازی نشان ہے۔

پچاس سال یہ شمس منیر مطلع رشد و ہدایت پر نور افشانیاں کرتا رہا اور جس کا بھی بلاواسطہ یا بالواسطہ اس تاجدار فقر و معرفت کے ساتھ قلبی ربط قائم ہوا اس کی دنیا بدل گئی۔ اس کا بختِ خفتہ بیدار ہو گیا۔

انتقالِ پُرملال

جب ۱۳۰۰ھ کا آغاز ہوا۔ محرم الحرام کی پندرہ تاریخ تھی۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے ولی عہد اور فرزند ارجمند حضرت خواجہ محمد الدین صاحب (جو حضرت ثانی صاحب رحمۃ اللہ کے لقب سے معروف ہیں)، کو اپنے خاص حجرہ میں بلا کر اپنے سامنے بٹھایا اور ارشاد فرمایا، اے فرزند! دنیا کے حالات ہر وقت بدلتے رہتے ہیں کبھی خوشحالی، کبھی تنگدستی، ہمارے دادا صاحب کئی گاؤں کے مالک تھے اور دولت و

Marfat.com

ثروت کی فراوانی تھی۔ اس طرح والد ماجد بھی خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔
جب میرا زمانہ آیا۔ میں نے تحصیل علوم کے لیے سفر اختیار کیا بعد ازاں خواجہ خواجگان محمد سلیمان تونسوی رضی اللہ عنہ سے بیعت کی۔ دن بدن معاشی حالت بگڑنے لگی یہاں تک کہ فاقہ کی نوبت آنے لگی اور کبھی کبھی تو سات سات دن فاقہ میں گذر جاتے لیکن میں نے یہ راز کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔ اب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور خواجہ تونسوی کی برکت سے کسی چیز کی کمی نہیں، لیکن اس دنیائے فانی کی کسی چیز کے ساتھ مجھے قطعاً کوئی الفت نہیں۔ البتہ دو چیزوں سے مجھے پیار ہے، کیونکہ یہی دونوں چیزیں پیرانِ عظام سے مجھے مرحمت ہوئی ہیں۔
اوّل محبت درویشاں، دوم اطاعت پیر و مرشد تم توکل تسلیم اور صبر و قناعت کو اپنا معمول بنانا۔ ہر ایک سے خندہ پیشانی سے پیش آنا۔ درویشوں اور عالموں سے محبت رکھنا۔ صاحبزادہ صاحب (ثانی صاحب) نے حضور سے التماس کی کہ یا حضرت دولت ظاہری کی حاجت نہیں ہے۔ نعمت باطنی جو پیران عظام نے آنحضرت کو عطا فرمائی ہے اس سے عنایت فرمائیے۔ حضور نے ارشاد فرمایا:
"املاک ظاہری قبول کرو۔ املاک معنوی باطنی سے اللہ تعالیٰ تم کو مالا مال فرمائیگا"
صاحبزادہ صاحب نے پھر گذارش کی میری تمنا ہے کہ حضور چالیس برس تک اور سلامت رہیں تاکہ اس چشمۂ شیریں سے پیاسے سیراب ہوتے رہیں۔ یہ سن کر حضرت خاموش ہو گئے۔ پھر فرمایا: اے فرزند! ہم کو چالیس روز تک جینے کا بھی اعتبار نہیں، کیونکہ میں نے اپنے پروردگار سے یہ التجا کی ہے کہ میری عمر، میرے پیر و مرشد خواجہ تونسوی کی عمر کے موافق ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ میری عمر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے،

Marfat.com

ماہ صفر میں میرے مرشد نے انتقال فرمایا تھا۔شاید ہماری رحلت بھی اس ماہِ صفر میں ہووے۔

جدائی کی یہ خبر حضور ثانی کے خرمنِ صبر و ضبط پر بجلی بن کر گری اور آپ نے زار و قطار رونا شروع کر دیا۔صاحبزادہ صاحب کی آہ وزاری اور بے چینی کو دیکھ کر اعلیٰ حضرت نے فرمایا: لے نور چشم! میں چاہتا تھا کہ اسرار یزدانی سے تم کو آگاہ کروں مگر تم تھوڑی سی بات سے بے خود ہو گئے ہو۔ دنیا کی زندگی کا اعتبار نہیں کل نفس ذائقۃ الموت، کے مطابق ہر شخص نے موت کا شربت پینا ہے۔ پھر آپ نے دوسرے صاحبزادوں، جناب حافظ فضل الدین صاحب، جناب صاحبزادہ شجاع الدین صاحب کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اگر مندوبات اور مستحبات تم سے ادا نہ ہو سکیں تو فرائض کو مت ترک کرنا، بلکہ تم پر لازم ہے کہ پیرانِ عظام کی متابعت اور حق تعالیٰ کی یاد میں مصروف رہو۔

ایک روز حضرت صاحبزادہ محمدؐ دین صاحب کو فرمایا کہ آپ تونسہ شریف میں حضرت خواجہ کریم کی خدمت میں حاضر ہوں۔ مگر یاد رکھنا، جلدی واپس آنا، دیر مت لگانا۔ چنانچہ حسب ارشاد قبلہ صاحبزادہ صاحب تونسہ شریف روانہ ہوتے۔ ۱۸ ماہ صفر کو نمازِ تہجد سے فارغ ہونے کے بعد اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کو بخار کا عارضہ لاحق ہوا۔ حکماء و اطباء نے بڑی کوشش کی، لیکن فائدہ نہ ہوا۔ صاحبزادہ صاحب ۲۱ ماہ صفر کو منگل کے دن تونسہ شریف کی حاضری سے واپس آتے حاضر خدمت ہو کر مزاج پرسی کی آستانہ عالیہ کے حالات سے آگاہ کیا۔ اور جو ادویہ آپ واپسی کے وقت لیّہ کے کسی حاذق طبیب سے لے آئے تھے، ان کا استعمال شروع ہوا

Marfat.com

آخری عمر میں سماعت کم ہوگئی تھی۔ اس لیے لوگ اپنے حالات لکھ کر خدمت بابرکت میں پیش کیا کرتے تھے۔ حضرت صاحبزادہ فضل الدین صاحب نے وظائف کی اجازت طلب کی۔ حضور نے ارشاد فرمایا: اے فضل الدین! ہمارے تمام وظائف کی تم کو اجازت ہے۔ ۲۲، ماہ صفر حضرت خواجہ نے مولانا مرولوی کو فرمایا کہ تم بھی کچھ لکھو۔ مولانا نے صاحبزادوں کی طرف سے ایک درخواست پیش کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ آنجناب کے آستانہ عالیہ سے سعادت دارین اور مطالب کونین کے حصول کے لیے بے شمار لوگ آتے ہیں۔ کسی صاحبزادہ صاحب پر نظر شفقت فرمایئے تاکہ خاندان چشت کا یہ فیض ہمیشہ جاری رہے۔ حضور نے درخواست کا مطالعہ فرمایا لیکن خاموشی اختیار کی تھوڑی دیر کے بعد مولانا نے پھر درخواست پیش کی۔ اعلیٰ حضرت نے ملاحظہ فرما کر دعا کے لیے دست مبارک اٹھاتے اور زبان مبارک سے بھی کچھ فرمایا جو سمجھا نہ جا سکا۔ نقاہت میں مزید اضافہ ہوگیا۔ صفر کی چوبیسویں رات تھی۔ حضور حاضرین سے بار بار دریافت فرماتے کہ فجر طلوع ہوئی ہے یا نہیں۔ پھر پوچھا: آج کونسا دن ہے۔ اور کیا تاریخ ہے؟ کسی نے عرض کیا: اے جانِ عالم! آج جمعہ کا دن ہے۔ اور ۲۴ ماہ صفر۔ حضور نے دست مبارک میں تسبیح لے کر چند بار درود شریف پڑھا پھر ذکر پاک انفاس میں مشغول ہو گئے حاضرین کی طرف محبت بھری اور الوداعی نگاہوں سے دیکھا اور قبلہ رو ہو گئے۔ اور علاماتِ وصال آپ پر ظاہر ہوئیں۔ اس طرح شمس مطلع ہدایت و محبت نصف صدی تک محبت اور عشق کی دولت لٹانے کے بعد اپنے محبوب حقیقی سے جا ملا۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

ہر سال ماہ صفر کی ۲۲، ۲۳، ۲۴ تاریخ کو آستانہ عالیہ سیال شریف پر عرس مبارک

Marfat.com

منعقد ہوتا ہے۔ جس میں آج بھی ملک اور بیرون ملک سے بے شمار مخلوق فیضیاب ہونے کے لیے حاضر ہوتی ہے۔ اور حضرت کے آستانہ عالیہ کے موجودہ سجادہ نشین شیخ الاسلام والمسلمین علامہ حافظ محمد قمر الدّین مدظلہ الاقدس کی ذاتِ گرامی اپنے علمی کارناموں، دینی عظمت، سیاسی اور ملکی خدمات جلیلہ کے باعث فخر روزگار ہے۔ مولا کریم اس عظیم ہستی کو تا ابد سلامت باکرامت رکھے اور حضرت کے سارے خاندان اور صاحبزادگان والا تبار کو ان روحانی علمی، اخلاقی عظمتوں کا وارث کرے جو ان کے اسلاف کا حصہ تھیں۔ آمین!

ے: ضیائے حرم کا شمس العارفین نمبر شائع ہونے کے موقع پر حضور خواجہ شیخ الاسلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ظاہری زندگی کے ساتھ موجود تھے۔

Marfat.com

مولانا الشاہ

احمد رضا خان بریلوی قدس اللہ سرہ العزیز

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جو شخص برِ صغیر پاک و ہند کی ماضی قریب کی تاریخ سے واقفیت رکھتا ہے، اسے خوب معلوم ہے کہ یہ عرصہ کتنا پُر آشوب اور ہنگامہ ہائے رستاخیز سے معمور تھا۔ انسان کی سیرت و کردار کی تشکیل میں اس کے عصری حالات جو فیصلہ کن اثر ڈالتے ہیں وہ اہلِ علم سے مخفی نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض لوگ اپنے عصر کے تقاضوں سے منفعل اور متاثر ہوتے ہیں۔ اور بعض لوگ خود ان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس لیے کسی کی زندگی کا تجزیہ کرتے ہوئے اس کے زمانہ کے احوال سے صرفِ نظر قطعاً مستحسن نہیں۔ اس لیے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام اہلسنت حضرت مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی ذات ستودہ صفات کو سمجھنے کے لیے آپ کے عہد کے مزاج کو سمجھنا اور ان تاریخی عوامل کا جائزہ لینا از حد اہم ہے۔ جو اس وقت کارفرما تھے۔

ذرا چشمِ تصور کو وا کیجیے اور دیکھیے کہ افقِ ہند پر ایک ہزار سال تک درخشاں رہنے کے بعد اب مسلمانوں کا آفتابِ اقبال غروب ہوا چاہتا ہے۔ بابر اور اورنگ زیب کی اولاد اب شمشیر و سناں سے راہ و رسم توڑ چکی ہے، اور طاؤس و رباب بر

Marfat.com

فریفتہ ہونے لگی ہے۔ جہاں جوانوں کا خون گرمانے کے لیے رجز پڑھے جاتے تھے وہاں اب عصمت فروش رقاصائیں اپنی پائلوں کی جھنکار سے غیرت و حمیت کے جذبات کو لوریاں دے رہی ہیں۔ جہاں مائیں بچوں کو خالد و طارق کے قصے سنا کر پروان چڑھاتی تھیں، وہاں اب عشق و حسن کی بدمستیوں کی کہانیاں وجہ تسکینِ خاطر اور باعثِ گرمی محفل بن گئی ہیں۔ روحوں کی پاکیزگی، حوصلوں کی بلندی اور عزائم کی پختگی کو عیش و عشرت کی دیمک نے چاٹ کر کھوکھلا کر دیا ہے، جن کے آباؤ اجداد کے نام سن کر اغیار کے دل لرز لرز جایا کرتے تھے۔ آج لال قلعہ کی مضبوط اور سنگین دیواریں اور گہری خندقیں بھی دشمنوں کی یلغار سے انھیں پناہ نہیں دے سکتیں ملک کے طول و عرض میں ہر طرف فتنہ و فساد کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ طوائف الملوکی کا دور دورہ ہے۔ ایک مملکت سینکڑوں چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹ چکی ہے۔ کہیں مرہٹوں کی بربریت نے کہرام مچا رکھا ہے اور کہیں سکھوں کے وحشیانہ مظالم سے قیامت برپا ہے۔ مغل اقتدار راس کماری اور درۂ خیبر سے سمٹ کر قلعۂ معلیٰ میں محصور ہو گیا ہے۔

انگریز اندرونی خلفشار سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان پر اپنی گرفت دل بدن مضبوط کرتے جا رہے ہیں۔ یکے بعد دیگرے ایک ایک صوبہ اور ایک ایک ریاست ان کے زیرنگیں ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ان المناک حالات میں اسلامی حمیت نے پھر جھرجھری لی۔ حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی کے نعرۂ جہاد سے سارا ہندوستان گونج اٹھا۔ فرنگی استعمار کا مقابلہ کرنے کے لیے علمارِ حق کفن بدوش، سربکف میدانِ عمل میں اتر آئے۔ ہندوستان کا ہر قابلِ ذکر شہر میدانِ کارزار بن گیا اور شمعِ آزادی کو

Marfat.com

روشن رکھنے کے لیے مسلمانوں نے بے دریغ قربانیاں دیں، لیکن جاہ طلب اور مصلحت اندیش امراء کی غداری اور صحیح فوجی قیادت کے فقدان کے باعث ملک و ملت کے سرفروش مجاہدین کی یہ کوشش برآور نہ ہوسکی۔ فاتح انگریز کی آتش انتقام بھڑک اٹھی اور جنگ آزادی کے سپاہیوں کو چن چن کر تہ تیغ کیا جانے لگا۔

چونکہ آزادی کا صور اسرافیل پھونکنے والے، جہاد کے نقارہ پر پہلی چوٹ لگانے والے میدان جنگ میں کفر و باطل کو للکارنے والے اکثر و بیشتر علماء اہل سنّت اور ان کے پیروکار تھے، اس لیے انتقام کے شعلے، انھیں کی طرف لپکے، انگریز کی آتش غضب انھی کے خرمنِ امن و عافیت کو خاکستر بناتی رہی۔ حریت کیش مجاہدین کو سزا دینے کے لیے جگہ جگہ فوجی عدالتیں قائم کی گئیں، چند سفاک اور خون آشام لوگوں کو اختیار دے دیا گیا کہ وہ مردانِ حُر کو جنھوں نے خوشی سے غلامی کی بیڑیاں پہننے سے انکار کر دیا تھا، جو چاہیں سزا دیں۔ ان کا سفاک قلم عدل و انصاف کے سارے تقاضوں کو یکسر فراموش کر دیتا ہے، جلیل القدر فضلا کو، جن کی نظیر مادر گیتی بار بار پیدا نہیں کرتی، عبور دریائے شور کی سزا دی جاتی ہے سینکڑوں کو جلاوطن کر دیا جاتا ہے، ہزاروں علماء کرام کو درختوں کے تنوں سے باندھ کر گولی سے اڑا دیا جاتا ہے۔

فطرت بڑی کفایت شعار ہے دیدۂ بینا اور عقلِ رسا کی نعمت ارزاں اور عام نہیں ہوتی۔ برسوں کی تگ و دو کے بعد کہیں کوئی مردِ حکیم بزم آرا ہوتا ہے۔

عمرہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا ز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

ایک عالم ربانی کے اٹھ جانے سے جو خلا پیدا ہوتا ہے، اس کا پُر ہونا مشکل

Marfat.com

ہوتا ہے، یہاں تو سینکڑوں نابغہ روزگار ہستیاں بڑی بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار دی گئی تھیں۔ ان کی شہادت اور جلاوطنی سے ایک ناقابلِ تلافی اور ہولناک خلا کا پایا جانا ایک قدرتی امر تھا۔ قوم اپنے ذہنی ارتقا، علمی نشو و نما، تہذیبی اقدار کی حفاظت اور اپنے عقائد کے تحفظ کے لیے علما کی محتاج ہوتی ہے۔ جب تک قوم میں ایسے مردانِ حُر موجود ہوتے ہیں۔ جن کی نگاہیں حقیقت شناس اور زبانیں حق گوئی میں بے باک ہوتی ہیں تو کوئی فتنہ قوم کو گزند نہیں پہنچا سکتا۔ ادھر کوئی فتنہ کھڑا ہوا، اِدھر ان کی تلوار بے نیام ہوئی اور بجلی بن کر گری اور اس فتنہ کو خاک کا ڈھیر بنا دیا، لیکن جب ایسے نفوس سے قوم کی بزم خالی ہو جاتی ہے تو ہر بہروپئے کو کھل کھیلنے کا موقع مل جاتا ہے۔ اور وہ اپنی شاطرانہ چابکدستی سے لوگوں کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسا لیتا ہے۔ جنگِ آزادی میں ناکامی کے بعد ملت اسلامیہ کو اس قسم کے حالات سے دو چار ہونا پڑا۔ اس طوفان نے ان دہکتے ہوئے ان گنت چراغوں کو گل کر دیا۔ جن سے رشد و ہدایت کی روشنی پھوٹ رہی تھی۔ ہر طرف مایوسی اور اداسی کے اندھیرے چھا گئے جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گہرے ہوتے جا رہے تھے۔

اہلِ نظر کو ایک بات ذہن نشین کرنی چاہیئے کہ انگریز کا ہندوستان پر تسلط فوجی قوت کی بالادستی میں محدود نہ تھا، بلکہ ان کے ہمرکاب ان کی مادی ترقی کی مبالغہ آمیز داستانیں بھی تھیں۔ ان کے ساتھ سائنس کے جدید اور تعجب خیز انکشافات بھی تھے۔ ان کے پاس صنعتی اور فنی محیر العقول ایجادات بھی تھیں۔ مزید برآں وہ ایک ملحدانہ فلسفہ حیات بھی اپنے ہمراہ لاتے تھے۔ ان میں سے

Marfat.com

ہر ایک چیز مفتوح اور مغلوب قوم کے متاعِ ہوش و خرد کو لوٹ لینے کے لیے کافی تھی دشمن بڑے مہلک ہتھیاروں سے مسلح ہو کر یہاں آیا تھا اور یہاں اس کی دعوت مبارزت کو قبول کرنے والے اور اس کی نخوت و رعونت کو خاک میں ملانے کا دم خم رکھنے والے یا تو اپنی پُر انوار مرقدوں میں آرام فرما تھے یا اسیرانِ زندانِ جفا۔ میدان خالی تھا انگریز نے اسلامی حکومت کا چراغ گل کرنے کے بعد انھیں دولت دین و ایمان سے محروم کرنے کا بھی عزم بالجزم کر لیا، کیونکہ ملت صالح اور حکیمانہ قیادت سے محروم ہو چکی تھی۔ اس لیے بعض نوجوانوں کو، جن میں حکمت کی متانت کم اور جوش و خروش زیادہ ہوتا ہے۔ انگریز نے اپنے دامِ فریب میں آسانی سے اسیر کر لیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک ایسی کھیپ تیار ہو گئی، جن کے قلب و نظر کو اغیار کی عشوہ طرازیوں نے اپنا گرویدہ بنا لیا۔ وہ برملا اسلامی تعلیمات کا استخفاف کرنے لگے دین کے اصول، دین کے مسلمات کا انکار ان کے لیے قطعاً کوئی اہم بات نہ رہی انھیں اپنے اسلامی تمدن سے بھی گھن آنے لگی وہ اپنے تاباں ماضی سے بھی نفرت کرنے لگے اور اپنے اسلاف کرام سے قطع تعلق کرنے میں ہی اپنی عزت اور توقیر سمجھنے لگے اور خود خوشامد پسند کاسہ لیسوں کے سرخیل ہوتے ہوئے ان پیکرانِ استغناء و استقامت پر تملق پیشگی اور شاہ پرستی کی تہمت لگانے لگے، جن کی سیر چشمی اور بے نیازی کی قسم فرشتے بھی کھا سکتے ہیں۔

غرضیکہ ہر وہ چیز جو اسلام کے تقدس اور روحانی عظمت کی آئینہ دار تھی اس کو بے توقیر اور بے وقعت کر دینے کی کوشش کو خدمتِ اسلام کا نام دیا جانے لگا۔ عظمتِ اسلام کو ہدفِ طعن بنانے کی خدمت وہ نوجوان انجام دینے لگے، جو ملت کی امیدوں کا مرکز اور خوابوں کی تعبیر بننے کی اہلیت رکھتے تھے۔ شجرِ اسلام کو اکھاڑ پھینکنے

Marfat.com

کے لیے وہ لوگ پیش پیش تھے، جن کے آباؤ اجداد نے اپنے خونِ ناب سے اسے سینچا تھا ؎

غنی روزِ سیاہ پیرِ کنعاں را تماشہ کن
کہ نورِ دیدہ اش روشن کند چشمِ زلیخا را

نورِ دیدۂ پیرِ کنعان، چشمِ زلیخا کو کیوں روشن کرنے لگا؟ اپنوں سے کٹ کر بیگانوں سے محبت کی پینگیں کیوں بڑھانی شروع کر دیں؟ ضروریاتِ دین اور مسلّمات پر اس کا یقین کیوں متزلزل ہو گیا؟ آیاتِ قرآنی کی بیجا تاویلات بلکہ تحریفات کی جرأت اس میں کیوں پیدا ہو گئی؟ یہ سوالات اتنے غیر اہم نہیں ہیں کہ ان سے پہلوتہی کر کے انسان آگے گزر جائے، بلکہ یہ ہر مخلص مسلمان کے لیے دعوتِ فکر ہے جن پر سنجیدگی سے غور و فکر کرنا ہمارا فرضِ اولیں ہے۔ میرے نزدیک اس کے کئی اسباب تھے۔ سیاسی ادبار کے بعد احساسِ کہتری، جدید فاتح قوم کی مادی قوت، علمی سربلندی اور دل و نظر کو مسحور کر دینے والے افکار و نظریات اور ایسے علماء کا فقدان، جو اِن عوامل و محرکات کی طغیانیوں کے سامنے سدِ سکندری بن کر کھڑے ہونے کی ہمت رکھتے ہوں۔ ان کے علاوہ ایک ایسی تحریک جس نے مسلمانوں کے دل سے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے نقوش دھندلا دینے کے بعد محبتِ حبیبِ کبریا علیہ اطیب التحیۃ والثناء کے چشمۂ فیّاض کو گدلا کرنے کی مساعی کو دینِ حق کی صحیح خدمت خیال کر لیا۔ جب آنکھیں خاکِ مدینہ و نجف سے سرمگیں نہ ہوں تو دانشِ فرنگ کے جلوے اسے بہ آسانی خیرہ کر لیتے ہیں۔ جب دل محبوبِ رب العالمین کے صہبائے عشق سے سرشار نہ ہو تو نفس کی ہوسناکیاں اسے بہ آسانی

Marfat.com

بدست کر سکتی ہیں۔ جب ذہن کی لوح پر عظمتِ مصطفیٰ کا نقش جلی قلم سے مرقوم نہ ہو تو اس لوح پر آپ کوئی سا نقش بھی کندہ کر سکتے ہیں۔ جب سرورِ عالم و عالمیان سے بندۂ مؤمن کا رشتۂ عقیدت ٹوٹ جائے تو اس کو ہر صیاد اپنا نخچیرِ زبوں بنا سکتا ہے۔

سیاسی ادبار کے ساتھ ذہنی اور فکری اتحاد بھی پارہ پارہ ہونے لگا۔ وہ اساسِ محکم کمزور ہونے لگی جس کے سہارے فقرِ اسلام حوادثاتِ دہر کا مقابلہ کرتا رہا یہاں تک کہ ایسی چیزیں بھی ظہور پذیر ہونے لگیں جن کا تصور تک بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ان میں سے ہی ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔

دین کے ایک ایک مقصد سے برملا غداری کی۔ جہاد کو حرام کر دیا۔ اتنی جسارت کے باوجود اسی ملت میں سے اسے اپنے حواری تلاش کرنے میں بھی کوئی دقت نہ ہوئی۔ جو سانحہ اسلام کی تیرہ صد سالہ تاریخ میں رونما نہیں ہوا تھا۔ وہ انگریزی اقتدار کی گرفت مضبوط ہوتے ہی وقوع پذیر ہو گیا۔

ان حالات میں بریلوی کے ایک معزز خاندان میں ایک روحِ ارجمند تشریف فرما ہوئی، جس کے مقدر میں ان تمام داخلی اور مذہبی فتنوں سے نبرد آزما ہونا رقم تھا، اور پیکرِ حسن و جمال، مصدرِ جود و نوال، منبعِ فضل و کمال اور مرکزِ عشق و محبت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ملت کا رشتۂ عقیدت و نیازمندی استوار کرنا تھا۔ رحمتِ الٰہی نے بڑی فیاضی سے انھیں بے نظیر صلاحیتوں سے بہرہ ور فرمایا تھا۔ بلا کا حافظہ، ذہنِ وقاد، طبعِ رسا، اقلیمِ فصاحت و بلاغت کی سروری، قدرت کے یہ وہ عطیے تھے، جن میں سبقت تو کجا، کوئی ہمسری کا دعویٰ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کوئی متداول اور غیر متداول علم و فن ایسا نہ تھا، جس میں آپ کی قابلیت کا لوہا نہ مانا جاتا ہو، علومِ دینیہ، فقہ

حدیث، تفسیر وغیرہ میں آپ کو جو عدیم النظیر مہارت حاصل تھی، اس میں تو کسی کو کلام نہیں، لیکن ریاضی، تکسیر اور نجوم وغیرہا علوم جن کے مبادیات سے بھی اکثر فضلاء بے خبر ہوتے ہیں، ان علوم میں آپ کے تبحر مہارت کا یہ عالم تھا کہ چوٹی کے ریاضی دان مشکل سے مشکل مسائل حل کرنے کے لیے آپ کی بارگاہ کا رخ کیا کرتے تھے اور جن مسائل کو وہ لاینحل قرار دے چکے ہوتے، آپ اشاروں میں حل کر کے انھیں محوِ حیرت کر دیتے۔

ڈاکٹر سر ضیا الدین مرحوم سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اپنے زمانے میں ریاضی کے مسلّم ماہر تھے۔ حضرت مولانا شاہ سلیمان اشرف رحمۃ اللہ علیہ پروفیسر دینیات مسلم یونیورسٹی نے اعلیٰ حضرت کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ ڈاکٹر صاحب موصوف ریاضی کے چند مسائل میں متفکر ہیں اور وہ حضرت سے مل کر ان کا حل دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ اجازت ہو تو شرفِ باریابی حاصل کریں۔

اعلیٰ حضرت نے بصد مسرت اجازت مرحمت فرمائی۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب چند روز بعد بریلی تشریف لے گئے۔ نماز عصر کا وقت تھا۔ نماز ادا ہوئی۔ اس کے بعد اعلیٰ حضرت اپنی مسند پر تشریف فرما ہوتے اور سلسلۂ گفتگو شروع ہوا۔ دورانِ گفتگو اعلیٰ حضرت نے اپنا ایک قلمی رسالہ جس میں مثلث اور دائرے کے اشکال بنے ہوئے تھے، ڈاکٹر صاحب کے سامنے پیش کیا، جس کو دیکھتے ہی ڈاکٹر صاحب حیرت و استعجاب میں ڈوب گئے اور بولے کہ میں نے اس علم کو حاصل کرنے کے لیے بارہا غیر ممالک کے سفر کیے مگر یہ باتیں کہیں بھی حاصل نہ ہوئیں۔ میں تو اپنے آپ کو اس وقت طفلِ مکتب سمجھ رہا ہوں۔ مہربانی فرما کر یہ فرمائیں کہ اس فن میں آپ کا استاد کون ہے۔ اعلیٰ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میرا

Marfat.com

کوئی استاد نہیں ہے۔ میں نے اپنے والد ماجد علیہ الرحمۃ سے جمع، تفریق، ضرب، تقسیم کے چار قاعدے اس لیے سیکھ لیے تھے کہ ترکہ کے مسائل میں ان کی ضرورت پڑتی ہے شرح چغمینی شروع کی تھی کہ میرے والد ماجد نے فرمایا کہ اس میں اپنا وقت کیوں ضائع کرتے ہو۔ مصطفےٰ پیارے کی بارگاہ سے یہ علوم تم کو از خود سکھا دیئے جائیں گے۔ چنانچہ یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں، مکان کی چار دیواری کے اندر بیٹھا خود ہی کرتا رہتا ہوں۔ یہ سب سرکارِ دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا کرم ہے۔ اس کے بعد کسور اعشاریہ متوالیہ کا ذکر چل پڑا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا: بس صرف تیسری قوت تک کا سوال حل کیا جا سکتا ہے اس پر اعلیٰ حضرت نے سید قناعت علی اور سید ایوب علی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میں نے ان دونوں بچوں کو کچھ قاعدے سکھا دیئے ہیں۔ آپ انھیں جس قوت کا سوال دے دیں، انشاء اللہ تعالےٰ یہ بچے حل کر دیں گے۔ ڈاکٹر صاحب محوِ حیرت ہو کر دونوں بچوں کا منہ تکنے لگے۔

Marfat.com

یہ بے مثل فہم و ذکاء، یہ بے نظیر علم و فضل اور یہ گوناگوں صلاحیتیں قدرت نے کسی خاص مقصد کی تکمیل کے لیے ارزاں فرمائی تھیں۔ چنانچہ آپ نے پونے چودہ سال کی عمر میں تمام علوم کی تکمیل فرمائی اور اس کے بعد تدریس و تالیف و تصنیف، وعظ و ارشاد، ریاضت و مجاہدات، ان فرائض کی انجام دہی میں مشغول ہوئے اور آخری دم تک بڑی جرأت ہمت اور بے باکی کے ساتھ اسلام کے دفاع میں مصروف رہے، کوئی فتنہ ہو، اس نے کہیں سر اٹھایا ہو، احمد رضا کا قلم اس پر صاعقہ بن کر گرتا اور اسے خاک سیاہ بنا کر رکھ دیتا۔ مخالفت کی آندھیاں اُٹھیں، بہتان تراشیوں کے طوفان اٹھے، لیکن اسلام کا یہ نڈر اور بے باک سپاہی حضور رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم کا عاشق صادق بلا خوف لومۃ لائم سینہ سپر رہا کسی موقع پر نہ اس میں لچک پیدا ہوئی اور نہ پائے استقامت ڈگمگایا۔ آپ کی ساری زندگی حضرت حسان کے اس شعر کی آئینہ دار رہی۔

فَاِنَّ اَبِیْ وَ اَوْلَادِیْ وَ عِرْضِیْ

لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِّنْکُمْ وِقَآءٗ

یہ درست ہے کہ آپ کا اصل میدانِ عمل دین اور علوم دین کی خدمت کرنا تھا۔ اور آپ کا طبعی رجحان سیاست کی طرف نہ تھا لیکن آپ کی ایمانی بصیرت اور مومنانہ فراست نے نہ آپ کو بعض لوگوں کی طرح انگریز کا حلقہ بگوش بننے دیا اور نہ کبھی ہندو کا دام زر دار انھیں اپنی گرفت میں لے سکا۔ آپ کے قلبِ مومن نے یہ بھانپ لیا تھا کہ اسلامی غیرت اس ذلت کو برداشت نہیں کر سکتی کہ مومن گداگروں کی طرح غیر مسلم حکومت سے مراعات اور عطیات کی دریوزہ گری کرے اور نہ اسے یہ گوارا ہے کہ لالہ جی کے مکر و فریب میں اسیر ہو کر ملتِ اسلامیہ کا مقدر اس بنیا کے ہاتھ میں دے دیں۔

Marfat.com

جو شرفِ انسانیت سے بالکل بے بہرہ ہے، لیکن جب قائد اعظم علیہ الرحمۃ کی قیادت میں ملت مسلمہ نے پاکستان کو اپنی منزلِ مقصود قرار دیا تو یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آپ کے مکتبِ فکر سے وابستہ جتنے علماء، ومشائخ اساتذہ وطلباء مدارس وخانقاہیں تھیں سب نے بلا استثناء اپنی کوششیں پاکستان کے حصول کے لیے وقف کر دیں۔ اور اس کے لیے کسی بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہیں کیا، جس وقت پاکستان کا نام لینا ہزاروں مشکلات کو دعوت دینے کے مترادف تھا جب کہ میدانِ سیاست کے بڑے بڑے تجربہ کار سپاہی پاکستان کے تصور سے کانپ اٹھتے تھے جب کہ بڑے بڑے روسا اور نواب پاکستان کی حمایت میں ایک لفظ کہنا خودکشی کے مترادف سمجھتے تھے، جب کہ بڑے بڑے مدارس کے فضلا قیام پاکستان کو اسلام کے مزاج کے خلاف یقین کرتے تھے۔ اس وقت ایک اعلیٰ حضرت بریلوی کا مکتب فکر تھا، جس کے وابستگان نے چٹاگانگ سے پشاور تک اور سلہٹ سے کراچی تک پاکستان کی حمایت کا اعلان کیا۔ کیا کوئی اس بات سے انکار کر سکتا ہے کہ یہ آپ کی ایمانی بصیرت کا فیضان نہ تھا؟ یقیناً یہ آپ کے فیضِ نظر کی برکت تھی۔ یقیناً یہ آپ کے نورِ نظر کا اجالا تھا، جس نے شک وشبہ اور تذبذب اور تردد کے سارے پردے چاک کر دیئے۔

آپ کی زندگی کے یہ چند سال، جن کا گوشہ گوشہ علم وعمل کے نور سے منور ہے جن کا لمحہ لمحہ ذکرِ خدا اور یادِ مصطفےٰ علیہ اجمل التحیۃ والثناء سے معمور ہے، جو دو ہزار تالیفات کی تصنیف سے مشرف ہے، جو پند وموعظت اور ذکر و رشاد کی محفلوں سے گونج رہا ہے، جو پھیلا تو کائنات کی پہنائیوں کو شرمسار کرتا گیا اور جو سمٹا تو عشق مصطفےٰ بن کر

Marfat.com

رہ گیا یہی آپ کا ایمان تھا کہ حُبِ حبیبِ کبریا صلے اللہ علیہ وسلم جانِ اور روحِ دین ہے۔ اس کے پرچار میں آپ نے اپنی ساری عمر صرف کر دی۔ اس کے لیے اپنی ساری صلاحیتیں وقف کر دیں۔

کتابت:

میاں عبیداللہ

نوشہرہ ورکاں

(گوجرانوالہ)

ذخیرہ
لاہور پاکستان

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com